بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تصنیف

مولانا کمال الدین المسترشد

استاذ الحدیث جامعہ اسلامیہ کلفٹن

دار التصنیف

جامعہ اسلامیہ کلفٹن کراچی

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب.....نقش قدم (کامل دو حصے)
تالیف.....مولانا کمال الدین المستر شد
کمپوزنگ.....مولانا شمس الحق صاحب
طبع.....اول
تعداد.....۱۱۰۰
سن طباعت..... ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۰۰۴ء
ناشر.....جامعہ اسلامیہ کلفٹن

ملنے کا پتہ:۔
جامعہ اسلامیہ کلفٹن
کراچی پاکستان
فون:5873321-46

فہرست عنوانات

نقش قدم (کامل دوحصے)

نمبر	عنوان	صفحہ
۱	تعارف کے چند کلمے	۹
۲	تقریظ شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب	۱۳
۳	تقریظ حضرت مولانا حبیب اللہ مختار صاحبؒ	۱۴
۴	تقریظ حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب	۱۶
۵	تقریظ شیخ الحدیث حضرت مولانا سبحان محمود صاحبؒ	۱۸
۶	تقریظ حضرت مولانا نظام الدین شامزئی صاحبؒ	۱۹
۷	تقریظ حضرت مولانا فضل محمد بن نور محمد یوسفزئی صاحب	۲۰
۸	تقریظ حضرت مولانا حسن جان صاحب	۲۲
۹	تقریظ حضرت مولانا حبیب اللہ شیخ صاحب	۲۳
۱۰	**باب اول** اخلاق کے بیان میں	۲۵
۱۱	فصل نمبر۱: اخلاق فطری چیز ہے۔	۲۵
۱۲	کیا اخلاق میں ذاتی سعی کا دخل ہے؟	۲۷
۱۳	ایک مثال	۲۷
۱۴	اخلاق حسنہ اپنانے کا عملی طریقہ	۲۹
۱۵	صحبت اور شریعت کا تلازم	۳۱
۱۶	فصل نمبر۲: اخلاق کا مقام	۳۴
۱۷	ایک شبہ کا ازالہ	۳۷
۱۸	فصل نمبر۳: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ	۳۸
۱۹	فصل نمبر۴: عمدہ اخلاق صرف زیور ہیں یا ضرورت بھی؟	۴۹
۲۰	فصل نمبر۵: اچھے اخلاق کے لئے مزاج کا اعتدال ضروری ہے۔	۵۳
۲۱	**باب دوم** رذائل کے بیان میں	۵۶
۲۲	فصل نمبر۱: دنیا کی محبت کیسی؟	۵۶
۲۳	فصل نمبر۲: دنیا کی حقیقت اور اس کی محبت کا انجام	۶۲
۲۴	حکایت	۶۵
۲۵	علاج	۶۷
۲۶	فصل نمبر۳: حرص وطمع کے بیان میں	۶۸
۲۷	حکایت	۷۰
۲۸	علاج	۷۳
۲۹	فصل نمبر۴: طول الامل (لمبی امیدیں)	۷۴
۳۰	علاج	۷۹
۳۱	فصل نمبر۵: بخل	۸۱
۳۲	حکایت	۸۳
۳۳	حکایت	۸۶
۳۴	علاج	۸۶
۳۵	فصل نمبر۶: جاہ اور عزت	۸۷
۳۶	علاج	۹۳
۳۷	فصل نمبر۷: ریاء دکھاوا	۹۳
۳۸	ریاکاری صرف نماز تک محدود نہیں بلکہ اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔	۹۸
۳۹	اس بارے میں اسلاف کے رہنما اصول	۹۸

نمبر	عنوان	صفحہ
۴۰	علاج	۱۰۰
۴۱	انتباہ	۱۰۰
۴۲	فصل نمبر۸: غضب وغصہ	۱۰۱
۴۳	حکایت	۱۰۴
۴۴	حکایت	۱۰۵
۴۵	علاج	۱۰۶
۴۶	فصل نمبر۹: حقد/کینہ	۱۰۷
۴۷	پرہیز	۱۱۰
۴۸	فصل نمبر۱۰: حسد	۱۱۰
۴۹	زیادہ حسد کن لوگوں میں ہوتا ہے؟	۱۱۱
۵۰	حسد کی ممانعت	۱۱۱
۵۱	آثار واقوال	۱۱۳
۵۲	حکایت	۱۱۴
۵۳	علاج	۱۱۶
۵۴	فصل نمبر۱۱: متفرقات کے بیان میں	۱۱۶
۵۵	خیانت	۱۱۶
۵۶	خیانت کی قسمیں	۱۱۷
۵۷	خیانت کی مذمت	۱۱۷
۵۸	دھوکا	۱۱۷
۵۹	عداوت	۱۱۸
۶۰	عصبیت	۱۱۹
۶۱	خوف مذمت	۱۲۱
۶۲	فصل نمبر۱۲: عجب خود پسندی	۱۲۳
۶۳	حکایت	۱۲۶
۶۴	علاج	۱۲۷
۶۵	حکایت	۱۲۸
۶۶	فصل نمبر۱۳: کبر وتکبر	۱۳۰
۶۷	لطیفہ	۱۳۲
۶۸	تکبر کی مذمت	۱۳۲
۶۹	حکایت	۱۳۴
۷۰	علاج	۱۳۷
۷۱	فصل نمبر۱۴: قساوت قلبی	۱۳۸
۷۲	قساوت کے اسباب	۱۳۸
۷۳	علاج	۱۴۱
۷۴	فائدہ	۱۴۱
۷۵	**باب سوم**	۱۴۲
	فضائل کے بیان میں	
۷۶	فصل نمبر۱: علم شرع کی اہمیت اور فضیلت	۱۴۲
۷۷	فصل نمبر۲: زہد	۱۵۰
۷۸	حکایت	۱۵۴
۷۹	حکایت	۱۵۵
۸۰	حکایت	۱۵۵
۸۱	فصل نمبر۳: قناعت واستغنا	۱۵۸
۸۲	فصل مبر۴: قصرِ اَمل (کوتاہ امیدیں)	۱۶۱
۸۳	فصل نمبر۵: سخاوت	۱۶۵
۸۴	سخاوت کی فضیلت	۱۶۶
۸۵	حکایت	۱۶۷
۸۶	حکایت	۱۶۸
۸۷	حکایت	۱۶۹
۸۸	حکایت	۱۷۰
۸۹	فصل نمبر۶: اخلاص	۱۷۲
۹۰	اخلاص کی ماہیت	۱۷۳
۹۱	علامات اخلاص	۱۷۶
۹۲	اخلاص کی برکت اور اس ضمن میں ایک حکایت	۱۷۶

نمبر	عنوان	صفحہ
۹۳	فصل نمبر۷: عفت ضبط نفس	۱۷۸
۹۴	فصل نمبر۸: شجاعت	۱۸۰
۹۵	شجاعت ادبیہ	۱۸۳
۹۶	فصل نمبر۹: کظم، غصہ پی جانا، عفو ونرمی اور حلم	۱۸۶
۹۷	حکایت	۱۹۰
۹۸	فصل نمبر۱۰: خیر خواہی	۱۹۱
۹۹	فصل نمبر۱۱: تواضع	۱۹۵
۱۰۰	تواضع کی فضیلت	۱۹۷
۱۰۲	آثار	۱۹۸
۱۰۳	ذلت سے بچنا ضروری ہے	۱۹۹
۱۰۴	حکایت	۲۰۱
۱۰۵	فصل نمبر۱۲: حکمت	۲۰۲
۱۰۶	فصل نمبر۱۳: عدل	۲۰۶
۱۰۷	عدل شخصی	۲۰۷
۱۰۸	جماعتی عدل	۲۰۸
۱۰۹	عدل ومساوات	۲۱۰
۱۱۰	عدل ورحمت	۲۱۱
۱۱۱	خاتمہ جس میں دو فصلیں ہیں	۲۱۲
۱۱۲	فصل نمبر۱	۲۱۲
۱۱۳	حیاء	۲۱۲
۱۱۴	حیاء کی فضیلت	۲۱۳
۱۱۵	انتباہ	۲۱۴
۱۱۶	تقویٰ	۲۱۴
۱۱۷	تقوی کی فضیلت	۲۱۵
۱۱۸	خوف ورجاء	۲۱۷
۱۱۹	تنبیہ	۲۱۹

نمبر	عنوان	صفحہ
۱۲۰	رضا بر قضا	۲۱۹
۱۲۱	حکایت	۲۲۰
۱۲۲	توکّل	۲۲۱
۱۲۳	توکّل کی فضیلت	۲۲۲
۱۲۴	تنبیہ	۲۲۳
۱۲۵	صبر وشکر	۲۲۳
۱۲۶	توبہ	۲۲۴
۱۲۷	توبہ کے معنی	۲۲۵
۱۲۸	توبہ ہر شخص پر واجب ہے۔	۲۲۶
۱۲۹	فصل نمبر۲: ایک اجمالی نظر	۲۳۰
۱۳۰	حصہ اول ختم	۲۳۱
۱۳۱	**حصہ دوم نقش اخلاق**	۲۳۱
۱۳۲	تمہید	۲۳۳
۱۳۳	فطرت کے تقاضے اور انسان کا کردار	۲۳۳
۱۳۴	انبیاء علیہم السلام کی جملہ سنتیں فطرت کے عین مطابق ہیں۔	۲۳۳
۱۳۵	پہلا باب تہذیب اخلاق	۲۳۵
۱۳۶	فصل اول زبان کی تباہ کاریوں میں	۲۳۵
۱۳۷	زبان کے کرشمے	۲۳۵
۱۳۸	زبان ترجمان قلب ہے	۲۳۶
۱۳۹	زبان کی حفاظت نجات کی ضمانت	۲۳۷
۱۴۰	آثار	۲۳۹
۱۴۱	زبان درازی کا نجی اور اجتماعی ضرر	۲۴۱
۱۴۲	زبان درازی اور اخلاق مسلم	۲۴۲
۱۴۳	غیبت	۲۴۳
۱۴۴	غیبت گناہ کبیرہ ہے	۲۴۴

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	صفحہ
۱۴۵	روبرو ناز یبا بات کہنا	۲۴۸	۱۷۲	آنکھوں کا فائدہ اور نقصان	۲۷۷
۱۴۶	تمسخر	۲۴۹	۱۷۳	آنکھوں کی خیانت	۲۷۸
۱۴۷	شریعت کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں	۲۵۱	۱۷۴	امرد	۲۸۰
۱۴۸	ظاہری کمال اور اعمال نجات کے دلائل قطعیہ نہیں	۲۵۲	۱۷۵	سلف صالحین کی احتیاط	۲۸۱
۱۴۹	لمز	۲۵۳	۱۷۶	انسداد فواحش اور حفاظت عصمت کا ایک باب	۲۸۳
۱۵۰	برے لقب سے پکارنا	۲۵۴	۱۷۷	پردۂ نسواں	
۱۵۱	بعض القاب کا استثناء	۲۵۵	۱۷۸	تشریح	۲۸۴
۱۵۲	چغلخوری	۲۵۶	۱۷۹	فصل سوم ناجائز اور حرام شہوت رانی	۲۸۶
۱۵۳	چغلخوری گناہ کبیرہ ہے	۲۵۷	۱۸۰	اسلام میں انسداد فواحش کا زرین اصول	۲۸۸
۱۵۴	حکایت	۲۵۹	۱۸۱	اسلام میں زنا کی روک تھام کا طریق کار اور اعتدال	۲۸۹
۱۵۵	چغلی کے ردعمل میں چھ باتوں کا اہتمام نہایت	۲۶۰	۱۸۲	اس حکیمانہ اصول کو نظر انداز کرنے کا انجام	۲۹۱
۱۵۶	لازمی ہے۔	۲۶۰	۱۸۳	زنا کے بھیانک نتائج	۲۹۳
۱۵۷	بہتان	۲۶۱	۱۸۴	زنا کے دنیوی نقصانات	۲۹۳
۱۵۸	حکایت	۲۶۲	۱۸۵	زنا کا اخروی وبال	۳۰۱
۱۵۹	دورخی	۲۶۴	۱۸۶	بدترین زنا	۳۰۲
۱۶۰	دورخی منافقت ہے	۲۶۴	۱۸۷	لواطت	۳۰۳
۱۶۱	جھوٹ	۲۶۴	۱۸۸	بہترین امت کے بعض عصات کا بدترین امت کے نقش قدم پر چلنا	۳۰۵
۱۶۲	جھوٹ کی شاخیں	۲۶۶	۱۸۹	قوم لوط کا عبرت ناک انجام	۳۰۶
۱۶۳	جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ ہے	۲۶۷	۱۹۰	فصل چہارم کانوں کے گناہ	۳۱۱
۱۶۴	فضول کلام	۲۶۹	۱۹۱	گانا بجانا شیطان کا ہتھیار ہے	۳۱۲
۱۶۵	کلام کا پرتکلف انداز	۲۷۰	۱۹۲	آثار	۳۱۴
۱۶۶	لعنت	۲۷۱	۱۹۳	شیطان کی عیاری	۳۱۵
۱۶۷	لعن طعن مسلمان کا شیوہ نہیں	۲۷۳	۱۹۴	گانا بجانا اجتماعی عذاب کا پیش خیمہ ہے	۳۱۵
۱۶۸	روبرو تعریف کرنا	۲۷۴	۱۹۵	گانوں سے کانوں کی حفاظت	۳۱۸
۱۶۹	تنبیہ ومعذرت	۲۷۶	۱۹۶	فصل پنجم ہاتھ پاؤں کے گناہ	۳۱۹
۱۷۰	فصل دوم آنکھوں کے گناہ	۲۷۶			
۱۷۱	آنکھوں کا حال	۲۷۶			

نمبر	عنوان	صفحہ
۱۹۷	قتل مؤمن	۳۱۹
۱۹۸	ڈاکہ اور چوری	۳۲۰
۱۹۹	سود	۳۲۳
۲۰۰	قمار	۳۲۵
۲۰۱	رشوت	۳۲۶
۲۰۲	حرام خوری	۳۲۷
۲۰۳	تنبیہ	۳۲۸
۲۰۴	شراب نوشی اور دیگر منشیات	۳۲۸
۲۰۵	ملاوٹ اور ناپ تول میں کمی بیشی وغیرہ	۳۳۰
۲۰۶	تنبیہ	۳۳۱
۲۰۷	حرام مال کی نحوست اور بدانجامی	۳۳۱
۲۰۸	حرام مال سے صدقہ کرنا مفید حیلہ نہیں ہے	۳۳۲
۲۰۹	سچے اور دیانت دار تاجروں کے لئے خوشخبری	۳۳۲
۲۱۰	فضول خرچی	۳۳۳
۲۱۱	**دوسرا باب** اجتماعی بد اخلاقیوں کے بیان میں	۳۳۵
۲۱۲	فصل اول	۳۳۵
۲۱۳	فصل دوم ٹی وی کی تباہ کاریاں	۳۳۶
۲۱۴	ٹی وی کے بڑے بڑے چند نقصانات	۳۴۰
۲۱۵	فصل سوم کرکٹ	۳۴۱
۲۱۶	فصل چہارم ہڑتال	۳۴۵
۲۱۷	تنبیہ	۳۴۹
۲۱۸	فصل پنجم مذہب کے نام پر رسمی اجتماعات	۳۵۰
۲۱۹	میلاد کے جلوس کی شرعی حیثیت	۳۵۱
۲۲۰	محفل میلاد کی تاریخ	۳۵۳
۲۲۱	ماتمی اجتماعات کی شرعی حیثیت	۳۵۵
۲۲۲	تعزیہ کے جلوس کے نقصانات	۳۵۷
۲۲۳	فصل ششم علم دین کی طرف حقارت کی نگاہ سے دیکھنا	۳۵۹
۲۲۴	**تیسرا باب** حقوق اور عمدہ اخلاق کے بیان میں	۳۶۴
۲۲۵	فصل اول ماں باپ کے حقوق	۳۶۴
۲۲۶	ماں کا حق باپ سے زیادہ ہے	۳۶۶
۲۲۷	ماں باپ کے مختلف حقوق	۳۶۶
۲۲۸	والدین کے ادب کی رعایت خصوصاً بڑھاپے میں	۳۶۷
۲۲۹	بوڑھے ماں باپ کی خدمت میں کوتاہی جنت سے محرومی کا سبب ہے	۳۶۸
۲۳۰	ماں باپ کی خدمت بعض اوقات جہاد سے بھی افضل ہوتی ہے	۳۶۹
۲۳۱	ماں باپ کے ساتھ سلوک کا بدلہ دنیا میں بھی ملتا ہے	۳۷۰
۲۳۲	باپ کا نام لینا اس سے پہلے بیٹھنا اور اس کے آگے چلنا خلاف ادب ہے	۳۷۱
۲۳۳	دس باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے	۳۷۱
۲۳۴	فصل دوم اولاد کے حقوق	۳۷۲
۲۳۵	فصل سوم صلہ رحمی	۳۷۷
۲۳۶	صلہ رحمی کے دنیاوی فوائد و برکات	۳۷۸
۲۳۷	صلہ رحمی کرنے میں دس حکمتیں	۳۷۹
۲۳۸	صلہ رحمی کرنے کا طریقہ	۳۷۹
۲۳۹	صلہ رحمی کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں	۳۸۰
۲۴۰	حکایت	۳۸۱

نمبر	عنوان	صفحہ
۲۴۱	فصل چہارم شوہر کے حقوق	۳۸۲
۲۴۲	فرمانبردار بیوی بہترین متاع ہے	۳۸۵
۲۴۳	فصل پنجم بیوی کے حقوق	۳۸۶
۲۴۴	جنسی التذاذ بھی حقوق ہی میں شامل ہے	۳۸۷
۲۴۵	فصل ششم ہمسایہ کے حقوق	۳۸۹
۲۴۶	ہمسائیگی کے بعض اہم حقوق	۳۹۱
۲۴۷	ہدیہ کو حقیر سمجھنا معالی اخلاق کے خلاف ہے	۳۹۲
۲۴۸	پڑوس کے مختلف درجے	۳۹۴
۲۴۹	پڑوس کا جرم دس جرموں سے بھی زیادہ ہے	۳۹۵
۲۵۰	فصل ہفتم مہمان کے حقوق	۳۹۵
۲۵۱	فصل ہشتم یتیموں کے حقوق	۳۹۷
۲۵۲	فصل نہم: عام حاجت مندوں کے حقوق	۳۹۹
۲۵۳	فصل دہم جانوروں کے حقوق	۴۰۱
۲۵۴	فائدہ	۴۰۴
۲۵۵	**چوتھا باب** آداب کے بیان میں	۴۰۶
۲۵۶	آداب عامہ	۴۰۷
۲۵۷	آداب تربیت اولاد	۴۱۰
۲۵۸	بچوں کے ساتھ مساوی سلوک کیا جائے	۴۱۴
۲۵۹	بچوں کی احتیاط کا بیان	۴۱۵
۲۶۰	آداب خانہ داری (برائے خواتین)	۴۱۷
۲۶۱	آداب ضیافت	۴۲۳
۲۶۲	آداب برائے مہمان	۴۲۶
۲۶۳	تنبیہ	۴۲۷
۲۶۴	آداب محفل	۴۲۸
۲۶۵	آداب ملاقات	۴۳۰
۲۶۶	تنبیہ ضروری	۴۳۲
۲۶۷	آداب گفتگو	۴۳۴
۲۶۸	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو	۴۳۶
۲۶۹	کھانے پینے کے آداب	۴۳۷
۲۷۰	چلنے پھرنے کے آداب	۴۳۸
۲۷۱	آداب سفر	۴۳۹
۲۷۲	آداب لباس	۴۴۱
۲۷۳	آداب مسرت	۴۴۳
۲۷۴	آداب ماتم	۴۴۳
۲۷۵	آداب برائے طلبہ وعلماء	۴۴۴
۲۷۶	خاتمہ	۴۵۱

باسمہ الکریم

تعارف کے چند کلمے

ابن الحسن عباسی

رفیق شعبہ تصنیف واستاذ جامعہ فاروقیہ

صوبہ سرحد کے شمال مغرب میں واقع ایک بستی ''مارتونگ'' ہے آہ مارتونگ! جو کبھی علوم وفنون کا مرکز رہا جہاں مختلف خطوں سے آنے والے ایک طویل عرصہ تک فیض حاصل کرتے رہے اور جہاں دارالعلوم دیوبند کے فاضل مشہور بزرگ مولانا خان بہادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات سے علوم وفنون کا ایک گلستاں آباد تھا ''مارتونگ بابا'' سے یاد کئے جانے والے یہ عظیم انسان اپنی ذات میں ایک انجمن تھے وہ علم کی ایک باغ وبہار شخصیت تھے اور ان سے فیض حاصل کرنے والوں کا فیض آج ایک جہاں میں پھیل رہا ہے۔

قدرت کے عجیب وغریب نظام کا ایک کرشمہ یہ بھی ہے کہ زندگی کی پررونق محفلیں بسا اوقات یوں اجڑ جاتی ہیں کہ بعد میں آنے والوں کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ یہاں بھی کبھی آئینہ ایام کے جوہر کی بجلیاں چمکی ہیں لکھا ہے کہ ٹھٹھہ میں ایک دور ایسا بھی گذرا ہے کہ وہاں ایک ہزار مدارس تھے آج وہاں کی ویرانیوں کو دیکھ کر کون یقین کرسکتا ہے کہ یہ علم کی کن کن نابغہ روزگار شخصیات اور علم وفن کے کیسے کیسے نغموں اور زمزموں کا مدفن ہے کوفہ' بغداد' سمرقند وبخارا ان سب سے بڑھ کر اندلس کی آٹھ صدیوں پر مشتمل اسلامی علوم وفنون کی روح پرور تاریخ کا گہوارہ۔

آگ بجھی ہوئی ادھر ٹوٹی ہوئی طناب ادھر
کیا خبر اس مقام سے گذرے ہیں کتنے کارواں

مارتونگ کی علمی رونقیں بھی زمانہ کی خزاں کی نذر ہوگئی لیکن ان رونقوں کو دیکھنے والے اب بھی ہیں جن کی حسین یادیں ان اجڑی ہوئی محفلوں کے آثار سے وابستہ ہیں اور جو زبان حال سے اب کہتے ہیں۔

دل کو تڑپاتی ہے گئی محفل کی یاد
جل چکا حاصل، مگر محفوظ ہے حاصل کی یاد

مولانا کمال الدین صاحب اسی مارتونگ کے ایک علمی گھرانے کے چشم و چراغ ہیں مولانا فنون کے ایک بہترین مدرس اور حدیث کے اچھے استاذ ہیں انہوں نے اپنی تعلیم کا آغاز اپنی بستی ''مارتونگ'' ہی میں کیا بعد میں مختلف مقامات میں فنون کی کتابیں پڑھیں اور جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن سے سند فراغت حاصل کی اس کے بعد سے اب تک تدریس کا مشغلہ اپنائے ہوئے ہیں اور اب انہوں نے اخلاقیات کے موضوع پر نقش قدم کے نام سے کتاب لکھ کر میدان تصنیف میں قدم رکھ دیا ہے۔

اسلام میں عقائد وعبادات کے بعد اگلا درجہ اخلاقیات کا ہے اخلاق، خُلُق کی جمع ہے جس کی معنی عادت اور خصلت کے ہیں انسانوں کے باہمی تعلقات میں خوش نیتی اور اچھائی برتنے اور اس سلسلہ میں ایک دوسرے پر عائد ہونے والے فرائض کو خوش اسلوبی سے ادا کرنے کا نام اخلاق ہے۔ اخلاق کا اطلاق انسان کی ظاہری اور باطنی دونوں قسم کی خوبیوں پر ہوتا ہے اسلام نے اخلاق کا ایک مکمل نظام پیش کیا۔

اور اس کے نظام اخلاق کی خوبیوں کے لئے بس یہی شہادت کافی ہے کہ وہ عرب جو اخلاق کے پست ترین نقطہ پر تھے اسلام کے نظام اخلاق نے انہیں اس اوج کمال پر پہونچایا جس کی بلندی تک کوئی ستارہ آج تک نہ پہونچ سکا عفو ودرگذر، حلم وبردباری، جود وسخا، صبر وتحمل، رحمت وشفقت، محبت ومودت، عدل وانصاف، نرم خوئی وخوش جبینی اور عفت وپاکدامنی اسلام کے اخلاق حسنہ کی وہ تابناک کڑیاں ہیں جن سے یہ پورا نظام جگمگا رہا ہے۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے ہجرت حبشہ کے وقت نجاشی کے دربار میں جو ولولہ انگیز تقریر کی تھی اسلام کے نظام اخلاق کی اس میں بہترین تصویر کشی کی گئی ہے آپ نے فرمایا تھا۔

بادشاہ کو مخاطب کر کے کہا ایہا الملک! ہم جاہل تھے بتوں کی عبادت کرتے تھے مردار کھاتے تھے بے حیائیوں کے مرتکب تھے قرابتوں کو قطع کرتے تھے پڑوسیوں کے ساتھ بدسلوکی کرتے تھے قوی

ضعیف کو کھا جاتا تھا ہم جاہلیت کی اسی وحشت کا شکار تھے کہ اللہ نے ہم ہی میں ایک پیغمبر مبعوث فرمایا ایسا پیغمبر کہ جس کا حسب اور جس کا نسب جس کا صدق اور جس کی دیانت جس کی امانت اور جس کی عفت سب سے ہم خوب واقف ہیں اس نے ہمیں توحید ربانی کی دعوت دی بے جان پتھروں اور بتوں کی پرستش کو یکلخت چھوڑ دینے کی ہدایت کی بات کی سچائی اور امانت کی ادائیگی اپنوں کے ساتھ صلہ رحمی او پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک حرام کاموں سے رکنے اور فساد وخونریزی سے بچنے کا حکم دیا بے حیائی سے ہمیں روکا ناحق بات کہنے کی ممانعت کی یتیم کا مال کھانے سے منع کیا پاک دامن پر تہمت سے بچنے کی تاکید کی اور ہمیں حکم دیا کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں صرف اسی کی عبادت کریں اور نماز پڑھیں' زکوٰۃ دیں' اور روزہ رکھیں۔ (سیرت ابن ہشام ج:۱ص:۳۳۶)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاقی پہلو سے اپنی بعثت کی تکمیلی حیثیت کا اعلان فرمادیا ارشاد ہے۔

(انمابعثت لاتمم مکارم الاخلاق)

''میں اخلاق حسنہ کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں''۔

ایمان سے بڑھ کر اسلام میں اور کوئی چیز ہوسکتی ہے' تاہم اخلاق کے بغیر اس کی تکمیل ممکن نہیں فرمایا گیا۔

(اکمل المؤمنین ایماناً احسنھم خلقاً)

''مسلمانوں میں کامل ایمان والا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں''

حضرات محدثین ''کتاب الادب'' کے عنوان سے اخلاق کے متعلق احادیث کا شاندار ذخیرہ پیش کرتے ہیں تصوف اخلاق کو خاص طور سے موضوع سخن بناتا ہے اور تصوف کی اکثر کتابیں اخلاقیات پر سیر حاصل بحث کرتی ہیں تاہم تصوف سے ہٹ کر بھی اخلاق کے موضوع پر علمائے اسلام نے مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''ادب مفرد'' مشہور محدث حافظ ابونعیم اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ حافظ ابوالشیخ اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''اخلاق النبی'' اور اردو زبان میں مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاری اور مولانا قاری محمد طیب صاحب نے اس موضوع پر مستقل کتابیں تحریر فرمائی ہیں لیکن ہمارے

محدود مطالعہ میں اس موضوع پر اردو زبان میں سب سے جاندار بحث مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت النبی جلد ششم میں کی ہے اور اپنے منفرد اسلوب میں اس موضوع پر پوری ایک جلد لکھی ہے۔

مولانا کمال الدین صاحب نے بھی اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے ان کی یہ کتاب تین ابواب پر مشتمل ہے پہلے باب میں پانچ فصلیں قائم کر کے اخلاق کے تعارف اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ پر روشنی ڈالی گئی ہے دوسرے باب میں ان بری خصلتوں اور رذائل کو ذکر کیا گیا ہے جن سے تطہیر کے بغیر اخلاقی پہلو سے انسان کی تکمیل ممکن نہیں ہے یہ باب چودہ فصلوں پر مشتمل ہے تیسرا باب ان اخلاق حسنہ کے بیان میں ہے جن سے متصف ہو کر انسان ایک ایسے شجر سایہ دار کی شکل اختیار کر لیتا ہے جس کی آغوش میں ماندگی کا ہر احساس ختم اور تھکاوٹ کی ہر تکلیف مٹھاس میں ڈھل جاتی ہے اس باب میں تیرہ فصلیں ہیں اور آخر میں کچھ متفرق باتیں ''خاتمہ'' کے عنوان سے لکھ کر کتاب ختم کر دی گئی ہے۔

مولانا نے مختلف کتابوں سے استفادہ کر کے سلیس اور عام فہم اردو میں لکھنے کی سعی جمیل کی ہے قرآن وحدیث کی نصوص سے کلام کو مزین کیا اور جا بجا مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کی شہرہ آفاق مثنوی سے واقعات اور حکایات نقل کر کے مضمون کو دلچسپ اور مفید تر بنایا ہے۔

وہ اپنی اس کوشش میں کتنے کامیاب ہیں؟ اور ان کی یہ کتاب کس قدر مفید ہے؟ اس کے لئے اکابر علماء کرام کی وہ آراء پڑھیے جو کتاب کی ابتداء میں شامل ہیں کہ اس سلسلہ میں وہی سند کا درجہ رکھتی ہیں۔

ہماری دعا ہے کہ مولانا کا ''نقش قدم'' نقش آخر نہیں بلکہ ان کا یہ نقش نقش اول کی حیثیت اختیار کرے ان کے آئندہ کے نقوش کے لئے ایسے نقوش جن میں خون جگر شامل ہو کہ جریدہ عالم کے سینہ پر صرف اس طرح کے نقوش ہی ثبت ہو سکتے ہیں ورنہ ؎

نقش ہے سب ناتمام خون جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

ابن الحسن عباسی

رفیق شعبہ تصنیف واستاذ جامعہ فاروقیہ کراچی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب

صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان و مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیاً ومسلماً وبعد: احقر نے جناب مولانا کمال الدین المسترشد صاحب زید مجدہم کی تصنیف ''نقش قدم'' اخلاقیات حصہ اول کا بعض مقامات سے مطالعہ کیا مولانا موصوف نے قرآن وسنت کی روشنی میں رذائل اخلاق اور اخلاق حمیدہ پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ رذائل اخلاق تکبر، حسد، خود پسندی وغیرہ کی تردید اور اخلاق حمیدہ کی اہمیت اور ضرورت پر مولانا کمال الدین نے مؤثر اور دلنشین انداز میں گفتگو کی ہے۔ پیرایۂ بیان سلیس اور شستہ بھی ہے اور جاندار و پرکشش بھی۔ عوام وخواص دونوں کو ان کی خامیوں اور کوتاہیوں کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ تہذیب مغرب کی تباہ کاریوں کا ذکر فرما کر ان سے اجتناب کی تلقین کی ہے اور اسلامی تہذیب کے حسن و جمال کو بیان فرما کر اس کو اختیار کرنے کی دعوت دی ہے۔

کتاب کے مطالعے کے دوران یہ تاثر قلب میں پیدا ہوا کہ مصنف نے نصح وخیر خواہی کے جذبے سے سرشار ہو کر یہ عظیم خدمت انجام دی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں اور عوام وخواص سب کو اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق بخشیں۔ آمین ثم آمین

سلیم اللہ خان

جامعہ فاروقیہ کراچی

۶/۱۱/۱۴۱۶ء۔ ۲۶/۳/۱۹۹۶ء

حضرت مولانا حبیب اللہ مختار صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مدیر جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللّٰہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لانبی بعدہ وعلی من تبع ھداہ وھدیہ

وبعد:

عام طور سے خوش اخلاقی مسکرا کر ملنے اور خندہ پیشانی سے پیش آنے کو سمجھا جاتا ہے خوش اخلاقی خندہ پیشانی مسکراہٹ نرمی اگرچہ مطلوب اور محمود ہیں لیکن اخلاق صرف اس کا نام نہیں بلکہ باخلاق وہ ہے جو زہد وتقوی خوف خشیت خداوندی، صبر وتشکر، اخلاص وتوکل، صدق وامانت، رضا بالقضاء اور دیانت جیسی صفات حمیدہ سے متصف اور حرص، بخل، حسد، غیبت، چغل خوری، دنیا کی محبت، ریا کاری، عجب، تکبر اور کینہ وغیرہ اخلاق ذمیمہ سے دور رہتا ہو خندہ پیشانی سے ملنا اگرچہ اخلاق کا ایک ثمرہ اور اثر تو ہے لیکن حقیقی اور اصل اخلاق باطن کی صفائی دل کی پاکیزگی ظاہر کی اصلاح اور شریعت پر عمل کا نام ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا تھا۔ فرمایا ''بعثت لاتمم مکارم الاخلاق''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا ''کان خلقہ القرآن'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ مجسمہ قرآن کریم تھے انسان جسم اور روح ظاہر اور باطن دونوں کے مجموعہ کا نام ہے جیسے ظاہری اعضاء کے مکمل اور تناسب ہونے کا نام حسن وجمال ہے اسی طرح روح ونفس کے تذکیہ، حیوانی خواہشات پر کنٹرول اور صفات پیدا کرنے کا نام اخلاق ہے جس طرح جسم کو بیماریاں لگتی ہیں اسی طرح روح بھی امراض کا شکار ہوتی ہے اور یہ امراض کبھی تکبر کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں کبھی بغض وحسد کے کبھی عجب خود پسندی کی صورت میں اور کبھی انانیت خودسری اور ناشکری کی صورت میں جس طرح انسان جسم کی بیماریوں کے علاج کی فکر کرتا ہے اسی طرح اسے روحانی بیماریوں کو دور کرنے کی اور ان کی اصلاح اور علاج کی فکر کرتے رہنا چاہئے۔

پہلے زمانہ میں خواص تو خواص عوام بھی تزکیہ نفس اصلاح روح، صفائی باطن وظاہر کا اہتمام کیا کرتے تھے اس لئے ان کی دنیا وآخرت دونوں بنتی تھیں وہ خود بھی راہ راست پر چلتے تھے اور ان کے بیوی بچے، رشتہ دار اور ساتھی بھی لیکن آج عوام کو تو چھوڑئے خواص بھی اس طرف کم توجہ کرتے ہیں اور جسے دیکھو اس کی ساری توجہ صرف ظاہر پر مرکوز ہے خواہ باطن کتنا ہی خراب کیوں نہ ہو حالانکہ باطن کی اصلاح اور اسے احکامات الٰہیہ اور تعلیمات نبویہ کے مطابق ڈھالنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا دوسری عبادت کا بجالانا۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ انسان کا باطن جب تک شریعت کے مطابق پاک وصاف اور صراط مستقیم پر گامزن نہیں ہوگا اس وقت تک عبادات، معاملات اور معاشرت وغیرہ سے متعلق احکامات سے کسی حکم کی ادائیگی کا حق ادا نہ ہوگا اس لئے اخلاق کی درستگی نہایت ضروری ہے۔

امت محمدیہ کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم (جنہیں اللہ تعالیٰ نے مقتدائے کامل اور رہبر عالم اور ہادی امت بنایا ہے) کی اقتداء اور پیروی کر کے اپنے اندر اخلاق فاضلہ پیدا کرنا چاہئے تاکہ واقعتاً اس ذات عالی صفات کے صحیح امتی بن سکیں جن کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے۔ ''وانك لعلى خلق عظيم'' اور بیشک آپ عظیم اخلاق پر ہیں۔

قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں اخلاق عالیہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے ائمہ دین اور سلف صالحین نے اپنی تالیفات کے ذریعہ اس کی رہنمائی کی اس سلسلہ میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سباق الغایات ہیں۔

برادرم مولانا کمال الدین صاحب نے بھی اس سلسلہ میں زیر نظر کتاب تحریر کی ہے برادرم مولانا حسین قاسم صاحب (رفیق دار التصنیف واستاذ جامعہ علوم اسلامیہ) کو دیکھنے کے لئے دی تھی انہوں نے اس کا مطالعہ کیا اور پسند کیا بندہ نے بعض مقامات سے سرسری مطالعہ کیا الحمد للہ کتاب جامع ہے اور اس میں ہر عام وخاص کی اصلاح کا کافی سامان کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو مبارک فرمائے قبولیت سے نوازیں اور عوام وخواص سب اس سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہوں اور مؤلف کے لئے ذخیرہ آخرت بنے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد وآله وصحبه اجمعین۔

محمد حبیب اللہ مختار ۱۴۱۶/۹/۳ھ ۱۹۹۶/۱/۲۴ء

حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب دامت برکاتہم

مؤسس و مدیر ادارۃ العلم والتحقیق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

باسمہ تعالیٰ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم:

یہ کھلی حقیقت ہے کہ انسان اپنے اندر دو مختلف چیزیں رکھتا ہے ایک حیوانیت دوسری روحانیت اوران کے الگ الگ تقاضے ہیں۔

حیوانیت کی نسبت سے انسان کو دوسرے حیوانات کی طرح غذا کی ضرورت ہے اسی طرح اس کو صحت کی ضرورت ہے چین وآرام سے رہنے کیلئے گھر کی ضرورت ہے دل کا سکون اور زندگی کا لطف حاصل کرنے اور بقائے نسل کے لئے جوڑے کی ضرورت ہے اوراسی قسم کی اور بھی کچھ ضرورتیں ہیں لیکن آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ سب اس کے حیوانی پہلو کی ضرورتیں ہیں۔

انسان میں جو دوسرا پہلو روحانیت کا ہے اس کے تقاضے حیوانی تقاضوں سے الگ ہیں اس پہلو کے تقاضے یہ ہیں کہ اس میں خدا ترسی ہو اچھے اخلاق ہوں یعنی سچائی اور ایمانداری ہو حیا اور شرافت ہو عفت اور پاکدامنی ہو انصاف اور رحم ہو ہمدردی اور غم خواری ہو اخلاص وایثار ہو غرض دوسروں کی خدمت کا جذبہ ہو، دھوکہ اور خیانت نہ ہو چوری اور رشوت نہ ہو دل بے درد اور خود غرض نہ ہو تو یہ سب ہمارے روحانی پہلو کے تقاضے اور روحانیت کی ضرورتیں ہیں۔

جس طرح ہمارے معدے کو غذا ہمارے جسم کو صحت ہمارے دماغ کو تعلیم کی ضرورت ہے اس طرح ہماری روح کو ان پاکیزہ اخلاق کی ضرورت ہے اس کے بغیر انسان انسان نہیں بلکہ انسان نما جانور ہے۔

دنیا کے تمام مذاہب کی بنیاد اخلاق پر ہے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تکمیلی حیثیت رکھتی ہے ان اخلاق نبویہ کی تحقیق وتشریح ہر زمانے کے اہل علم اپنے انداز اور بساط کے مطابق کرتے رہے اسی سلسلہ کی ایک تازہ کاوش ''نقش قدم'' آپ کے ہاتھ میں ہے جس میں محترم مولانا کمال

الدین صاحب نے قرآن وسنت کی روشنی میں اخلاقیات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔انداز تحریر نہایت مؤثر اور دل نشین ہے پیرائیہ بیان سلیس اور شستہ ہونے کے ساتھ ساتھ جاندار اور پرکشش بھی ہے عوام وخواص دونوں کے لئے انتہائی مفید بلکہ ضرورت ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کو تمام انسانوں کی اخلاقی تربیت کا سبب بنائیں اور مصنف کی نجات کا ذریعہ بنائیں۔آمین

عبدالقیوم حقانی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سبحان محمود صاحب

رحمۃ اللہ علیہ

جامعہ دارالعلوم کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم امابعد:

احقر نے مولانا کمال الدین صاحب کی اخلاقیات پر لکھی ہوئی یہ کتاب جستہ جستہ دیکھی باوجود کوشش کے اپنی عدیم الفرصتی کے باعث پوری کتاب نہ دیکھ سکا شروع کتاب میں جو بحث ہے وہ احقر کی نظر میں علمی بحث ہے جس سے اہل علم تو فائدہ اٹھا سکیں گے لیکن جن لوگوں کے لئے یہ لکھی گئی ہے وہ نفع حاصل نہ کر سکیں گے اگر مؤلف موصوف اس کو سہل کریں تو اچھا ہوگا۔

مجموعی اعتبار سے یہ کتاب اچھی اور مفید ہے اور اس قابل ہے کہ اس کو مطالعہ میں رکھا جائے اور عمل کیا جائے۔ واللہ الموفق والمعین

سبحان محمود

دارالعلوم کراچی

۱۲/۱/۱۷ھ

حضرت مولانا نظام الدین شامزئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

استاذ حدیث جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بندہ نے مولانا کمال الدین صاحب فاضل جامعۃ العلوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کی کتاب ''نقش قدم'' کا حصہ اول جو اخلاقیات پر مشتمل ہے دیکھا اور کتاب کے متعلق بعض مشورے مولانا کی خدمت میں زبانی عرض کئے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دین کے احکام پر عمل اور فرائض وواجبات کو روبہ عمل لانے کا جذبہ اس وقت بیدار رہتا ہے جب انسان کے اندر نوافل وسنن پر عمل کرنے کا جذبہ موجود ہو سب سے پہلے شیطان انسان کے دل سے نوافل ومستحبات کی اہمیت کو نکالتا ہے اور پھر انسان کی دینی واخلاقی زندگی تباہ وبرباد ہوجاتی ہے۔

یہ کتاب اخلاقیات کے جن مضامین ومسائل پر مشتمل ہے یہ مسائل احادیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں اور اولیائے امت نے باقاعدہ اس کے قواعد وضوابط کو مرتب کیا ہے بعض علماء نے تو اس موضوع پر مشتمل کتابیں لکھی ہیں جیسے ابوالشیخ اصفہانی کی کتاب ''اخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب ''احیاء علوم الدین'' میں ان مضامین کو بہت تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے ان میں امراض قلب اور مہلکات کا بیان بہت تفصیل سے تقریباً کتاب کے ایک چوتھائی حصہ میں ہے بہرحال یہ ضروری اور اہم مضامین ہیں اس کی ضرورت تھی کہ عصری زبان میں سہل اور آسان کرکے ان امور کو امت کے سامنے پیش کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ مولانا کمال الدین صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کے زور قلم کو اور بڑھائے اور ان کی محنت کو قبول فرما کر امت کے لئے باعث نفع بنائے۔ آمین

نظام الدین ۲۷ رمضان المبارک سن ۱۴۱۶ھ

حضرت مولانا فضل محمد بن نور محمد یوسف زئی مدظلہم

استاذ الحدیث جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دین اسلام ایک ہمہ گیر اور جامع ضابطہ حیات ہے مذہب اسلام انسانی حیات کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے انسان کے ہر شعبہ زندگی کی کفالت کرتا ہے اور انسان کے ہر مشکل اور ہر مسئلہ کا حل پیش کرتا ہے فرائض وواجبات سے لیکر سنن ومستحبات تک ایک ایک حکم کو نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے معاملات ہوں یا عقائد وعبادات' اخلاقیات ہوں یا معاشرات' قضاء وتحکیم ہو یا سیاسیات' اقتصادیات ہوں یا معاشیات' خارجہ پالیسی ہو یا داخلہ' نجی زندگی ہو یا اجتماعی' خوشی کے احوال ہوں یا احوال غم' صلح ہو یا جنگ' الغرض مذہب اسلام ہر موقع ومحل' اور ہر سہل ومشکل کے حل کی ضمانت دیتا ہے کیونکہ یہ دین کامل مکمل بلکہ اکمل ہے اور آیت ''الیوم اکملت لکم دینکم '' نے حیات انسانی کے مادی اور روحانی فوائد کا ایسا اعلان کیا ہے جس کی تصدیق واقعات عالم نے کی ہے اور بد سے بدتر دشمن نے بھی یہ اقرار کیا ہے کہ ہاں انسان کو درس انسانیت صرف اسلام دیتا ہے یورپ اور مغرب کے اہل کتاب یہود ونصاری نے مذہب کو سیاسیات ومعاملات' اقتصادیات ومعاشیات سے الگ کیا ہے کلیسا اور اسٹیٹ کا ایک طویل جھگڑا چلا مگر کلیسا نے اپنی شکست تسلیم کرلی کیونکہ اس کے پاس ایسا ہمہ گیر ضابطہ حیات نہیں تھا جو اس ایٹمی دور میں ہر مسئلہ کے حل کا حل پیش کر سکے' لہٰذا کلیسا اور اس کا نظام پردہ غیب میں چلا گیا اور حیات انسانی کے تمام پہلوؤں میں اہل کتاب گمراہی کے غاروں میں مادر پدر آزاد زندگی گذارنے لگے۔

لیکن اس کے برعکس مذہب اسلام جدید سے جدید مسائل کا معیاری ٹھوس' اور معقول حل پیش کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ مذہب اسلام کی گرفت اور کفالت وضمانت آج بھی الحمدللہ اسی حیثیت میں ہے جس طرح کہ اس سے پہلے تھی مذہب کے اس ہمہ گیر پہلوؤں میں سے ایک پہلو اخلاقیات ہے جس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات معیار اور کسوٹی ہے

جو شرعی، اسلامی، اور انسانی فطری اخلاقی ہیں جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دیا ہے یہ انسانوں کے وضع کردہ تاجرانہ مکارانہ اخلاق نہیں ہیں جیسا کہ یورپ کے بعض مشن تنظیمیں بعض غیر فطری حرکات کو اخلاقیات کا نام دیتی ہیں یا بعض تجار اپنے کرم فرماؤں کو خوش رکھنے کے لئے لین دین میں اخلاق سے پیش آتے ہیں اسلام ہمیں وہ اخلاق دیتا ہے جس سے آدمی بیک وقت خالق ومخلوق کو راضی رکھ کر ثواب دارین حاصل کرسکتا ہے۔

اسی اسلامی اخلاق کے متعلق عزیزم محترم مولانا کمال الدین صاحب نے ''نقش قدم'' کے نام سے ایک کتاب تصنیف فرمائی ہے جس میں اخلاقیات کے مثبت ومنفی دونوں پہلوؤں کو احسن طریقے سے واضح کیا گیا ہے جستہ جستہ مقامات کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ کتاب کے عنوانات واضح اور مضامین سلیس اور مدلل ہیں جو مؤلف کی سلامتی طبع پر دلالت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ مؤلف کی اس محنت کو قبول فرمائے۔ آمین

فضل محمد بن نور محمد یوسف زئی

استاذ جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

۴ مارچ سنہ ۱۹۹۶ء

حضرت مولانا حسن جان صاحب ادام اللہ فیوضہم

شیخ الحدیث جامعہ امداد العلوم الاسلامیہ پشاور

الحمدللّٰہ والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا رسول اللّٰہ نبینا ومولانا محمد بن عبداللّٰہ وعلی آلہ وصحبہ ومن والاہ وعلی من اتبع ھداہ فی شئون حیاتہ وھواہ ومن سلك سبیلہ فی شمائلہ الکریمۃ واخلاقہ الجمیلۃ العظیمۃ واستاثرھا ذخراً لِدُنیاہ وعقباہ وبعد:

حقیقت یہی ہے کہ تمام بھلائیوں نیکیوں اور عبادات کی بنیاد عمدہ اخلاق ہے اسی کی بناء پر پریشان حال انسانیت کمال کی چوٹی تک پہنچ جاتی ہے اور تقدیر وفطرت کے اعلی مقاصد سے ہمکنار ہوجاتی ہے اسی کی بدولت عزت وشرافت کی مجالس میں مقام مدح حاصل کرتی ہے اور اسی سے عالی درجات ملا کرتے ہیں۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح اس آیت میں ''وانك لعلی خلق عظیم '' اخلاق کریمانہ کی وجہ سے ہوئی۔

اخلاق کے موضوع پر عمدہ عمدہ کتابیں تالیف کی گئی ہیں زیر نظر روشن کتاب جسے ہمارے اسلامی بھائی محترم مولانا کمال الدین حفظہ اللہ تعالیٰ نے تالیف کیا ہے یہ بھی اسی موضوع پر ہے۔

اس کتاب نے اخلاق کی حقیقت اور اقسام کی پردہ کشائی کی ہے مؤلف کی حرارت ایمانی' عمدگی بیان اور قوت تعبیر کی بدولت کتاب نے اس موضوع کا پورا پورا حق ادا کیا ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے مولانا کو اس میدان میں کما حقہ مقصد پورا کرنے کی قابل رشک توفیق عطا فرمائی ہے اسی طرح مجھے امید ہے کہ اللہ اسے پوری امت کے لئے نفع بخش اور مؤلف کے لئے ذخیرہ آخرت ثابت فرمادے گا۔

میری دعا ہے کہ اللہ مؤلف کو اس قسم کی اچھی اور مفید کتابوں کی مزید توفیق عطا فرمائے تاکہ اسلام اور مسلمانوں کی سعادت کا باعث بنیں۔ وانہ ولی ذالك وبالاجابۃ جدیر۔

اخوہ فی اللہ محمد حسن جان خادم الاحادیث النبویہ بجامعہ امداد العلوم بشاور

حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب مدظلہم

مہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم میٹھادر کراچی

باسمہ تعالیٰ

انسان کو اللہ تعالیٰ نے افضل المخلوقات پیدا کیا ہے مگر قران وحدیث کی تشریح سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ افضلیت مطلق انسان میں نہیں بلکہ وہ انسان اس فضیلت کے ساتھ متصف ہے کہ جس میں انسانیت ہو بظاہر نظر آتا ہوا انسان انسان نہیں یہ انسانیت کے لئے ایک قالب ہے انسانیت اس میں ڈالی جاتی ہے انسانیت یہ ہے کہ اپنے خالق حقیقی کی کامل اطاعت کی جائے اور اس کی معصیت سے اجتناب کیا جائے بالفاظ دیگر انسانیت کا حاصل یہ ہے کہ انسان صفات محمودہ کے ساتھ متصف ہو اور صفات رذیلہ سے پاک ان دونوں قسم کی صفات کو اخلاق کہتے ہیں۔ پھر اخلاق کی دو قسمیں ہیں حسنہ اور سیئہ اخلاق حسنہ سبب بنتا ہے دخول جنت کے لئے اور سیئہ سبب بنتا ہے دخول جہنم کے لئے اب اخلاق ایک مجمل اور مختصر لفظ ہے اسکی اقسام ظاہری اور باطنی ہونے کے اعتبار سے اور اخلاق کے دنیا وآخرت میں ثمرات اور اس کی ضرورت وترغیب اور اخلاق سیئہ کی دنیا وآخرت میں اور اس سے بچنے کی ترغیب اور طریقہ علاج ایک اہم اور تفصیل طلب موضوع ہے جس پر لکھنے کی شدید ضرورت محسوس کی جارہی تھی۔ اس اخلاق کے موضوع پر متقدمین اور متاخرین میں سے بہت سے علماء نے اپنی اپنی طبیعت اور مزاج کے مطابق قلم اٹھایا ہے متقدمین میں سے خصوصاً امام غزالی نے احیاء العلوم میں اس موضوع کے اکثر گوشوں پر بحث کی ہے علماء دیوبند میں مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاری رحمۃ اللہ علیہ نے اخلاق اور فلسفہ اخلاق تصنیف کر کے اس موضوع کے شرعی اور عقلی پہلو کو اجاگر کیا ہے لیکن یہ ایک عام فہم نہیں اس کے سمجھنے کے لئے جس استعداد کی ضرورت ہے وہ استعداد عوام اور عام طلبہ میں مفقود ہے دوسری بات یہ ہے کہ وہ اس موضوع کے تمام گوشوں پر مشتمل نہیں۔ خصوصاً صفات مثبت اور منفی پہلو اور صفات رذیلہ سے بچنے کا طریقہ وعلاج۔

ہمارے محترم دوست مولانا کمال الدین صاحب جو ایک فنی پہلو اور نکتہ رس عالم ہیں نے اس اہم موضوع پر قلم اٹھایا ہے ان کی کتاب نقش قدم جو تین ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔

باب اول میں اخلاق کی حقیقت بیان کی ہے اور اس میں پانچ فصلیں باب دوم میں صفات رذیلہ کا بیان ہے اور اس میں ۱۴ فصلیں ہیں باب سوم میں صفات حسنہ کے فضائل ہیں اور اس میں تیرہ فصلیں ہیں اور خاتمہ میں موضوع کے متعلق متفرقات اور کتاب کا اجمالی خاکہ ہے۔ کتاب دیکھ کر بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ مولانا کی یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک کامیاب کوشش ہے اور مثبت و منفی پہلو کی وجہ سے اور صفات رذیلہ سے بچنے کا طریقہ علاج کی وجہ سے کتاب میں جامعیت ہے اور کتاب عام فہم بھی ہے۔ ہر قسم کا آدمی اس سے استفادہ کر سکتا ہے۔ مولانا چونکہ ایک تجربہ کار اور معقول مدرس ہیں تو کتاب میں اظہار مافی الضمیر کو سمجھانے میں تدریسی رنگ غالب ہے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو انسانوں کے لئے عموماً اور مسلمانوں کے لئے خصوصاً سبب اصلاح بنائے اور مصنف کے لئے آخرت میں ذریعہ نجات بنائے۔

آمین ثم آمین وماتوفیقی الاباللّٰہ علیہ توکلت والیہ انیب

حبیب اللہ

باب اول

اخلاق کے بیان میں

فصل نمبر ا

اخلاق فطری چیز ہے:۔

اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ اچھے اخلاق خندہ پیشانی، نرم لب ولہجہ اور اطاعات ظاہری کا نام ہے جبکہ بداخلاقی کا اطلاق ان اوصاف کے اضداد پر کیا جاتا ہے بالفاظ دیگر اخلاق کو افعال جوارح اور ظاہری کردار تک محدود سمجھنا ایک عام تاثر ہے۔

مگر یہ تاثر اور اخلاق کا یہ تصور صحیح نہیں بلکہ اخلاق درحقیقت ان نفسیاتی کیفیات اور ملکات کا نام ہے جو نفس میں خلقی اور مستقل طور پر جمی ہوئی ہوں تاہم ان کے اثرات کا مشاہدہ ظاہری جسم پر ضرور کیا جاسکتا ہے چنانچہ سید شریف اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہما نے اخلاق کی یہی تعریف کی ہے۔

> ''خلق نفس کی وہ ہیئت راسخہ (ملکہ) ہے جس سے بلافکر وتامل بآسانی افعال صادر ہوتے ہوں پس اگر یہ ہیئت ایسی ہے کہ اس سے ایسے افعال صادر ہوں جو عقلاً وشرعاً عمدہ ہیں تو اس ہیئت کا نام اخلاق حسنہ ہے۔ اور اگر اس سے برے افعال صادر ہوں تو اس کیفیت کا نام اخلاق سیئہ (برے اخلاق) ہے۔''

آگے مزید وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ اخلاق کا نفس میں راسخ اور ثابت ہونے کی قید کا فائدہ اور مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بمجبوری یا کسی ضرورت کے تحت خلاف طبع کوئی کام کردے تو وہ کام اخلاق پر اثر انداز نہیں ہوگا۔ مثلاً کوئی شخص اتفاقاً کسی ضرورت کی بناء پر بہت کچھ خرچ کرے تو اس کا خلق اس وقت تک سخاوت نہ کہلائے گا جب تک یہ بات اس کے دل میں جم نہ جائے اسی طرح اگر کوئی شخص بڑی فکر وتامل سے بتکلف مال خرچ کرے یا اپنے غصے کو فرو کرے تو بھی اس کا خلق سخاوت اور حلم نہ ہوگا۔

تاہم مفسر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر ذرا مختلف انداز سے گفتگو کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ لغت میں خلق ان آداب کا نام ہے جن کا کوئی انسان التزام کرے اور بتکلف اپنے آپ کو ان کا پابند بنائے جو آداب فطری اور خلقی ہوں ان کو لغت کی رو سے خیم کیا جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

''خلق وہ ادب ہے جس کو انسان اپنے اوپر لازم کرے چونکہ (اس التزام سے) یہ پیدائشی خصلت کی طرح (بمنزلۂ جزء) بن جاتا ہے اس لئے اس کو خلق کہتے ہیں اور جس ادب پر انسان کی طبیعت بنائی گئی ہو اس کو خیم کہتے ہیں۔''

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس موضوع پر ایک لطیف بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اخلاق کی تین قسمیں ہیں۔

نمبر۱:۔ فطری، جبلی اور خلقی جو انسانی نفس میں پیدائش کے وقت ودیعت کئے گئے ہوں۔

نمبر۲:۔ جو مزاج وغیرہ کے تابع ہوں۔

نمبر۳:۔ وہ جو ریاضتوں اور مجاہدوں کے ذریعہ اپنائے گئے ہوں۔

(بحوالہ حجۃ اللہ البالغہ مترجم ص:۹۳ ج:۱)

ان اقوال کو مدنظر رکھتے ہوئے یہی بات آشکارا ہو جاتی ہے کہ اصل اخلاق وہ ہیں جو خلقی اور فطری ہوں جن میں کسی قسم کی تبدیلی کا امکان نہیں ہوتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

''اگر کسی پہاڑ کے بارے میں یہ سنو کہ اپنی جگہ سے ٹل گیا ہے تو اس کی تصدیق کرلو اور اگر کسی شخص کے متعلق یہ سنو کہ اپنے اخلاق سے پھر گیا ہے تو اس کی تصدیق نہ کرلو کیونکہ وہ بالآخر پھر اپنی اصل خصلت کی طرف لوٹے گا۔'' (مشکوٰۃ شریف ص:۲۴ بحوالہ مسند احمد)

اسی لئے کہا جاتا ہے کہ جبل گردد جبلت نہ گردد۔

عاقبت گرگ زادہ گرگ شود

گرچہ با آدمی بزرگ شود

کیا اخلاق میں ذاتی سعی کا دخل ہے؟

یہاں سے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر فطرت میں تبدیلی نہیں آ سکتی تو جن لوگوں کے اخلاق فطرتاً خراب ہیں تو کیا ان کو راہ راست پر لانے کی کوئی صورت نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے شریعت نے یہ حکم دیا ہے کہ وہ پابندی سے ان اخلاق ذمیمہ کے مضر اثرات سے بچنے کی کوشش کریں اور اس کے ہر ممکن ذرائع تلاش کریں اور وہ تمام وسائل بروئے کار لانے کی جدوجہد کریں جن کی بدولت اخلاق سیئہ کے موذی اثرات سے بچا جا سکتا ہے۔ تو گویا کہ بھرپور کوشش اور تکلف کر کے اخلاق حسنہ اپنانے کی سعی میں رہے جو دوگنا اجر کا باعث بھی ہے اور اخلاق حسنہ کی توفیق کا ذریعہ بھی' اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص قرآن کو آسانی سے نہیں پڑھ سکتا ہے بلکہ پڑھنے میں دقت اٹھاتا ہے تو اس مشکل میں واقع ہونے کی وجہ سے اس کے لئے دوچند ثواب ہوتا ہے۔

لہٰذا اگر کسی کی طبیعت میں مذموم صفات مثلاً بخل' طمع' ریاء' تکبر وغیرہ ہوں وہ اگرچہ ان خصلتوں کو تبدیل تو نہیں کر سکے گا مگر جب ان کے مقتضیٰ پر چلنے کے بجائے ان کے برعکس چلنا شروع کر دیگا تو مذکورہ بالا صفات کے متضاد اوصاف دل میں آنے لگیں گے جس کی بناء پر نفس میں موجود مذموم صفات کی مثال بے اثر ہونے کے اعتبار سے اس موذی اور زہریلے سانپ کی سی ہوگی جس کے دانت نکال کر اس کے زہریلی اثرات کو غیر مؤثر بنا دیا گیا ہو جو پوری توانائی صرف کرنے کے باوجود کسی کو کاٹ نہیں سکتا ہے۔

ایک مثال:۔

مجاہدوں' ریاضتوں اور کوششوں کے ساتھ اخلاق حسنہ کے زیور سے آراستہ ہو کر دل کی مذموم عادات واطوار کے بے اثر ہونے اور صفات حسنہ کے اس پر نقش ہونے کی مثال مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قصے کے ضمن میں واضح ہے۔

وہ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ رومیوں اور چینیوں میں باہم لڑائی ہوگئی رومیوں کا دعویٰ یہ تھا کہ ہم بڑے صنّاع اور دستکار ہیں اور ہمارے ہاتھ میں حکمت بھی ہے بلڈنگیں بھی اعلیٰ سے اعلیٰ بناتے ہیں اور

کپڑا بھی بہتر سے بہتر بناتے ہیں برتن وغیرہ غرض ہر سامان بہتر بناتے ہیں۔

چینیوں نے کہا ہم سب سے زیادہ صنّاع (انجینئر) ہیں ہم سے بڑا دستکار اور ماہر کوئی دوسرا نہیں ہے کوئی بھی اپنے بلند و بالا دعوؤں کے چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تھا بات اتنی بڑھ گئی کہ اس معاملے کی نوعیت سے بادشاہ وقت کو خبر ملی دونوں فریق کو بلا کر بادشاہ نے کہا جھگڑا کیا ہے؟ چنانچہ ہر فریق نے اپنے فن اور صنعت میں مہارت کا دعوی درج کر دیا بادشاہ نے کہا کہ دعوے سے کام نہیں چلتا اپنی اپنی صنعت بنا کر دکھلاؤ ہم مقابلہ کر کے سمجھیں گے کہ کون زیادہ ماہر ہے۔

بادشاہ نے ایک بہت بڑا ہال بنوایا اور بیچ میں پارٹیشن کر کے ایک دیوار کھڑی کر دی رومیوں کو کہا کہ آدھے مکان میں تو تم اپنی صنعت دکھلاؤ گویا نقاشی کرو اور چینیوں سے کہا کہ آدھے مکان میں تو تم اپنا کام دکھلاؤ اس کے بعد ہم ایک دوسرے کے کام کا مقابلہ کر کے دیکھیں گے جس کا کام اعلیٰ ہوگا اس کو ڈگری دیں گے اور پاس کر دیں گے۔ چنانچہ مکان میں ایک طرف رومیوں نے اپنی دستکاری دکھلانی شروع کر دی اور ایک طرف چینیوں نے۔

چینیوں نے تو یہ کیا کہ دیوار کے اوپر پلاستر کر کے رنگ برنگ پھول بوٹے اور بیلیں ایسی بنائیں کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ باغ و بہار ہے ساری دنیا کے چمن اور گلشن اسی دیوار کے اندر آ گئے ہیں۔

رومیوں نے کیا کیا؟ ایک پھول نہیں بنایا ایک بوٹا نہیں بنایا بلکہ دیوار پر پلاسٹر کر کے اس کو صیقل کرنا شروع کیا اور اسے مانجھنا شروع کیا مانجھتے مانجھتے اتنا چمکا دیا کہ دیوار بالکل آئینہ بن گئی۔

اپنے اپنے کام کی اطلاع بادشاہ کو کر دی کہ وہ دونوں کے کام کو دیکھ کر فیصلہ دے کہ کس کی صنعت اعلی پیمانے پر ہے بادشاہ نے حکم دیا کہ دیوار بیچ میں سے ہٹا دی جائے۔

دیوار کا ہٹانا تھا کہ چینیوں نے جتنے پھول اور بوٹے بنائے تھے وہ سب کے سب ادھر رومیوں کی صیقل کی ہوئی دیوار میں منعکس ہو کر نظر آنے لگے بادشاہ حیران ہے کہ جو پھول پتے پودے ادھر بنے ہوئے ہیں وہ ادھر بھی نظر آ رہے ہیں جو رنگ ادھر لگے ہوئے تھے وہ ادھر بھی ہیں بلکہ ادھر یہ زیادہ دیکھنے میں آیا کہ ادھر کے پھول پتوں میں چمک بھی ہے بادشاہ نے کہا کہ رومیوں کی صنعت بڑھ گئی چینی ہار گئے

اس لئے کہ رومیوں نے اپنی صنعت بھی دکھلائی اور ان کی بنی بنائی صنعت کو بھی چھین کر اپنا کرالیا تو دوگنی صنعت ہوگئی۔ لہٰذا رومی کامیاب ہیں ہم انہیں پاس کرتے ہیں اور چینی فیل ہوگئے ان کی صنعت کوئی بڑی صنعت نہیں نکلی۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ یہ مثال دیکر کہتے ہیں کہ اے عزیز! تو بھی رومیوں کی صنعت اختیار کر چینیوں کی مت کر تو اپنے دل کو مانجھ کر صیقل کر کے ایسا آئینہ بنالے کہ دنیا کے سارے نقش ونگار تجھے گھر کے اندر بیٹھے ہوئے دل کے اندر نظر آئیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دل کو اللہ نے ایسی عظیم اور عجیب کیمیا بنایا ہے کہ اگر باہر کی اچھی چیزیں منعکس کر کے دل کے اندر داخل کردے تو اس سے وہ کمال کے درجات پالیتا ہے لیکن چمن اگر باہر ہی باہر کھلے رہیں اور اندر کی دنیا بے خبر اور خالی ہو تو یہ بجز خسارے اور نقصان کے کچھ نہیں۔ (خطبات حکیم الاسلام)

تو اصل چیز یہ ہے کہ انسان اپنے دل کو مانجھے صیقل کر کے آئینہ بنائے۔

کہتے ہیں کہ لقمان حکیم سے ایک مرتبہ اپنے آقا نے کہا کہ جا کر بکرا ذبح کر کے جو چیز تمہیں اس میں پسند آئے وہ لے کر آؤ چنانچہ انہوں نے دل اور زبان پیش کیا۔ چند دن بعد پھر حکم ہوا کہ اس بار جو چیز اس میں بدتر ہے وہ لے آؤ تو انہوں نے پھر یہ دو چیزیں پیش کیں آقا کے دریافت کرنے پر انہوں نے جواب دیا کہ یہی دو چیزیں بدن میں اصل کردار ادا کر رہی ہیں اگر یہ صحیح ہو جائیں تو پورا بدن ٹھیک ہوتا ہے اور کامیابی کی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

اخلاق حسنہ اپنانے کا عملی طریقہ:۔

اب صرف یہ سوال رہ جاتا ہے کہ اس دل کو کیسے مانجھا جائے کس طرح صیقل کیا جائے؟ تاکہ مذموم صفات کو دل کے ایک گوشے میں دفن کیا جائے اور دل پر اخلاق حسنہ کی سلطنت قائم ہو جائے۔

اس کا تسلی بخش جواب یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کی جائے جو عمدہ اخلاق کے مالک ہوں اور برے اخلاق والوں کی صحبت سے اجتناب کیا جائے اس لئے کہ انسان صحبت کا اثر بہت جلد قبول

کرتا ہے اور صحبت کی وجہ سے ترقی کی وہ منازل طے کر لیتا ہے جو کسی دوسرے ذریعے سے ممکن نہیں چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا علو مقام صحبت کی افادیت کی زندہ تابندہ مثال ہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کا مقام امت میں سے کوئی فرد حاصل نہ کر سکا اور نہ کر سکے گا۔ حضرت عبداللہ بن مبارک سے کسی نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق پوچھا کہ آپ اونچے مقام و درجہ پر فائز ہیں یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو ان کو اس سوال سے بڑا صدمہ پہنچا اور فرمانے لگے کہ وہ تو اس گرد کے بھی برابر نہیں جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی ناک میں میدان جہاد میں لگی ہوئی ہے یہ صحبت کی برکت تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا اثر صحابہ پر ہوا اور ان کا بعد میں آنے والوں پر اس لئے تو اللہ نے فرمایا وکونوا مع الصادقین صادق اور سچے لوگوں کی معیت اور صحبت اختیار کرو۔

یہی وجہ ہے کہ علماء امت نے صحبت صالح پر زور دیا ہے چنانچہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

نیک انسان کی صحبت تجھے نیک بنا دے گی اور بروں کی صحبت تجھے بدکار بنا دے گی۔

سگِ اصحاب کہف روزے چند
پئے نیکاں گرفت مردم شد

اصحاب کہف کا کتا چند روز نیکوں کے ساتھ رہا خدا نے اس کو انسان بنا دیا۔

پسر نوح چوں بابداں بہ نشست
خاندان نبوتش گم شد

حضرت نوح علیہ السلام کا لڑکا بروں کے ساتھ رہا چنانچہ اس کی خاندانی نبوت جاتی رہی اور وہ کافر رہا۔

در بود صورت حقیرو ناپذیر
چوں بود خلقش نکو در پاش میر

اور اگر کسی کی صورت مکروہ اور حقیر معلوم ہو لیکن اگر اس کے اخلاق اچھے ہیں تو اس کے پاس مرنا یعنی تادم آخر اس کی صحبت کو لازم کرلو۔

صورتش دیدی زمعنی غافلی

از صدف در را گزیں گر عاقلی

اس کی صورت کو تو نے دیکھا اور سیرت سے تغافل برتا تجھے تو سیپ کے خول سے موتی کی تلاش مناسب ہوتی اگر تو عاقل ہوتا۔

صحبت اور شریعت کا تلازم:۔

تاہم محض صحبت کو معیار فلاح بنا کر اس پر اکتفاء بھی مناسب نہیں ہے ورنہ تو نوح اور لوط علیہما السلام کی بیویاں گمراہ نہ ہوتیں کہ ان کو تو نبی کی قریبی معیت حاصل تھی بلکہ صحبت کے ساتھ تفقہ فی الدین' علم کی طلب بھی ضروری ہے تا کہ علم کی روشنی میں صحیح عقیدہ اور عمل صالح کی بھی تمیز ہو اور ہر عمل شرع کے مطابق ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ خوش فہمی میں واقع ہونے پر وہ اعمال شروع کرے جو اپنے لئے بھی اور دوسروں کے لئے بھی وبال دین بنیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلیٰ درجہ ملنے کے باوجود علم کی دعا کا حکم اس بات کی دلیل ہے کہ علم سے لاپرواہی برت کر کامیابی حاصل نہیں کی جاسکتی بلکہ حصول علم خود ایک ایسا عمل ہے کہ فرائض کے بعد اس کا مساوی درجہ کسی دوسرے عمل کا نہیں۔

خیر کم من تعلم القرآن وعلمه۔ (الحدیث)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ علم اور عمل ایک دوسرے کے سہارے کے بغیر قائم نہیں رہ سکتے ہیں ''العلم بلاعمل وبال والعمل بلاعلم ضلال'' علم بغیر عمل کے وبال ہے اور عمل بغیر علم کے گمراہی ہے۔ چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

من تصوف ولم یتفقه فقد تزندق ومن تفقه ولم یتصوف فقد تفسّق

ومن جمع بینهما فقد تحقق۔

''یعنی جس نے بغیر علم کے باطن کی صفائی کی کوشش کی تو وہ زندیق بنے گا اور جس نے بغیر باطن کی صفائی کے علم حاصل کیا تو بے کیف رہے گا اور جس نے دونوں جمع کئے تو وہ ٹھیک چلا اور حق کو پہنچا۔'' (مجالس حکیم الامت ص:۲۹۲)

جبکہ بنیادی امر اپنی اصلاح اور رضائے الٰہی کا عزم ہے کہ اس کے بغیر علم وعمل کی افادیت ختم ہوجاتی ہے۔

انتباہ:۔

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بعض لوگ خانقاہیں قائم کر کے صوفیائے کرام کا لباس اختیار کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم صلحاء ہیں ہم اولیاء ہیں لہٰذا لوگ ان کے پاس جا کر ان سے بیعت ہوجاتے ہیں حالانکہ ان میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو تصوف اور ولایت کے ابجد سے بھی واقف نہیں ہوتے ہیں۔

جیسا کہ ہمارے زمانے میں اسکا مشاہدہ مشکل نہیں بلکہ آج کل تو ایسے پیر بھی موجود ہیں جن کے ایمان کے متعلق حتماً وجزماً کوئی فیصلہ کرنا مشکل ہے فرض نماز نہ پڑھنے کی عادت' داڑھی وغیرہ سنتوں کی مخالفت' علم اور اہل علم کی عداوت' یہ ایمان کے قرائن نہیں ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ تصوف کا سلسلہ اکثر جاہلوں کی طرف منتقل ہوگیا ہے جس کی وجہ سے اکثر خانقاہوں میں تزکیہ نفس کے بجائے منکرات کا غلبہ رہتا ہے اس لئے یہ بات ملحوظ خاطر رہنی چاہئے کہ صالح پیر اور ولی کے لئے قرآن وسنت کی متابعت اور اطاعت ضروری ہے اور یہ تب ہی ہوسکتا ہے کہ آدمی کے پاس قرآن وسنت کا علم ہو۔

چنانچہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض اہل علم سے نقل کیا ہے کہ اگر تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جو صاحب کرامات ہو حتی کہ ہوا میں معلق دو زانو بیٹھ جاتا ہو تو دھوکا نہ کھاؤ جب تک اس امر کو نہ دیکھ لو کہ امر ونہی اور حدود شرعی کی نگہداشت میں اس شخص کی کیا کیفیت ہے اکثر لوگوں کو یہ دھوکہ بھی ہوجاتا ہے کہ اصل چیز تو عمل ہے اور ایسے لوگوں کا عمل عام علماء کے عمل سے اچھا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ کہنا کہ اصل چیز عمل سے درست ہے لیکن یہ کہ عمل ان کے پاس ہے علماء کے پاس نہیں یہ مسلم نہیں اس لئے کہ اصل عمل'

قلب کا عمل ہے۔

فرائض کے بعد دل کا عمل اعضاء کے عمل سے لاکھوں درجے بہتر ہے اور ظاہر ہے کہ جب علم نہیں ہوگا تو دل کیا عمل کرے گا وہ تو ظلمات جہل کی دلدل میں پھنسا ہوا ہے ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو اگر چہ علماء تو ہیں مگر ان کے اندر تفقہ نہیں ہوتا ہے اس لئے یہ سنت اور بدعت میں تمیز ضروری نہیں سمجھتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر صوفیاء حدیث سے زیادہ اعتماد واقعات پر کرتے ہیں اگر چہ ان میں سے بعض واقعات کا مضمون اور اس پر عمل سنت کے خلاف ہو ان کی ایک بہت بڑی دلیل یہ ہے کہ فلاں حضرت صاحب ایسا ہی کیا کرتے تھے حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

من احدث فی امرنا ھذا مالیس منه فھو رد۔

''جو ہمارے اس دین میں ایک ایسا طریقہ اختیار کرے جو اس میں نہ ہو تو وہ طریقہ رد کیا جائے گا۔'' (مشکوٰۃ شریف ص: ۲۷ بحوالہ بخاری)

چنانچہ ابن جوزی نے تلبیس ابلیس میں صوفیاء پر تلبیس کے عنوان سے ایسے بہت سے امور کی نشاندہی کی ہے جو اصل سنت کے خلاف ہیں مگر صوفیاء ان کو سنت ہی کہتے ہیں اور ان پر عمل کر کے اونچے درجات کے متلاشی رہتے ہیں۔ ازاں جملہ ایک حصہ ملاحظہ ہو۔

اگلے صوفیاء نے رباطوں کو اس لئے اختیار کیا تھا کہ تنہائی میں عبادت کریں اور آج کل کے صوفی اگر اپنے ارادے میں ٹھیک بھی ہیں تو چند وجوہ سے خطا پر ہیں پھر ان وجوہات کے بعد رقمطراز ہیں۔

''اور اگر اس قوم کا ارادہ ٹھیک نہیں تو انہوں نے جھوٹ کی دکانیں بنائی ہیں بطالت کا ایک گھر تیار کیا ہے اور زہد کے اظہار کو شہرت دی ہے ہم نے متاخرین میں سے اکثر کو دیکھا ہے کہ معاش کی محنت سے فارغ ہو کر آرام سے رباطوں میں پڑے ہیں کھانے پینے ناچ گانے میں مشغول ہیں ہر ایک ظالم سے دنیا کے طالب ہیں اور خراج، سود لینے والوں کے ہدیئے قبول کرنے میں تقوی نہیں بجالاتے ان کی اکثر رباطیں وہ ہیں جن کو اہل ظلم نے بنوایا ہے اور حرام کے مال ان پر وقف کئے ہیں۔ ابلیس نے ان کو فریب دے رکھا ہے کہ جو کچھ تمہارے پاس آئے وہ تمہار

رزق ہے لہٰذا تقوی کی قید اپنے سے ساقط کردی۔ اب ان کی ساری ہمت باورچی خانہ اوحمام اورٹھنڈے پانی پر مبذول ہے۔ کہاں ہے بشر الحافی کی بھوک اور کہاں ہے سری سقطی کا ورع اور کہاں ہے جنید کا زہد اس قوم کی تو یہ حالت ہے کہ اکثر وقت ہنسی مذاق کی باتوں میں کٹتا ہے یا اہل دنیا کی زیارت میں بسر ہوتا ہے جب کسی کو کچھ فراغت ملی تو ذرا صوف کے جبہ میں اپنا سر ڈال دیا کچھ سودا کا غلبہ ہوا تو بول اٹھا حدثنی قلبی عن ربی یعنی میرا دل میرے پرودگار کی جانب سے بات کرتا ہے۔'' (انتہی)

ذرا غور کیجئے کہ ابن جوزی نے ۵۹۷ھ کو وفات پائی ہے جب ان کے زمانے کے اکثر صوفیاء کا یہ حال ہے تو آج کے پیروں کا کیا کردار ہوگا؟ یہ بات سب کے علم میں ہے اس پر مزید روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں لہٰذا پیر ومرشد کے انتخاب میں نہایت احتیاط سے کام لیا جائے کہ صحیح پیر ہزاروں میں مشکل سے ایک ملتا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ نفع کے بجائے مزید خسارہ کا سامان گلے کا طوق بن جائے۔

فصل نمبر۲

اخلاق کا مقام:۔

۱.....حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سہواً یا ارادۃً بھی فحش بات منہ سے نہ نکالتے تھے اور فرماتے تھے کہ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہیں۔ (بخاری ص:۸۹۲ ج:۱)

۲.....حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے مجھے سب سے زیادہ پسندیدہ وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔

(مشکوٰۃ شریف ص:۴۳۱ ج:۲ حوالہ بخاری)

۳.....حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن بندے کی میزان میں اچھے اخلاق سے زیادہ کوئی چیز وزنی نہ ہوگی اور اللہ تعالیٰ فحش بکنے والے بدزبان آدمی سے نفرت کرتا ہے۔ (ترمذی ص:۲۰ ج:۲)

۴.....حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کس سبب سے زیادہ تر لوگ جنت میں داخل ہونگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے خوف واحتیاط اور خوش خلقی سے' عرض کیا گیا دوزخ میں زیادہ تر کس وجہ سے لوگ جائیں گے فرمایا حرام خوری اور بدکاری سے۔(ترمذی ص:۲۱ ج:۲)

۵.....حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کامل ترین ایمان اس کا ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں اور تم میں اچھا وہ ہے جو اپنی بیویوں سے حسن سلوک سے پیش آئے۔(ترمذی صفحہ ۲۱۹ ج:۱)

۶.....حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مؤمن اچھے اخلاق کے ذریعے پے در پے روزے رکھنے والے اور عابد کا درجہ پالیتا ہے۔

(ابوداؤد ص:۳۰۵ ج:۲)

۷.....حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس شخص کے لئے جنت کے سامنے ایک گھر کا ضامن ہوتا ہوں جس نے حق پر ہوتے ہوئے بھی جھگڑا چھوڑ دیا اور اس شخص کے لئے جنت کے اندر میں ایک گھر کا ضامن ہوں جس نے جھوٹ چھوڑ دیا اگرچہ وہ مذاقاً بولتا تھا اور اس شخص کے لئے جنت کی بلندی میں ایک گھر کا ضامن ہوں جس کے اخلاق اچھے ہوں۔(ابوداؤد ص:۳۰۵ ج:۲)

۸.....حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن مجھے سب سے زیادہ پسندیدہ اور سب سے زیادہ قریب وہ ہوں گے جو اچھے اخلاق والے ہیں اور مجھے سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور سب سے زیادہ مجھ سے دور ہونگے وہ جو زیادہ باتونی' چرب زبان اور تصنع کرنے والے متکبر ہوں گے۔(ترمذی ص:۲۲ ج:۲)

۹.....قبیلہ مزینہ کے ایک آدمی سے روایت ہے کہ بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ انسان کو دی جانے والی چیزوں میں سب سے بہتر کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھے

اخلاق۔(بیہقی)

۱۰.....امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پہنچی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں اس واسطے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاقی خوبیوں کو کمال تک پہنچادوں۔(مؤطا امام مالک ص:۷۰۵)

۱۱.....حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری وصیت مجھے کی تھی جبکہ میں نے اپنا ایک پاؤں اپنی سواری کی رکاب میں رکھ لیا تھا وہ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے معاذ! لوگوں کے لئے اپنے اخلاق کو بہتر بناؤ۔

(مؤطا مالک ص:۷۰۴)

مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ شریعت مصطفویہ میں اخلاقیات کا مقام بہت بلند ہے اور اس پر بڑے انعامات کا وعدہ کیا گیا ہے جیسے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث میں ہے کہ انسان عمدہ اخلاق کی وجہ سے بارگاہ الٰہی میں وہ درجات حاصل کرتا ہے جو ایک عابد اور پے در پے روزے رکھنے والا حاصل کرسکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات میں ایمان کے بعد جن چیزوں پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور انسان کی سعادت کو ان پر موقوف بتلایا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی اخلاق حسنہ اختیار کرے اور برے اخلاق سے اپنی حفاظت کرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے جن مقاصد کا قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے ان میں ایک یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانوں کا تزکیہ کرنا ہے۔''ویزکیھم''اور اس تزکیہ میں اخلاق کی اصلاح اور درستی کی خاص اہمیت ہے حدیث کی مختلف کتابوں میں خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مضمون روایت کیا گیا ہے کہ''میں اخلاق کی اصلاح کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں''یعنی اصلاح اخلاق کا کام میری بعثت کے اہم مقاصد اور میرے پروگرام کے خاص اجزاء میں سے ہے۔

اور ہونا بھی یہی چاہئے تھا کیونکہ انسان کی زندگی اور اس کے نتائج میں اخلاق کی بڑی اہمیت

ہے اگر انسان کے اخلاق اچھے ہوں تو اس کی اپنی زندگی بھی قلبی سکون اور خوشگواری کے ساتھ گذرے گی اور دوسروں کے لئے بھی اس کا وجود رحمت اور چین کا سامان ہوگا اور اس کے برعکس اگر آدمی کے اخلاق برے ہوں تو خود بھی وہ زندگی کے لطف و مسرت سے محروم رہے گا اور جن سے اس کا واسطہ اور تعلق ہوگا ان کی زندگیاں بھی بے مزہ اور تلخ ہونگی۔ جیسا کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

خُلقِ نیکو وصف انسانی بود
آدمی باخلق بد حیوان شود

''اچھے اخلاق انسانی خوبیاں ہیں بداخلاقی سے انسان چوپایا بن جاتا ہے۔''

یہ تو خوش اخلاقی اور بداخلاقی کے وہ نقد دنیوی نتیجے ہیں جن کا ہم اور آپ روزمرہ مشاہدہ اور تجربہ کرتے ہیں لیکن مرنے کے بعد ابدی زندگی میں ان دونوں کے نتیجے ان سے بدرجہا زیادہ اہم نکلنے والے ہیں۔ آخرت میں خوش اخلاقی کا نتیجہ ارحم الراحمین کی رضا و جنت ہے اور بداخلاقی کا انجام خداوند قہار کا غضب اور دوزخ کی آگ ہے۔ اللّٰھم احفظناہ (معارف الحدیث ص: ۱۶۵ ج: ۲)

ایک شبہ کا ازالہ:۔

یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اکثر مصنفین علم اخلاق کی کتابوں میں اعمال صالحہ کو موضوع بحث بناتے ہیں اور بعض اوصاف باطنیہ کی اصلاح پر زور دیتے ہیں جبکہ بعض دیگر دونوں قسموں سے بحث کرتے ہیں اس وجہ سے اس فن کے موضوع میں ایک نوع اضطراب پایا جاتا ہے اور حقیقت پوری طرح منکشف نہیں ہوتی ہے کہ علم اخلاق کا موضوع کیا چیز ہے؟

اسکا جواب یہ ہے کہ دراصل اخلاق تو صفات باطنیہ سے عبارت ہیں کسی کام کو اخلاق نہیں کہتے جیسے کہ پیچھے سید شریف کی مذکورہ تعریف سے معلوم ہو چکا ہے تاہم اعمال چونکہ اخلاق کے ثمرات و نتائج ہیں اور شریعت میں احکام کا دارومدار بھی زیادہ تر عمل پر ہوتا ہے اس لئے بعض لوگوں نے اعمال کو موضوع بحث بنایا ہے۔

اور جب اصل اخلاق کیفیات نفسانیہ ہی ہیں اس لئے بعض نے اسکو بنیاد سمجھ کر اس کی اصلاح

کی کوشش کی ہے تا کہ جب باطن کی اصلاح ہو جائے گی تو اعمال صالحہ اس پر خود بخود مرتب ہونگے کیونکہ ظاہر تو باطن کا عکس ہے تو جو کیفیت دل میں ہوگی اسی کے مطابق عمل وثمرہ مرتب ہوگا۔

یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عادت جاریہ ہے کہ ہر چیز میں ایک باطنی اور مخفی کیفیت کی تخلیق فرماتے ہیں اور پھر اس کیفیت پر کچھ اثرات مرتب فرماتے ہیں اس کا مشاہدہ نباتات میں بآسانی کیا جا سکتا ہے کہ ہر نوع درخت کا پھل دوسری نوع کے پھل سے مختلف ہوتا ہے کبھی آم کے درخت سے سیب اور سیب کے درخت سے آم نہیں ملتا ہے اسی طرح حیوانات اور انسان کا بھی یہی حال ہے ہم انشاء اللہ دونوں قسموں کو قلمبند کرنے کی کوشش کریں گے۔ وما توفیقی الا باللہ

فصل نمبر ۳

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ:۔

"وانك لعلى خلق عظيم" (الآیۃ) اور بے شک آپ اخلاق حسنہ کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بعثت لاتمم مكارم الاخلاق" (الحدیث) یعنی مجھے اس کام کے لئے بھیجا گیا ہے کہ میں اعلی اخلاق کی تکمیل کروں۔ (ابوحیان) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کے مکارم اخلاق کا یہ حال تھا کہ مدینہ کی کوئی لونڈی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر جہاں لے جانا چاہتی لے جا سکتی تھی۔ (رواہ البخاری) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنے ہاتھ سے کسی کو نہیں مارا بجز جہاد فی سبیل اللہ کے کہ اس میں کفار کو مارنا اور قتل کرنا ثابت ہے ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خادم یا کسی عورت کو کبھی نہیں مارا ان میں سے کسی سے خطا ولغزش بھی ہوئی تو اس کا انتقام نہیں لیا بجز اس کے کہ اللہ کے حکم کی نافرمانی کی ہو تو اس پر شرعی سزا جاری فرمائی۔ (رواہ مسلم) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کسی چیز کا سوال نہیں کیا گیا ہے جس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "نہیں" فرمایا ہو۔ (بخاری ومسلم)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ فحش گو تھے نہ فحش کے

پاس جاتے تھے نہ بازار میں شور وشغب کرتے تھے برائی کا بدلہ کبھی برائی سے نہیں دیتے تھے بلکہ معافی اور درگزر کا معاملہ فرماتے تھے۔(معارف القرآن)

مذکورہ بالا احادیث سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی مکارم اخلاق کے مالک تھے کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا کام صادر نہیں ہوا جو خلاف مروت اور خلاف شرع ہو اور یہی مطلب ہے عصمت انبیاء علیہم السلام کا کہ تمام انبیاء کے اخلاق وحی سے قبل اچھے اور پاکیزہ ہوا کرتے ہیں او رہر طرح کی بری باتوں سے اور تمام گندگیوں سے کنارہ کش رہا کرتے ہیں وہ فطری اور طبعی طور پر برائیوں سے کنارہ کش اور متنفر رہتے ہیں گویا برائیاں ان کی فطرت کے خلاف ہیں۔(از مقدمہ ابن خلدون صفحہ:۲۹۰)

البتہ پورے ذخیرہ احادیث اور تاریخ میں صرف دو واقعات ایسے آئے ہیں کہ جن کو اہل یورپ نے بڑھا چڑھا کر غلط شکل دیدی حالانکہ نظر غائر کرنے سے یہ یقین ہوجاتا ہے کہ وہ نبوت وعصمت کے عین دلائل ہیں۔

پہلا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچے تھے اور اپنے چچا جان عباس کے ساتھ تعمیر کعبہ کے لئے تہبند میں اٹھا اٹھا کر پتھر ڈھو رہے تھے کہ اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تہبند کھل گیا اور فوراً آپ بے ہوش ہوکر گر گئے حتی کہ آپ کا تہبند باندھ دیا گیا۔

(مقدمہ ابن خلدون بخاری ص:۵۴۰ ج:۱)

اور دوسرا یہ کہ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شادی کے ولیمہ میں بلایا گیا جہاں شادی سے متعلق لہولعب تھا آپ پر نیند طاری ہوگئی اور سورج کے طلوع ہونے تک سوتے رہے اور لہولعب سے قطعی بے خبر رہے اور حق تعالیٰ نے اس طرح آپ کو اس سے محفوظ فرمایا۔(حوالہ بالا)

دیکھئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بے ہوشی یا نیند کا طاری ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر لحاظ سے حفاظت کی گئی ہے اور بچپن سے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکارم اخلاق کے متعلق روایات واحادیث تو بہت زیادہ ہیں مگر چونکہ سب کا جمع کرنا یہاں اس مختصر سی کتاب میں مناسب نہیں اس لئے اختصار کی غرض سے یہاں ایک

مختصر مگر جامع مضمون ذکر کیا جاتا ہے یہ مضمون علامہ صلاح الدین صفدی نے اپنی کتاب ''الوافی بالوفیان'' میں تحریر فرمایا ہے جس کا ترجمہ البلاغ میں ربیع الاول ۱۳۹۶ھ مارچ ۱۹۷۶ء میں شائع ہوا تھا وہ مضمون یہ ہے کہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق پر روشنی ڈالنے کی فرمائش کی گئی تو آپ نے جواب میں فرمایا قرآن مجید (میں جو بیان ہوا ہے وہ) ہی آپ کا اخلاق ہے جہاں قرآن مجید (میں اللہ تعالیٰ) نے غصے اور ناراضگی کا حکم دیا ہے وہیں آپ اس کا اظہار فرماتے اور اسی کی رضا کے لئے کسی سے رضا و محبت اختیار فرماتے۔ حرمات اللہ کی بے حرمتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غضب ناک کر دیتی (چونکہ یہ غصہ بھی خالصتاً لوجہ اللہ تھا اسلئے) اس غصہ کی کوئی بھی تاب نہ لاسکتا تھا۔

آپ بہادری اور سخاوت اور اعطاء میں اپنی مثال آپ تھے کسی سائل کو کبھی مایوس نہ لوٹاتے آپ کی زندگی میں کوئی دن ایسا نہ غروب ہوا کہ جس کے بعد آپ نے رات گذاری ہو اور آپ کے گھر میں کوئی درہم یا دینار موجود ہو (اگر ایسی صورت کبھی پیش آ گئی کہ) آپ کے پاس کوئی سکہ بچ گیا ہے اور کوئی مستحق نہیں آیا اور رات نے اپنے پردے پھیلانے شروع کر دیئے تو آپ مضطربانہ گھر سے نکل جاتے اور جب تک وہ سکہ کسی محتاج کو دیکر فارغ نہ ہو جاتے تب تک واپس گھر نہ لوٹتے۔ آپ کے پاس جو مال آتا اس میں سے اپنے گھر والوں کے لئے سال بھر کا واجبی خرچ رکھ لیتے (اور وہ بھی کھجور اور جو وغیرہ اجناس کی شکل میں) اور بقیہ مال سب تقسیم کر دیتے پھر اپنے اخراجات کے لئے رکھے ہوئے غلے سے بھی ضرورتمندوں کی امداد فرماتے رہتے (یہی وجہ تھی کہ) بسا اوقات سال کا آخری حصہ بڑی تنگدستی میں گذرتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت یہاں ختم ہوگئی۔

(آگے علامہ صفدیؒ لکھتے ہیں کہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی بردبار اور کنواری لڑکیوں کی طرح اس قدر حیادار تھے کہ کسی کو آنکھ بھر کر نہ دیکھتے انتہائی متواضع طبیعت کے مالک تھے۔ امیر غریب، آزاد غلام جو بھی آپ سے مخاطب ہونا چاہتا اس کی باتوں کو غور سے سنتے اور ان کو تسلی بخش جواب مرحمت فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی رحم دل تھے حتیٰ کہ جانوروں پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ترحم

ضرب المثل ہے کبھی کبھار (ایسا بھی ہوتا کہ) ایک بلی آئی اور (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس برتن میں دودھ یا کوئی اور کھانے کی چیز تھی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سامنے برتن کو جھکا دیا اور جب تک وہ سیر نہ ہوگئی ہوتی تب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن جھکائے رکھا اپنے ساتھیوں کی انتہائی قدر و منزلت اور عزت و احترام فرماتے (اگر کسی مجلس میں جگہ کی تنگی ہوتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں موجود ہوتے تو) کبھی پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھتے بلکہ حتی المقدور ان کے لئے جگہ چھوڑ دیتے اور کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنے ساتھ بیٹھنے والوں کے گھٹنوں سے مس نہ ہوتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقاء بھی آپ پر جان چھڑکتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ فرماتے تو فوراً خاموش ہو جاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم ماننے کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ تحمل کا برتاؤ کرتے تھے کسی صحابی کو کسی وجہ سے غیر موجود پاتے تو اس کے متعلق تحقیق فرماتے۔ اگر وہ بیمار ہوتا تو اس کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے اور اگر لاپتہ ہوتا تو اس کے لئے واپسی کی دعا فرماتے اور جو فوت ہو جاتا تو اس کے حق میں استغفار کرتے پھر مزید دعا فرماتے اگر کسی شخص کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطرہ ہوتا کہ کہیں اس کو کوئی رنج نہ پہنچا ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود اس کے گھر تشریف لے جاتے۔

(کبھی کبھار) آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باغات کی طرف نکل جاتے کوئی صحابی اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیافت کرنا چاہتا تو بطیبِ خاطر قبول فرما لیتے۔ شرفاء سے ان کے شایان شان سلوک فرماتے اور اہل فضل کا پورا اکرام کرتے کبھی کسی سے ترش روئی سے پیش نہ آتے اور نہ کسی پر زیادتی کرتے (حتی کہ اگر کسی معاملہ پر) کوئی معذرت پیش کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا عذر (خندہ پیشانی سے) قبول فرما لیتے۔

توانا اور ناتواں (حقوق کی ادائیگی میں آپ کی نظر میں) یکساں حیثیت رکھتے تھے اپنی پشت کے پیچھے کسی کو چلنے نہ دیتے۔ فرماتے میری پشت ملائکہ کے (چلنے کے لئے) خالی چھوڑ دو (آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر جاتے تو) اپنے ہمراہی کو ساتھ سوار کرنے کی (حتی الامکان) کوشش کرتے (اور اگر

بوجوہ) وہ سوار نہ ہوتا تو اسے (کسی متعین جگہ پر) پہنچنے کی تلقین فرمادیتے اور (پھر اس سے وہاں) ملاقات فرماتے۔

جو بھی آپ کی خدمت پر مامور ہوتا (حتی الامکان) اس کی آسائش کا ہر طرح خیال رکھتے بلکہ (یوں کہئے کہ) اس کی خدمت میں مصروف ہوجاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی ایک غلام باندیاں تھیں (خورد ونوش اور لباس کے معاملہ میں کبھی بھی ان سے امتیازی سلوک روا نہ رکھتے بلکہ) جو خود تناول فرماتے وہی ان کو کھلاتے اور جیسا لباس خود زیب تن کرتے ان کے لئے بھی ویسا ہی مہیا فرماتے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص فرماتے ہیں کہ میں تقریباً دس برس تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت پر مامور رہا تو خدا کی قسم جس سفر وحضر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی سعادت حاصل کرنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتا میں آپ کی جتنی خدمت کرتا آپ کی طرف سے اس سے کہیں زیادہ میری خدمت فرمائی جاتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (کسی معاملہ میں) مجھے اف تک نہ کہا اور اگر میں آپ کے فرمائے بغیر کوئی کام کرلیتا تو کبھی یوں نہ فرماتے کہ ایسا کیوں کیا؟ اور اگر کوئی کام (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بموجب) نہ کرپاتا تو کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہ فرمایا کہ ''ایسا کیوں نہ کیا''؟ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس طرح گھل مل کر رہتے کہ بادی النظر میں اجنبی اس کا امتیاز نہ کرپاتا کہ آقا کون ہے؟ (چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر پر تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ساتھیوں کو) بکری (کا گوشت) بھوننے کے لئے فرمایا تو ایک شخص بولا یارسول اللہ میرے ذمہ اس کو ذبح کرنا ہوا دوسرے نے کہا میں اس کو صاف اور درست کرونگا اور تیسرے نے پکا کر تیار کردینے کی خدمت اپنے ذمہ لے لی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لکڑیاں جمع کرکے میں لاتا ہوں اس پر صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ہم آپ کی جگہ یہ کام کرنے کے لئے کافی ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے معلوم ہے میری جگہ تو تم یہ سب کام کرلوگے مجھے یہ پسند نہیں کہ میں خود کو تم میں ممتاز حیثیت سے رکھوں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کو ناپسند فرماتا ہے جو (اپنے ساتھیوں میں خود کو) ممتاز (حیثیت سے دیکھنے کا متمنی) ہو۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور

لکڑیاں جمع کر کے لے آئے۔

(اس طرح ایک دوسرے سفر کا واقعہ ہے کہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے تشریف لائے پھر فوراً ہی واپس ہوئے تو کسی صحابی نے پوچھا یا رسول اللہ آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی اونٹنی کی ٹانگ باندھنے کے لئے۔ صحابہ نے عرض کیا (آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکلیف کیوں فرماتے ہیں) یہ کام تو ہم کر دیتے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کام میں دوسرے کا تعاون (حتی المقدور) نہ لینا چاہئے خواہ مسواک کا ٹنا ہی کیوں نہ ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھتے بیٹھتے ذکر الٰہی میں مشغول رہتے جب کسی مجلس میں تشریف لے جاتے تو مجلس کے آخر میں جہاں جگہ ملتی وہیں بیٹھ جاتے اور اسی کا (دوسروں کو بھی) حکم فرماتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہر ہمنشین کو (گفتگو اور توجہ میں) اس کو پورا حصہ دیتے اور تمام اہل مجلس کے ساتھ ایسا رویہ اختیار فرماتے کہ ہر شخص یہی سمجھتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں وہ دوسرے سے زیادہ معزز اور مکرّم ہے۔

(ایسے ہی اگر) کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر بیٹھ گیا تو جب تک وہ خود چلا نہ جاتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس سے اٹھ کر نہ جاتے الا یہ کہ کوئی فوری ضرورت پیش آ جائے تو (ایسی صورت میں) اس سے اجازت لے لیتے۔

کسی شخص کے ایسے طریقے پر سامنا کرنے سے احتراز فرماتے جسے وہ ناپسند کرتا ہو۔ برائی کے بدلے عفو و درگذر (ہی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شیوہ تھا بیماروں کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے فقراء و مساکین سے پیار کرتے ان کے ساتھ مجلس فرماتے اور ان کے جنازوں میں شریک ہوتے کسی غریب کو محض غربت کے سبب حقیر نہ سمجھتے اور کسی بادشاہ کی محض حکومت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں وقعت و توقیر نہ تھی نعمت کی تعظیم فرماتے خواہ تھوڑی ہی کیوں نہ ہو اس میں کسی چیز کو برا نہ کہتے کھانے کے بارے میں کبھی یہ نہ فرماتے کہ خراب ہے اگر جی چاہتا تو کھا لیتے اور اگر اشتہا نہ ہوتی تو چھوڑ دیتے۔

پڑوسی کا ہر طریقہ سے خیال رکھتے اور کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں مہمان آ جاتا اس کی

تکریم فرماتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی ہنس مکھ اور ملنسار تھے۔

حوائج ضروریہ کے (اوقات کے) علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اوقات اللہ ہی کے کام میں گزرتے تھے جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو امور میں سے ایک پر عمل کا اختیار دیا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ آسانی اور نرمی کے پہلو کو اختیار فرماتے البتہ اگر ایسی صورت میں (قطع رحمی یا) گناہ کا اندیشہ ہوتا تو ایسے کام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ دور رہنے والا کوئی نہ تھا۔

اپنے جوتے خود گانٹھ لیتے اور کپڑوں کو پیوند وغیرہ خود ہی لگاتے تھے گھوڑا خچر یا گدھا (جو بھی سواری کا جانور میسر آجاتا اسی) پر سواری فرما لیتے اور اپنے ساتھ اپنے غلام یا کسی دوسرے کو پیچھے بیٹھا لیتے (اور اس میں کبھی عار محسوس نہ فرماتے)

(کبھی کبھار) اپنی آستین یا چادر سے اپنے گھوڑے کا چہرہ بھی صاف کر لیا کرتے نیک فال لینے کو پسند فرماتے اور بدفالی لینا آپ کو ناپسند تھا جب کوئی ایسا معاملہ پیش آتا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھا لگتا تو اس پر الحمدللہ رب العالمین پڑھتے اور جب کوئی ایسی بات ہو جاتی جو ناگواری طبع کا سبب بنتی تو فرماتے الحمدللہ علی کل حال کھانے سے فراغت کے بعد جب دسترخوان اٹھایا جاتا تو یہ دعا پڑھتے ''الحمدللّٰہ الذی اطعمنا و سقانا و آوانا و جعلنامن المسلمین''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم عموماً قبلہ رو تشریف فرما ہوتے اور اللہ کا ذکر کثرت سے فرماتے نماز کو طویل فرماتے اور خطبہ مختصر دیتے تھے ایک ہی مجلس میں (کم وبیش) سو مرتبہ استغفار کرتے نماز کی حالت میں خشیت الٰہی کے سبب (رونے کی وجہ) سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے سے ایسی آواز سنائی دیتی جیسے ہنڈیاں جوش سے ابل رہی ہوں۔ نماز میں اس قدر قیام کرتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں متورم ہو جاتے۔

پیر، جمعرات اور ہر ماہ میں تین روزے اور عاشورہ کا روزہ رکھتے اور جمعہ کا روزہ بھی کم ہی افطار فرماتے ماہ شعبان اکثر روزے سے گذرتا۔

صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح

متواتر روزے رکھتے کہ ہم آپس میں کہنے لگتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم افطار نہیں فرمائیں گے اور کبھی مسلسل چھوڑے رکھتے کہ ہم (آپس میں یوں) کہنے لگتے کہ شاید اب روزہ نہیں رکھیں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں تو سو جاتیں مگر دل وحی کے انتظار میں رہتا اور کبھی نہ سوتا تھا نیند میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سانس کی آواز تو سنائی دیتی لیکن خراٹے لینے کی عادت نہ تھی اور جب کبھی خواب میں ایسی کیفیت دیکھتے جو بار خاطر ہوتی تو فوراً یہ دعا پڑھتے "ھو اللّٰہ لاشریك لہ" جب سونے کے لئے لیٹتے تو فرماتے "رب قنی عذابك یوم تبعث عبادك" اور جب بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے "الحمدللّٰہ الذی احیانا بعد ماأماتنا والیه النشور"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ کی چیز تناول نہ فرماتے تھے البتہ ہدیتاً جو چیز آ جاتی اس کو تناول (کرنے سے انکار نہ) فرماتے تھے اور ہدیہ لانے والے کی مکافات فرماتے تھے۔ (یعنی اس کے بدلے میں کبھی نہ کبھی کچھ نہ کچھ دیدیتے تھے) کھانے میں سرور تلذذ (کا حصول) مقصود نہ رکھتے اور ایسے اوقات بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آئے کہ بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے زمین کے تمام خزانوں پر تصرف کا اختیار دیا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخرت کی نعمتوں کو ترجیح دی اور زمین کے خزانوں سے صرف نظر کرلیا۔

جو میسر آ جاتا وہی تناول فرمالیتے (اور کسی قسم کا تکلف نہ فرماتے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرکہ کے ساتھ روٹی کھائی تو فرمایا "سرکہ تو بہترین سالن ہے" "مرغی" اور حباری (فاختہ) کا گوشت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمایا ہے ماحضر کو ناپسندیدگی کے سبب واپس نہ فرماتے اور جو میسر نہیں اس کے حصول کے لئے مشقت وتکلف نہ کرتے۔

کسی حلال شی (کے استعمال) سے (بلاوجہ) پرہیز نہ فرماتے اگر روٹی کے بجائے کھجور مل جاتی تو اس پر قناعت فرمالیتے اگر بھنا ہوا گوشت میسر آ جاتا تو وہی تناول فرمالیتے تھے روٹی گندم کی ہوتی یا جو کی اس کا کبھی خیال نہ فرماتے۔ کوئی میٹھا پکوان ہوتا یا شہد میسر آ جاتا تو بہت پسند فرماتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھنڈا اور میٹھا مشروب بہت مرغوب تھا۔

ہیثم ابن التیہان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھے کیا معلوم کہ گوشت ہمیں کتنا مرغوب ہے کھانے کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگا کر نہ بیٹھتے اور چوکیوں پر کھانا رکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہیں کھایا تادم آخر گندم کی روٹی متواتر تین دن تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیر ہو کر نہیں کھائی۔ یہ ایثار کی بناء پر تھا نہ کہ فلاکت وبخل کی وجہ سے ولیمہ کی دعوت (میں شرکت) قبول فرما لیتے اور (اسی طرح) غلام وآزاد (ہر ایک) کی دعوت قبول فرماتے ہدیہ قبول فرماتے اگر چہ دودھ کا گھونٹ یا خرگوش کی ران ہی کیوں نہ ہوتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کدو کا سالن اور بکری کا بھنا ہوا ہاتھ بہت مرغوب تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے زیتون کا تیل (ایسی چیز ہے جسے گھی کے بجائے) تم کھاؤ (بھی) اور (بطور چکنائی) سر میں ڈالو۔ کیونکہ یہ مبارک درخت سے حاصل کیا جاتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھانا اپنی تین انگلیوں سے کھاتے اور ان کو (کھانے کے بعد) چاٹ لیتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رومال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں کا نچلا حصہ تھا۔ (یعنی ہاتھ دھونے کے بعد پاؤں کے تلوے سے پونچھ لیتے تھے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کی روٹی اور کھجور، تربوز اور کھجور، ککڑی اور کھجور اور کھجور، اور کریم کو (وقتاً فوقتاً) ملا کر کھایا ہے۔ حلوا اور شہد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت مرغوب تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم عموماً بیٹھ کر پانی پیتے اور کبھی کھڑے کھڑے بھی پیا ہے اور اس پینے کے دوران تین مرتبہ اس طرح سانس لیتے کہ منہ برتن سے بالکل ہٹا لیتے اور جب مجلس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ پینے کو دیا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے داہنے بیٹھے ہوئے شخص سے شروع فرماتے (اور پھر اپنی باری آنے پر خود پیتے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بہت دفعہ) دودھ بھی نوش فرمایا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ کھانا کھلائے تو اسے یوں دعا مانگنا چاہئے۔ ''اللّٰھم بارك لنافیه واطعمنا خیراً منه'' اور جسے دودھ پلائے تو اسے (فراغت کے بعد یہ الفاظ) کہنا چاہئے ''اللّٰھم بارك لنا فیه وزدنا منه''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ ایک ہی چیز جو کھانے اور پینے (دونوں) میں کفایت

کر سکے دودھ سے بڑھ کر اور کوئی نہیں ہے ابن حزم نے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نبیذ کا پینا منسوب کیا ہے اس سے مراد (نبیذ معروف نہیں بلکہ) وہ پانی ہے جس میں کھجوریں (اسے) میٹھا کرنے کے لئے ڈالی گئی تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم (عموماً) اون کا بنا ہوا کپڑا زیب تن فرماتے اور سلا ہوا جوتا پہنتے تھے لباس کے معالہ میں تفاخر سے کام نہ لیتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ لباس یمنی چادر (حبرہ) تھی (اس کی بنتی ہیں) سرخ وسپید دھاریاں ہوتی تھیں۔ سلے ہوئے کپڑوں میں اپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قمیص پسند تھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا کپڑا زیب تن کرتے تو فرماتے "اللّٰھم لك الحمد کماالبستنیه اسئلك خیره و خیر ماصنع له و اعوذ بك من شره و شرماصنع له"۔

سبز رنگ پہناوا (بھی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھا بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک تہ بند بھی زیب تن فرمایا اور اس پر دوسرا کوئی کپڑا نہیں پہنا (اور وہ اس طرح کہ) اس کے دونوں کناروں کو کندھوں کے درمیان باندھ لیا کرتے جمعہ کے روز (عموماً) سرخ (دھاریوں والی چادر) اوڑھتے اور عمامہ باندھتے۔ دائیں چھنگلی میں چاندی کی انگوٹھی پہنتے اس پر محمد رسول اللہ منقش تھا اور بعض اوقات بائیں چھنگلی میں پہن لیتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو بہت پسند تھی اور بدبو سے نفرت کرتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے اللہ تعالیٰ نے عورت اور خوشبو میں میرے لئے تلذذ (کا سامان) رکھا ہے اور نماز کو میری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشک اور غالیہ کو ملا کر یا صرف مشک ہی کو بطور خوشبو لگاتے۔

عود اور کافور کو بطور دھونی استعمال کرتے اثمد سرمہ لگاتے اور بسا اوقات روزہ کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرمہ لگایا ہے۔ سر اور داڑھی میں کثرت سے تیل لگاتے تھے سرمہ لگاتے وقت سلائی طاق (ایک ایک، تین تین یا دونوں آنکھوں میں تین یا پانچ) مرتبہ آنکھوں میں پھراتے۔

کام میں خواہ جوتا پہننے اتارنے کا ہو یا طہارت وغیرہ کا داہنی طرف سے شروع کرنے کو آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم آئینے میں اپنا چہرہ (بھی) دیکھتے تھے سفر میں تیل کی بوتل سرمہ دانی آئینہ کنگھی قینچی مسواک اور سوئی دھاگہ تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود رہتے ایک رات میں (عموماً) تین بار مسواک کرتے سونے سے قبل تہجد کی نماز کے لئے بیدار ہونے کے بعد اور نماز فجر کے لئے تشریف لے جاتے وقت۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگی بھی لگوائی ہے کبھی کبھار آپ صلی اللہ علیہ وسلم (لوگوں سے) مزاح بھی فرمالیتے مگر کبھی بھی سچ کے علاوہ کوئی لفظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا نہیں ہوا۔ (چنانچہ ایک مرتبہ کا ذکر ہے) ایک عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا اے اللہ کے رسول مجھے ایک اونٹ سواری کے لئے عطا کیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تو تجھے سواری کے لئے اونٹنی کا بچہ دونگا وہ کہنے لگی حضرت بچہ میرے کس کام کا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا میں تو تجھے اونٹنی کا بچہ ہی دونگا وہ پھر کہنے لگی حضرت میرے وہ کس کام کا ہے؟ لوگوں نے اسے سمجھایا کہ اونٹ اونٹنی ہی کا بچہ تو ہوتا ہے۔

(اسی طرح) ایک عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یارسول اللہ میرا خاوند بیمار ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے (اپنے پاس) تشریف لانے کی درخواست کرتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید تیرا خاوند وہی ہے جس کی آنکھوں میں سفیدی ہے؟ وہ (خاموشی سے) واپس آئی اور اپنے خاوند کے آنکھیں کھول کر دیکھنے لگی اس نے پوچھا تو کیا کر رہی ہے؟ کہنے لگی مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تیری آنکھوں میں سفیدی ہے اس نے (ہنس کر) کہا کونسا انسان ہے جس کی آنکھوں میں سفیدی نہیں ہے؟

(اسی طرح) ایک عورت حاضر خدمت ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اے اللہ کے رسول اللہ سے (میرے لئے) دعا فرمائے کہ وہ مجھے جنت میں داخل فرمائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس کا نام لے کر) فرمایا اے فلاں کی ماں کوئی بوڑھی جنت میں داخل نہیں ہوگی وہ عورت روتی ہوئی واپس چلی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے پاس بیٹھنے والوں سے) فرمایا کہ اس کو جا کے بتادو کہ جب

یہ جنت میں داخل ہوگی تو بوڑھی نہیں ہوگی (بلکہ بالکل نوعمر ہوگی) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی ''انا انشاناھن انشاء فجعلنا ھن ابکاراً عُربا اتراباً'' غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی بلند اخلاق اور محاسن افعال کا مجموعہ بنا کر مبعوث فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر عیب سے پاک ہو کر پیدا ہوئے گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا چاہتے ایسا ہی پیدا ہوئے۔

خلقت مبرأ من کل عیب

کانك قد خلقت کما تشاء

جتنے بھی انبیاء علیہم السلام گذرے ہیں سب کے اخلاق نہایت عمدہ تھے مگر بعض کو بعض پر خاص وجوہ کی بناء پر فضیلت حاصل تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سب کے اخلاق اپنانے اور اقتداء کا حکم ہوا فبھداھم اقتدہ ظاہر ہے کہ یہ حکم کسی فروعی مسائل میں نہیں ہے بلکہ اخلاق حسنہ میں ہے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ان تمام صفات جمیلہ کا مجموعہ ہے جو انبیاء علیہم السلام میں متفرق طور پر موجود تھیں اور یہی مطلب ہے اس حدیث کا بعثت لاتمم مکارم الاخلاق یعنی مجھے اس کام کے لئے بھیجا گیا ہے کہ میں اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کروں۔

مضت الدھور وما اتین بمثلہ

ولقد اتی فعجزن عن نظرائہ

''کتنے زمانے بیت گئے مگر اس جیسا نہ لا سکے اور جب وہ آ گیا تو اب اس جیسا لانے سے عاجز آ گئے۔''

فصل نمبر ۴

عمدہ اخلاق صرف زیور ہیں یا ضرورت بھی؟

انسان اگر چلنے پھرنے والے جانداروں میں سے ایک ہے مگر اپنی غیر معمولی صلاحیتوں اور بے شمار صفات کی بناء پر منفرد حیثیت کا حامل ہے اور مذکورہ خداداد خوبیوں کی وجہ سے دوسرے جانداروں سے ممتاز اور افضل ہے قدرت کی بہت سی نشانیاں اس میں مرکوز ہیں گویا یہ حکمت باری کا مظہر اتم ہے اسی وجہ

سے اس کو عالم صغیر کہتے ہیں اپنی شایان شان زندگی کی خاطر یہ مدنی الطبع ہے مزاج میں الفت اور شہریت ہے گھل ملکر رہنا طبعاً پسند کرتا ہے اور انفرادی زندگی سے سخت نفرت کرتا ہے کیونکہ اس کی ضروریات معاش بسیار ہیں زراعت' تجارت' صنعت' حرفت اور صحت وعبادت سے متعلقہ امور سے واقفیت اور ان پر عمل کرنے کے بغیر اس کا جینا مشکل ہو جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ انفرادی طور پر یہ سارے امور انجام دینا ممکن نہیں اس لئے ہر انسان چاہتا ہے کہ سب مل کر رہیں تا کہ ایک دوسرے کی صلاحیتوں سے مستفید ہو کر معاملات پر قابو پا سکیں یہی وجہ ہے کہ دنیا میں شہری آبادی کا تناسب دیہی آبادی کے مقابلہ میں بڑھ رہا ہے دیہات سے لوگ آ کر کسی مناسب مقام پر قیام اختیار کرتے ہیں جس سے شہر اور قصبے وجود میں آتے ہیں۔

اگر چہ شہری زندگی میں بھی کچھ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تاہم تنہائی کی مصیبتیں اس سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہیں۔

بخلاف دوسرے جانداروں کے کہ ان کی طبیعت میں انسان کی طرح انس ومحبت نہیں ہے بلکہ اکثر کے مزاج میں تو وحشت' منافرت اور تنہا پسندی ہے یہ نہ تو ایک دوسرے کو برداشت کرتے ہیں اور نہ ہی ان کو اجتماعی زندگی میں کوئی خاطر خواہ فائدہ ہے اس لئے ان کا مستقر صحراؤں اور جنگلوں میں نامعلوم مقامات ہوتے ہیں جہاں ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہتے ہیں جبکہ انسان کا مسکن آبادی اور معلوم مواضع ہوا کرتے ہیں مگر چونکہ اجتماعی زندگی بغیر اخلاقیات اور سیاسیات کے ممکن نہیں اس لئے حکمت خداوندی کا تقاضا ہے کہ انسان کے لئے ایسی صفات اور احکام مقرر کئے جائیں کہ جن کی بدولت مدنی اور شہری زندگی آسان اور باعث آرام بنے۔

بنابریں اللہ تعالیٰ نے ایک طرف انسان کا مزاج لائق تمدن بنایا اور دوسری طرف نبوت کا سلسلہ جاری فرمایا تا کہ لوگوں کو آداب معاشرت سے متعلق امور کی وقتاً فوقتاً تعلیم دی جا سکے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے مزاج اور علاقائی تمدن کے مطابق مختلف زمانوں میں مختلف احکام نازل فرمائے جو مجموعی طور پر اوامر اور نواہی پر مشتمل ہیں جو افعال اجتماعی زندگی میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں ان کے کرنے کا

حکم دیا اور جو معاشرہ کے لئے نقصان دہ ہوں ان سے منع فرمایا مثلاً اس کا حکم یہ ہے کہ ایک دوسرے کا احترام کرو پڑوسی کا خیال رکھو ایثار کا جذبہ دلایا امیر کے حکم ماننے کی تاکید فرمائی اور حکم عدولی پر سزا کی وعید فرمائی الغرض ہر شخص خود بھی اخلاقی اعتبار سے درست ہو جائے اور دوسرے کے آرام کا بھی سبب بنے کوئی خود بھی کسی کے ضرر کا باعث نہ بنے اور اپنے گھر والوں کو بھی اس کا پابند کرائے اور گھر سے باہر بھی سیاسی اور اجتماعی امور میں ایسا رویہ اختیار کرنے سے اجتناب کرے جس سے اجتماعی زندگی متاثر ہوتی ہو لہٰذا قتل وغارت' چوری ڈاکہ وزنا اور ظلم وغیرہ سے اس کو روک دیا گیا یہی وجہ ہے کہ انسان پر ایسے جانوروں کا گوشت کھانا حرام کر دیا جن میں ایسی صفات موجود ہیں جو مدنی زندگی کے منافی ہیں تاکہ ان کی مذموم صفات سرایت کر کے انسانی مزاج کا جزء نہ بنیں۔

اس طرح ان مذموم صفات کے اپنانے سے منع فرمایا جو یا کسی جانور میں موجود ہوں یا پھر انسان کے آبائی دشمن ابلیس لعین میں پائی جاتی ہوں مثلاً حرصِ مفرط' بخل وغیرہ کو حیوانی اوصاف ہونے کی بناء پر حرام کر دیا اور فضول تکبر اور حسد وغیرہ کو شیطانی خصلت ہونے کی بناء پر ناپسندیدہ قرار دیا گیا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اخلاق رذیلہ جانوروں اور شیطان کے اخلاق ہیں اگر کوئی انسان ان سے احتراز نہیں کرتا تو وہ یا انسان نما جانور بنے گا یا پھر شیطان سے مشابہ ہو جائے گا ان دونوں مشابہتوں کی طرف قرآن مجید میں اشارہ موجود ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

لهم قلوب لايفقهون بها ولهم أعين لايبصرون بها ولهم آذان لايسمعون بها أولئك كالأنعام بل هم أضل۔

''ان کے دل ہیں کہ ان سے سمجھتے نہیں اور آنکھیں ہیں کہ ان سے دیکھتے نہیں اور کان ہیں کہ ان سے سنتے نہیں وہ ایسے ہیں جیسے چوپائے بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں۔'' (بیان القرآن)

اس آیت میں پہلی مشابہت کی طرف اشارہ ہے کہ انسان اپنی صلاحیتوں سے لاپرواہی کی بناء پر چوپایوں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

خلق نیکو وصف انسانی بود
آدمی باخلق بد حیوان شود

جبکہ معوذتین میں دوسری مشابہت کی طرف اشارہ ہے۔

اس میں شک نہیں کہ مذکورہ دونوں قسم کی صفات انسان کو زیب نہیں دیتی ہیں کہ انسان کو اللہ نے زمین کا حاکم وناظم اور خلیفہ بنا کر بھیجا ہے لہٰذا اس کے اندر ایسی صفات ہونی چاہئے جو خلافت اور عبودیت دونوں میں کارآمد ہوں نہ ایسی خصلتیں جو حیوانیت اور شیطانیت کی غماز ہوں۔ لہٰذا انسان جب تک رذائل سے پاک ہو کر فضائل سے آراستہ نہ ہو تب تک وہ کامیابی کی راہ پر گامزن نہیں ہوسکتا ہے۔ جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قدأفلح من زكاها وقد خاب من دسّاها۔

''یقیناً وہ مراد کو پہنچا جس نے اس جان کو پاک کرلیا اور نامراد ہوا جس نے اس کو فجور میں دبایا۔''

اور سورۃ الانعام میں ارشاد فرمایا۔

اولئك الذين هدى الله فبهداهم اقتده ۔

''یہ انبیاء علیہم السلام وہ لوگ تھے جن کو ہدایت کی اللہ نے سو تو چل ان کے طریقہ پر۔''

مذکورہ بالا دونوں آیتوں سے یہ حقیقت منکشف ہوجاتی ہے کہ کامیابی دو چیزوں کے گرد گھومتی ہے ایک رذائل سے تخلی دوم فضائل سے تحلی۔

چنانچہ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ سچے خواب کے لئے چند اسباب ہیں حق تعالیٰ اور عالم ارواح کی طرف توجہ تام ہونا' سچ بولنے کی عادت' اخلاق ذمیمہ سے پاک ہونا اوصاف حمیدہ سے متصف ہونا' اغراض ذمیمہ سے اعراض کرنا' بدن کی صحت' اعتدال مزاج کا ہونا' طاعات وعبادات پر قائم ہونا' وضو پر مداومت کرنا اور ذکر کرتے ہوئے سونا کیونکہ ان امور کے التزام سے نفس عالم ارواح کی جانب منجذب ہوجاتا ہے اور عالم ارواح کے حالات کو تصور کرتا ہے اور یہ حالات اس کے خیال کی طرف آتے ہیں تو یہ ان کو مشاہدہ کرتا ہے اور حالت بیداری میں ان پر مطلع ہوتا ہے۔

(تحقیق الرؤیا ص:۳۰)

اس کا مطلب یہی بنتا ہے کہ آدمی اپنی سوچ اور طلب کو جتنا پاکیزہ اور اخلاق کو جتنا عمدہ بنانا چاہتا ہے' اتنا ہی حسب محنت وہ ثمرات حاصل کرلیتا ہے۔

فصل نمبر ۵

اچھے اخلاق کے لئے مزاج کا اعتدال ضروری ہے:۔

چند متضاد عناصر جب ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں تو ان میں سے ہر ایک دوسری ضد کی تیزی کو ختم یا کم کر دیتا ہے جس سے ایک دوسری کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اس کیفیت کا نام ہے مزاج' یہ ضابطہ جمادات' نباتات اور حیوانات سب میں موجود ہے۔ انسان کے جسم میں بھی مختلف عناصر ہیں جن کی تعداد چار سے کم نہیں ہے خون' بلغم' صفرا اور سودا۔ جب ان چاروں میں سے ایک مغلوب ہو جاتا ہے تو انسان کی طبعیت خراب ہو کر روحانی و جسمانی بیماری کا شکار ہو جاتی ہے اس طرح انسان کے اندر ان اجزاء کی باہم اختلاط سے کئی قوتیں وجود میں آتی ہیں جیسے قوت عاقلہ' قوت شہوانیہ' اور قوت غضبیہ اگر یہ قوتیں افراط اور تفریط کا شکار ہو جائیں تو انسان پر رذائل کا غلبہ ہو جاتا ہے اور اگر ان کو اعتدال پر لایا جائے تو یہ فضائل کو جنم دیتی ہیں۔

مثلاً قوت عاقلہ کے افراط سے ذکاوت بن جاتی ہے جو بغیر دلیل شرعی کے اکثر غوایت اور سرکشی کا سبب بنتی ہے اور اس میں تفریط سے بلادت اور غباوت بنتی ہے جس میں کوئی فائدہ نہیں ہے اور دونوں کے درمیانی حالت حکمت کہلاتی ہے یعنی عقل شرع کے ساتھ مقید کرنا ہی اعتدال ہے۔ قوت شہوانی میں افراط سے فجور' حرص اور بہیمیت وغیرہ رونما ہو جاتی ہیں اور تفریط سے خمول نامردی بنتی ہے جس سے عقل میں فتور اور نقصان آ جاتا ہے اور دونوں کے درمیان عفت اور ضبط ہے اسی طرح قوت غضبیہ کے افراط سے تہور (بہادری کا بے جا استعمال) اور تفریط سے جبن و بزدلی پیدا ہوتی ہے اور درمیانی کیفیت کو شجاعت کہتے ہیں۔

تو گویا مذکورہ بالا قوتوں سے کئی دوسری قوتیں وجود میں آئی جو کہ حکمت عفت اور شجاعت کے ناموں سے مشہور ہیں پھر ان کے باہم اختلاط سے ایک اور صفت پیدا ہوتی ہے جس کو عدل کہتے ہیں جس کے حصول پر شریعت مطہرہ نے بھی بہت زور دیا ہے اور حکماء اور فلاسفہ نے بھی اس کی وصیت کی ہے حکیم

سقراط جو فیساغورس کے واسطے سے سلیمان علیہ السلام کے شاگرد ہیں اور افلاطون کے استاد ہیں اور علم اخلاق کے مؤسس کہلاتے ہیں ان کا اعتقاد تھا کہ نفس میں مختلف قوتیں ہیں اور فضیلت ان قوتوں میں باہم تناسب پیدا ہونے اور ان کا احکام عقل سے متاثر ہونے سے عالم وجود میں آتی ہے جبکہ اصول فضائل چار ہیں۔حکمت (دانائی) شجاعت (بہادری) عفت (ضبط نفس) اور عدل (انصاف یعنی اعتدال ومیانہ روی)۔

ارسطو افلاطون کے شاگرد ہیں جن کا زمانہ (۳۸۴ق م ۳۲۲م) ہے انہوں نے ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالی اور اس کے پیروکاروں کو مشائین کہا جاتا ہے جبکہ افلاطون اور ان سے پہلے کے حکماء اور فلاسفہ کو اشراقین کہتے ہیں۔

ان کا علم اخلاق میں ایک خاص نظریہ رہا ہے جس کو نظریہ اوساط کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک فضیلت دو رذیلتوں کے درمیان ہوتی ہے مثلاً کرم (سخاوت)' اسراف (فضول خرچی) اور بخل (کنجوسی) کے درمیان ایک فضیلت ہے اور شجاعت' تہور اور جبن کے درمیان ایک فضیلت ہے۔ (اخلاق اور فلسفہ اخلاق)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل سے اندازہ کر کے قدیم اور جدید اطباء کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج شریف نہایت معتدل تھا کیونکہ مزاج کا اثر ظاہر جسم پر نمودار ہوتا ہے مثلاً اگر کسی مرد کے بدن پر بہت زیادہ بال ہیں تو یہ اس بات کے غماز ہیں کہ اس پر شہوت اور بہیمیت غالب ہے جبکہ اس کے برعکس یعنی بالوں کا بالکل نہ ہونا قوت شہوانی کی کمی کا قرینہ ہے۔حتی کہ شیخ ابوعلی سینا نے تو اس پر مفصل بحث کی ہے اور انسان کے ہر ظاہری عضو اور کیفیت کا باطن سے گہرا تعلق ثابت کیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ عقل ونقل اس بات پر متفق ہیں کہ انسان کے اندر متضاد صفات موجود ہیں جن کے افراط وتفریط سے رذیلت اور اعتدال سے فضیلت حاصل ہوتی ہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ ان قوتوں کو یکسر ختم کرنا مقصود نہیں ہے کیونکہ ہر قوت فضیلت کی بنیاد ہے تو جب بنیاد نہیں رہے گی تعمیر کیسے قائم رہ سکتی ہے؟ مثلاً اگر کوئی شخص قوت غضبیہ کو بالکل ختم کر دے تو وہ جہاد کیسے کر سکے گا؟ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیم

السلام نے شادیاں کیں اور جنگیں لڑی ہیں ورنہ اگر قوت شہوانیہ اور غضبیہ کمال کے منافی ہوتیں تو پھران حضرات میں کیسے رہیں؟ لہٰذا کمال تو یہ ہے کہ یہ ساری قوتیں موجود ہوں مگران کو افراط وتفریط سے بچایا جائے جس کے چند مجرب طریقے مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) ایک طریقہ تو یہ ہے کہ جس شخص میں مذموم صفت نظر آئے اور اس کی وجہ سے وہ شخص سلیم العقل لوگوں کی نظروں میں برا لگے تو اس قباحت سے اجتناب کیا جائے۔

(۲) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ صحبت صالح اختیار کی جائے جس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

(۳) تیسرا طریقہ ریاضت کا ہے کہ خلوت نشینی کے لئے ایک وقت مقرر کیا جائے تاکہ اس میں تمام مشاغل سے فارغ ہوکر اپنا محاسبہ کر سکے اور عبودیت اور معبودیت کے درمیان موجود ربط پر غور کر سکے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا بعثت سے پہلے اسی طریقہ پر عمل رہا کہ مکہ مکرمہ سے دور جا کر غار حرا میں اس مقصد کے لئے ہفتوں قیام فرماتے تھے۔

(۴) چوتھا طریقہ یہ ہے کہ علم اخلاق کی کتابیں پڑھتا رہے تاکہ رذائل اور فضائل دونوں معلوم ہو جائیں اس لئے کہ کسی چیز سے بچنا اور رذالت سے اجتناب کرنا اور فضیلت کا حصول تب ہی ممکن ہے جب وہ معلوم ہو۔

علاوہ ازیں اور بھی طریقے ہیں مگر مذکورہ بالا ذرائع زیادہ مفید اور مجرب ہیں بہرحال کوئی ایسا طریقہ بروئے کار لانا جس سے فضائل اور رذائل کا علم حاصل ہو فرض عین ہے علامہ شامی علم اخلاق کی تعریف کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

لماعلمت من ان علم الاخلاص والعجب والحسد والرياء فرض عين ۔

”کہ تمہیں معلوم ہوا ہے کہ اخلاص عجب حسد اور ریاء کا علم فرض عین ہے۔“

اور اسکے بعد رقمطراز ہیں۔ ”**ومثلها غيرها من آفات النفوس**“ اسی طرح فرض عین ہیں نفس کی دیگر صفات کا علم بھی جو یہ ہیں۔

كالكبر والشح والحقد والغش والغضب والعداوت والبغضاء والطمع

والبخل والبطر والخیلاء والخیانة والمداهنة والاستکبار عن الحق والمکر والمخادعة والقسوة وطول الامل ونحوها۔ (شامی ص:۴۳ ج:۱)

باب دوم

رذائل کے بیان میں

فصل نمبر ا

دنیا کی محبت کیسی؟

محبت قوت شہوانی کا وہ اثر ہے جو پیدائش کے وقت سے موت تک انسان کے ساتھ جزلاینفک کی طرح لازم رہتا ہے اور اس میں حکمت وفائدہ یہ ہے کہ انسان اس کے ذریعے نفع بخش اشیاء کی طرف راغب ہوکر انہیں حاصل کرتا ہے۔

بچے کو دنیا میں آنکھ کھولتے ہی غذا سے محبت ہوجاتی ہے مگر چونکہ حواس ظاہرہ جو حواس باطنہ کے آلہ کار اور ذرائع معرفت ہیں ابھی بالکل ابتدائی مراحل میں ہوتے ہیں نظر کمزور ہوتی ہے سننے کی قوت بہت معمولی ہوتی ہے اس لئے قوت شہوانی دیگر دنیوی لذتوں سے غافل وجاہل رہتی ہے اس لئے اس پر مرتب اثر محبت بھی غذا تک محدود رہتی ہے کہ اس کے خیال میں دنیا صرف یہی ہے مگر رفتہ رفتہ جب نظر ودیگر حواس میں حدت آتی ہے اور ان کی صلاحیتوں میں اضافہ ہوتا ہے تو اس قوت میں ہیجان شروع ہونے لگتا ہے اس طرح محبت کا دائرہ وسعت اختیار کرتا ہے تو غذا کے بعد اپنی والدہ سے پھر والد وغیرہ سے محبت کرنے لگتا ہے یہاں تک کہ جب عین شباب کا زمانہ آتا ہے اور جسم کے اندر موجد خلقی حرارت ورطوبت اپنے عروج پر پہنچ جاتی ہے تو یہ قوت سرکشی وطغیانی اختیار کرنے کی کوشش کرنے لگتی ہے اور عقل جس کو اللہ نے تمام قویٰ کی سلطنت دی ہے اس قوت کو اعتدال میں رکھنے کی جدوجہد کرتی ہے اس طرح دونوں کے درمیان ایک معرکہ کا آغاز

ہو جاتا ہے۔

ایسی صورت میں ہر ایک کا غلبہ اکثر خارجی قوت اور دباؤ پر موقوف ہوتا ہے بیرونی حالات جس کے حق میں رائے دیں تو وہ غالب اور دوسری قوت مغلوب ہو جاتی ہے۔

لہٰذا اگر اس کو ایسا ماحول ملے جہاں عقل کی بالادستی ہو عقلاء زیادہ ہوں تو بمقتضائے عقل قوت شہوانی مجازی محبتوں کے بجائے حقیقی محبت کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور ہر اس عشق سے انکار کرتی ہے جس میں وفا اور دوام نہ ہو مگر عقل کا دائرہ چونکہ محدود ہے اس لئے کبھی صحیح منزل پر پہنچنے میں ناکام رہ جاتی ہے بناء بریں اس کو ایک رہنما شریعت سماوی کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ اس کو غوایت وضلالت سے بچایا جا سکے۔

اور اگر اس کے برعکس ماحول ومعاشرہ ایسا ہو جہاں مادی اشیاء کا بول بالا ہو یا بقول حکماء وفلاسفہ کے عقل اگر چہ سلطان الحواس ہے یعنی اس کو حواس کی سلطنت تو حاصل ہے مگر چونکہ وہم اس کا وزیر اور مشیر اور شیطان جو کہ وہم سے بھی زیادہ شریر ہے وہ بھی کوئی موقعہ ضائع نہیں ہونے دیتا ہے اس لئے یہ دونوں عقل کو غلط سمت پر چلنے کا مشورہ دیتے ہیں تو عقل بے راہ ہو کر وہم اور شیطان کی گمراہیوں پر خود چلنے لگتی ہے جس کے نتیجے میں یہ قوت اعتدال سے خارج ہو کر تباہی کی طرف چلنے لگتی ہے یہ ضابطہ ہر قوت میں ہے البتہ جس کی عقل کامل ہو وہ مذکورہ بالا تینوں اسباب سے متاثر نہیں ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے کبھی غلط ماحول کو قبول نہیں کیا اور نہ ہی کبھی توہم پرستی کے شکار ہوئے گویا مذکورہ ضابطہ صرف ان لوگوں کے لئے ہے جن کی عقلیں یا تو کمزور ہوں یا پھر غافل ہوں۔

پھر ابلیس انسان کے مزاج کو بھی دیکھتا ہے کہ جس سے جس معصیت کی زیادہ توقع ہو تو یہ اسی کے متعلق دل میں وسوسہ ڈالتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ شیطان نے لوگوں کے لئے مختلف گناہ رچائے ہیں جس کے نتیجے میں دنیا میں لوگوں کے ادیان واطوار مختلف ہو گئے۔ "کل حزب بمالدیھم فرحون" ہر ایک اپنے اپنے دین اور گناہ پر خوش ہے"۔ حتی کہ ان کی عقلیں ایسی فاسد ہو گئیں کہ اصلاح کے بجائے خود فساد کرنے پر آمادہ ہو گئیں یہاں تک کہ ان کو دوسرے عقلاء کی صحیح بات بھی مضحکہ خیز اور ناگوار لگتی ہے۔

ذیل میں چند ایسی مثالیں تحریر کی جاتی ہیں کہ جن میں غور کرنے سے یہ بات روز روشن کی طرح

عیاں ہو جاتی ہے کہ جب بھی لوگوں نے خواہش کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے اور عقل کے بجائے وہم اور شیطان کے پیچھے چلے ہیں تو ان کی یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہوئی اس لئے کہ خواہش کی مثال آگ کی طرح ہے کہ اس میں جتنی زیادہ لکڑیاں ڈالی جائیں تو وہ اور مشتعل ہو جاتی ہے۔

چنانچہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب تلبیس ابلیس میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہر امتحان جس سے ابلیس نے لوگوں پر شبہ ڈالا تو اس کا سبب یہ ہوا کہ خواہش جو اس کی طرف جھکے تو اس طرف چل دیا اور عقل جس امر کو مقتضی ہے اس سے منہ پھیر لیا۔

اور حواس کا میلان اپنے مثل کی طرف ہوا کرتا ہے لہٰذا ابلیس نے بکثرت مخلوق کو صورتوں کی پوجا کرنے کی طرف بلایا اور ان لوگوں میں عقل کا عمل ایک بارگی مٹا دیا۔

مثلاً جب آدم نے انتقال کیا تو شیثؑ بن آدم کی اولاد نے ان کی لاش اس پہاڑ کے غار میں رکھی جس پر جنت سے اتارے گئے تھے وہ پہاڑ سرزمین ہندوستان میں ہے اور اس کا نام نوذ ہے اور وہ روئے زمین کے پہاڑوں سے زیادہ سرسبز ہے اور شیث کی اولاد اس پہاڑ کے غار میں آدم کی لاش کے پاس جایا کرتی پس اس کی تعظیم کرتی اور اس پر ترحم کرتی تھی یہ دیکھ کر قابیل کی اولاد میں سے ایک نے کہا کہ اے بنی قابیل یہ دیکھو کی بنی شیث کے پاس ایک چیز ایسی ہے جس کے گرد گھومتے ہیں اور اس کی تعظیم کرتے ہیں اور تمہارے پاس کچھ نہیں ہے پھر ان کے لئے ایک مورت گھڑی ود' سواع' یغوث' یعوق' اور نسر اور یہی پہلا شخص ہے جس نے مورت بنائی۔

ہشام کی روایت ہے کہ ود' سواع' یغوث' یعوق اور نسر یہ سب بندگان صالح تھے ایک ہی مہینے میں سب نے انتقال کیا تو ان کی برادری والوں کو ان کی وفات سے بڑا صدمہ ہوا پس بنی قابیل میں سے ایک نے کہا کہ اے قوم کیا تم چاہتے ہو کہ میں ان کی صورتوں کی پانچ مورتیں تم کو گھڑ دوں تو وہ گویا تمہارے سامنے ہونگے سوائے اتنی بات کے کہ مجھے قدرت نہیں کہ ان کی روحیں ان میں پہناؤں۔ انہوں نے کہا ہاں ہم چاہتے ہیں پس اس نے ان کے لئے پانچ بت بنا دیئے جو ان کی صورتوں کے موافق تھے اور وہاں نصب کر دیئے۔

چنانچہ آدمی اپنے بھائی و چچا وغیرہ کے مورت کے پاس آتا اور اس کی تعظیم کرتا' اس کے گرد پھرتا' اس کی ابتداء بزمانہ ہردی بن مسلائیل بن قنان بن انوش بن شیث بن آدم سے ہوئی تھی۔

پھر یہ پہلی قرن گذر گئی اور دوسری قرن آئی تو اول قرن سے بڑھ کر انہوں نے ان مورتوں کی تعظیم وتکریم کی۔ پھر ان کے بعد تیسری قرن آئی تو کہنے لگے کہ ہم سے اگلے لوگ جو ہمارے بزرگ تھے بے فائدہ ان کی تعظیم نہیں کرتے تھے بلکہ اس لئے تعظیم کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی شفاعت (سفارش) کے امیدوار تھے پس یہ لوگ ان مورتوں کو پوجنے لگے اور ان کی شان بزرگ قرار دی اور کفر شدید ہوا۔

پھر اللہ نے ادریس علیہ السلام اور ان کے بعد نوح علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا تا کہ لوگوں کو توحید کی طرف بلائیں مگر انہوں نے ان دونوں حضرات کو جھٹلا دیا۔ تو بقضائے الٰہی طوفان نے آکر منکرین کو غرق کر دیا اور پانی ان بتوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ اور ایک زمین سے دوسری زمین تک اچھالتا رہا۔ یہاں تک کہ پانی کے تھپڑوں نے ان کو جدہ میں لاکر ڈالا جب پانی خشک ہوا تو یہ مورتیں کنارۂ ساحل پر پڑی رہیں اور ہوا کے جھونکوں سے ریگ بیابان اڑ کر اس قدر ان پر پڑی کہ یہ ریت کے نیچے دب گئیں۔

پھر ایک زمانہ میں ابوا ثامہ عمرو بن لحی نے جو ایک کاہن تھا اپنے مؤکل جن کے کہنے پر ان مورتوں کو نکال دیا اور مکے لاکر حج کے موقع پر لوگوں میں تقسیم کر دیا اس طرح بت پرستی پھر عام ہوگئی۔

طوفان نوح کے بعد نئی نسل کے آنے پر ادھر ہندوستان میں ایک دوسرے نظریئے کا آغاز ہوگیا ہندوؤں اور برہمنوں کی ایک قوم نے دعوی کیا کہ ان کے پاس ایک فرشتہ رسول بن کر آیا جو آدمی کی صورت میں تھا لیکن اس کے پاس کوئی کتاب نہیں تھی اور چار ہاتھ اور دس سر تھے ان میں سے ایک سر آدمی کے سر کی طرح تھا اور باقی شیر' گھوڑے ہاتھی سور وغیرہ حیوانات کے سروں کی طرح تھے اس نے ان کو حکم دیا کہ آگ کی تعظیم کریں اور قتل وظلم سے منع کیا سوائے اس کے کہ آگ کی تعظیم کے لئے جانور ماریں اور ان کو جھوٹ وشراب خوری سے منع کیا اور زنا ان پر مباح کر دیا اور اوران کو یہ حکم دیا کہ گائے کی پوجا کریں

جبکہ بعض برہمنوں کا زعم یہ ہے کہ اپنی جان جلا کر خدا کے یہاں تقرب حاصل کیا جا سکتا ہے۔

چنانچہ جب کوئی آمادہ ہوتا ہے تو اس کے لئے ایک گڑھا کھودا جاتا ہے جس میں آگ بھری جاتی ہے اور لوگ بکثرت جمع ہو جاتے ہیں اس کو خلوق سے خوشبودار کر کے ڈھول نقارہ وجھانجھ بجاتے ہوئے لاتے ہیں کہ اس جیو (جان) کو مبارک ہو کہ اب جنت کے اونچے درجہ پر چڑھ جائے گا بعض کے لئے ایک پتھر گرم کیا جاتا ہے اور اسکے پیٹ پر برابر لگایا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کا پیٹ پھٹ جاتا ہے کوئی اس قدر آگ سے نزدیک کھڑا ہوتا ہے کہ اس کی چربی گھل کر بہتی ہے تب گر کر جل جاتا ہے بعض ان میں سے بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر جان دیتے ہیں ان میں سے کوئی زمین میں آوارہ ہو کر مخبوط پھرتا ہے یہاں تک کہ مر جاتا ہے کوئی اپنے آپ کو دریا میں غرق کر کے مر جاتا ہے اس قسم کی بے ہودہ ہذیان کی باتیں بہت ہیں کہاں تک اس کے بیان سے وقت ضائع کیا جائے۔

جاحظ نے بیان کیا ہے کہ زرادشت جس کو مجوسی اپنا پیغمبر مانتے ہیں (اور حقیقت الحال اللہ ہی بہتر جانتا ہے) وہ بلخ سے آیا (یہ دریائے آمو کے کنارے اور مزار شریف کے قریب واقع ہے) اور نبوت کا مدعی بن گیا پس جن لوگوں نے اس کو مانا ان کے لئے اس نے ایسی قبیح امور سے شرع مقدر کی جیسے اقسام پیشاب سے وضو کرنا اور ماؤں بیٹیوں سے وطی کرنا اور آگ کی پوجا کرنا اور آفتاب کی طرف نماز پڑھنا اور اپنا منہ گائے کے پیشاب سے بطور تبرک دھونا اور یہ کہ ماں کی شہوت بجھانے کی کوشش کرنے کا حق بیٹے کو زیادہ ہے اور جب شوہر مر جائے تو بیٹا اس عورت کا زیادہ مستحق ہے اور اگر بیٹا نہ ہو تو میت کے مال سے کوئی مرد کرایہ پر کر لیا جاتا تھا مرد کے واسطے جائز رکھتے کہ وہ سو یا ہزار عورتوں سے نکاح کرے۔

جب حائضہ عورت غسل کرنا چاہتی تھی تو آتش خانہ کے داروغہ کو ایک اشرفی دیتی ہے وہ اس کو آتش خانہ میں لے جاتا ہے اور جانور کی طرح چار پاؤں پر کھڑا کر کے اپنی انگلی سے اس کے اندام شرم میں آمد و رفت کرتا ہے یہ آخری قاعدہ قباد بادشاہ کے وقت میں مزدک نے رائج کیا تھا اور عورتوں کو ہر مرد کے واسطے مباح کر دیا تھا کہ جو مرد جس عورت کو چاہے وطی کرے قباد کی عورتوں سے خود وطی کی تا کہ باقی

سب لوگ اس فعل میں اس کی اقتداء کریں۔

چنانچہ عورتوں کے ساتھ یہی طریقہ عمل میں آنے لگا یہاں تک کہ نوشیروان کی ماں کا نمبر آیا تو اس نے شاہ قباد سے کہا کہ نوشیروان کی ماں کو میرے پاس بھیج دے اگر تو انکار کرے گا اور میری شہوت پوری نہیں ہونے دے گا تو تیرا ایمان درست نہیں ہوگا قباد نے قصد کیا کہ اس کو بھیج دے جب یہ خبر نوشیروان کو پہنچی تو اس نے مزدک کے سامنے رونا شروع کر دیا اور باپ کے سامنے مزدک کے دونوں ہاتھ پاؤں چومتا رہا اور درخواست کی کہ میری ماں کو مجھے بخش دے تو قباد نے مزدک سے کہا کیا آپ کا یہ قول نہیں ہے کہ مؤمن کو اس کی شہوت سے روکنا نہ چاہیے۔ کہا ہاں ہے۔ تو قباد نے کہا پھر آپ کیوں نوشیروان کو اس کی شہوت سے روکتے ہیں مزدک نے کہا کہ اچھا میں نے اس کی ماں اس کو ہبہ کر دی پھر مزدک نے لوگوں کو مردار کھانے کی اجازت دیدی جب قباد کے مرنے کے بعد نوشیروان بادشاہ ہوا تو اس نے مزدیکوں کو یک قلم قتل کر کے نیست کر دیا۔ (از تلبیس ابلیس مع اختصار)

مذکورہ بالا امثال کو بطور مشت نمونہ خروار اس مقصد کی وضاحت کے لئے کافی سمجھنا چاہئے کہ جب انسان عقل کو بالائے طاق رکھ کر شہوات کے گہرے سمندر میں تو ہم کی کشتی پر سوار ہو جائے اور شیطان کو ملاح بنا کر حواس کا بادبان چڑھائے پھر کبھی ساحل پر نہیں آ سکتا ہے بلکہ اس کی طلاطم خیز موجوں میں زیروزبر ہو کر نیست ہو جاتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب تک قوت شہوانی عقل کے قبضہ میں ہو تو یہ سراسر خیر اور فائدہ کا باعث بنتی ہے مگر جب عقل کے دائرہ سے خارج ہو جائے تو پھر اس سے شر و فساد کے علاوہ کسی نفع کی توقع فضول ہے۔

حاصل خلاصہ یہ ہے کہ قوت شہوانی کا حد اعتدال سے بڑھنے اور گھٹنے سے حرص، لالچ، خوشامد، چاپلوسی، امراء کے سامنے تذلل (ذلیل ہونا) اور فقراء کو بنظر حقارت دیکھنا، بے حیائی، فضول خرچی، ریا، تنگ دلی، نامردگی اور حسد وغیرہ خصائل بد پیدا ہوتے ہیں۔ (تبلیغ دین ص: ۲۰۷)

فصل نمبر۲

دنیا کی حقیقت اور اس کی محبت کا انجام:۔

جاننا چاہئے کہ وہ حال جو موت کے بعد شروع ہوتا ہے اس کو برزخ اور آخرت کہتے ہیں جبکہ موت سے پہلے کے حال کو دنیا کہا جاتا ہے جس کی کل تین حیثیتیں ہیں۔

نمبر۱۔ وہ جس کا تعلق آخرت سے ہو اور موت کے بعد انسان کے لئے فرحت اور نجات کا ذریعہ بنے جیسے شرعی مسائل کا علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا۔

نمبر۲۔ جو بقاء نفس و نسل اور ضرر سے بچنے کے لئے ہو مثلاً گھر بنانا' لباس پہننا' زراعت' صنعت وحرفت اختیار کرنا' نکاح اور علاج کرنا وغیرہ جن کا تعلق صرف زندگی سے ہے مذکورہ بالا دونوں قسمیں ہرگز مذموم نہیں ہیں بلکہ قسم اول تو بہر حال مطلوب ہے جبکہ دوم اگر عبادت پر قدرت کی غرض سے ہو تو مرغوب ہے ورنہ تو مباح ہے۔

تیسری قسم وہ ہے جس کا مقصد شہوات اور لذات میں انہماک ہو نہ اس کا آخرت سے کوئی رابطہ ہو اور نہ اصل زندگی اس پر موقوف ہو بلکہ چند روزہ زندگی کو پر تعیش بنانے کے لئے ہوتا کہ سارے حواس اس سے لطف اندوز ہوں جیسے زیادہ مال کی خواہش تا کہ اس سے آسائش اور تعیش کے اسباب حاصل کئے جائیں یہ آخری قسم دنیا کی مذموم ہے اور انسان کی ہلاکت میں غیر معمولی کردار ادا کر رہی ہے کیونکہ جب انسان کے پاس زیادہ مال ہو تو اس کے لئے گناہوں کے تمام دروازے کھل جاتے ہیں وہ جس سے چاہے آسانی سے اس میں داخل ہو سکے گا اور اس طرح انسان گناہوں کی اس پر خار وادی میں پہنچ جاتا ہے جہاں زنا' شراب نوشی' صورت پرستی' تکبر' غرور اور احکام الٰہی سے کنارہ کشی جیسے کبائر سے دامن بچانا مشکل ہو جاتا ہے یہی مضمون کئی مختلف احادیث میں منقول ہے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا حب الدنیا راس کل خطیئۃ دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ (بیہقی)

اس کے برعکس اگر کسی کے پاس دولت نہ ہو تو وہ بہت سارے گناہوں سے اس لئے محفوظ رہتا

ہے کہ وہ شدت اشتہا کے باوجود اس کی استطاعت نہیں رکھتا ہے دنیا کی محبت اس لئے بھی مذموم ہے کہ یہ جب دل میں اترتی ہے تو آخرت کی محبت کے لئے جگہ نہیں چھوڑتی ہے کہ دونوں کی مثال دوسوکنوں کی طرح ہے یہ کسی صورت میں ایک دوسرے کو برداشت کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

من احب دنیاہ اضر بآخرتہ ومن احب آخرتہ اضر بدنیاہ فاثروا مایبقی علی مایفنی۔ (احمد وترمذی)

''جس نے دنیا سے محبت کی اس نے آپنی آخرت کو ضرر پہنچایا اور جس نے اپنی آخرت سے محبت کی اس نے اپنی دنیا کو ضرر پہنچایا پس ترجیح دو فانی پر جاودانی کو''۔

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ دنیا و آخرت دونوں کی محبت دل میں بسانا ممکن نہیں دوسری بات یہ کہ آخرت کو ترجیح دینا عقلمندی ہے کہ دنیا تو چندروزہ ہے ایک خواب ہے اس پر ناز بے وقوفی ہے۔

دنیا خوابست وزندگانی دروے
خوابیست کہ در خواب بہ بینی آنرا
مال دنیا دامِ مُرغانِ ضعیف
ملک عقبیٰ دام مرغان شریف

دنیا کی مثال ایسی ہے کہ ایک بدصورت بڑھیا اپنے اوپر ایک عمدہ اور نہایت نفیس پوشاک وزیور پہن لے اور منہ پر برقعہ ڈالے اور اعلیٰ قسم کی خوشبو لگا کر ناز وکرشمہ کے ساتھ پرتکلف انداز سے مرد کے آگے چل رہی ہو ایک نوجوان حسینہ متصور کر کے اس کا دل تمناؤں اور امیدوں کا محور بن جاتا ہے اس کے پیچھے چلتے چلتے جب ایک خطرناک موڑ پر وہ منہ پر سے گھونگھٹ اٹھا کر اپنا اصلی چہرہ اس کو دکھادے تو یہ نہایت افسردگی کی حالت میں دونوں ہاتھوں کو ملنا شروع کرتا ہے مگر اس جگہ سے اس کے لئے واپس آنا ممکن نہیں رہتا بلکہ ہلاکت کی وادی میں ہی بے یارومددگار تباہی کا شکار ہو جاتا ہے۔

روایت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے سامنے دنیا ایک پوپلی بڑھیا کی صورت میں آئی ہر ایک طرح

کی زینت سے آراستہ وپیراستہ تھی آپ نے پوچھا کہ تو نے کتنے شوہر کئے اس نے جواب دیا کہ مجھ کو شمار نہیں معلوم آپ نے فرمایا وہ سب تم کو چھوڑ کر مر گئے یا تجھ کو طلاق دیدی اس نے عرض کہا میں نے ان کو ذبح کر ڈالا ہے آپ نے فرمایا پھر تیرے باقی شوہروں کی خرابی ہے کہ پہلوں کا حال دیکھ کر عبرت نہیں کر لیتے تو ایک ایک کو مارتی جاتی ہے اور وہ تجھ سے نہیں ڈرتے۔

مجو درستی عہد از جہاں ست نہاد
کہ ایں عجوز عروس ہزار داماد است

کتنی مکار وفریب کار ہے کہ اپنے آشناؤں سے ناز ونزاکت سے پیش آ کر ان کو خوب باور کراتی ہے مگر جب شادی ہو جاتی ہے تو انہیں خواب غفلت کی حالت میں ذبح کر کے کسی اور کے پاس چلی جاتی ہے یہ قبرستان اکثر ان جیسے لوگوں سے لبریز ہیں جنہوں نے دنیا پر اعتماد کیا تھا آج وہ ہمارے قدموں کے نیچے ٹنوں مٹی تلے سے دبے ہوئے الفاظ میں ہمیں ہوشیار رہنے کی آواز دے رہے ہیں کہ خبردار دنیا بے وفا ہے اس کی دوستی اور وعدے جھوٹ پر مبنی ہیں ہم سب خالی ہاتھ آ کر اس عظیم دھوکہ کا تلخ تجربہ کر چکے ہیں لہٰذا تم اپنی آخرت سنوارنے کی کوشش کرو اور دنیا کی فریب کاری میں مت آؤ مگر دنیا کی محبت اور لذتوں میں مست ہمارے دل سوچنے اور کان سننے سے غافل ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

الھاکم التکاثر حتی زرتم المقابر۔ (الآیۃ)

''غفلت میں رکھا تم کو بہتایت کی حرص نے یہاں تک کہ جا دیکھیں قبریں (یعنی مر گئے)۔''

مطلب یہ ہے کہ دنیاوی سامان پر فخر کرنے سے تم آخرت سے غافل رہتے ہو جب موت آئے گی اور قبرستان پہنچ جاؤ گے تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ دنیاوی سامان قابل فخر نہیں اور آخرت قابل غفلت نہیں۔حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لو کان لابن آدم وادیا من ذھب لاحب ان یکون لہ وادیان ولن یملأ فاہ الاالتراب ویتوب اللّٰہ علی من تاب۔ (بخاری ص:۹۵۳ ج:۲)

''اگر آدم زاد کے لئے ایک وادی سونے سے بھری ہوئی موجود ہو تو وہ چاہے گا کہ ایسی دو وادیاں ہو جاویں اور اس کے منہ کو تو قبر کی مٹی کے سوا کوئی چیز بھر نہیں سکتی اور اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرتا ہے

اس شخص کی جو اس کی طرف رجوع کرے۔''

حقیقت بھی یہی ہے کہ قبر جو سفر آخرت کی پہلی منزل ہے اس میں بھی ہمارا مال ومتاع کام نہ آئے بلکہ خسارے کا موجب بنے تو ایسی چیز پر فخر کرنا اور اس کے لِئے اپنی زندگی وقف کرنا کونسی دانشمندی ہے۔

گذرِ ناگاہ جب ہوا میرا شہر خموشاں میں
عجب نقشہ نظر آیا وہاں شاہان عالم کا
کہیں آئینہ زانوئے سکندر کا شکستہ تھا
کہیں ٹوٹا پڑا تھا کاسۂ سر خاک میں جم کا

حکایت:۔

روایت ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام کا گذر ایک گاؤں پر ہوا جس کے رہنے والے صحن اور راستوں میں مرے پڑے تھے آپ نے حواریین (ساتھیوں) سے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ غضب الٰہی سے ہلاک ہوئے ہیں ورنہ ایک دوسرے کو دفن کرتے انہوں نے عرض کیا کہ کسی طرح ان کا حال ہمیں معلوم ہو جاتا تو خوب ہوتا آپ علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کیا ارشاد ہوا کہ رات کے وقت ان کو پکارنا تو جواب دیں گے جب رات ہوگئی تو آپ نے ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر پکارا اے گاؤں والو! وہاں سے کسی نے جواب دیا کہ کیا ارشاد ہے اے روح اللہ! آپ نے فرمایا تمہارا کیا حال ہے اس نے جواب دیا کہ شام کو اچھی طرح سوئے تھے صبح کو دوخ میں جا پڑے آپ نے پوچھا کہ اسکا کیا سبب تھا اس نے عرض کیا کہ ہم لوگوں کو محبت دنیا تھی اور گناہگاروں کی فرمانبرداری کیا کرتے تھے آپ نے فرمایا کہ دنیا کو کتنا چاہتے تھے اس نے عرض کیا کہ جتنا بچہ اپنی ماں کو چاہتا ہے کہ جب سامنے آئی تو خوش ہوا اور جب چلی گئی تو رنجیدہ ہو کر رونے لگا آپ نے پوچھا کہ تیرے ساتھی جواب کیوں نہیں دیتے عرض کیا اس لئے کہ ان کے منہ میں آگ کی لگام ہے اور ان کی باگیں فرشتے کڑے تیز مزاج لئے ہوئے ہیں۔ آپ نے پوچھا ان میں سے تو کس طرح بولتا ہے اس نے عرض کیا میں ان میں تو نہ تھا لیکن چونکہ ان کے ساتھ رہتا تھا

عذاب نے مجھ کو بھی نہ چھوڑا میں دوزخ کے کنارے پر لٹکا ہوا ہوں یہ نہیں جانتا کہ گرنے سے بچوں گا یا اس میں دھکیلا جاؤں گا۔(احیاء العلوم ص:۱۰۲ ج:۳)

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر خداوند کریم نے وحی بھیجی کہ اے موسیٰ دنیا کی محبت کی طرف میل نہ کرنا ورنہ کوئی گناہ کبیرہ میرے نزدیک اس سے سخت نہ ہوگا۔

اور ایک بار آپ ایک شخص کے پاس گذرے کہ وہ رو رہا تھا جب پھر کر آئے تب بھی روتا پایا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب میں عرض کیا کہ الٰہی تیرا بندہ تیرے خوف سے روتا ہے حکم ہوا کہ اے ابن عمران اگر یہ شخص روتے روتے اپنا دماغ بھی آنسوؤں کے ساتھ بہادے گا اور ہاتھ اٹھا اٹھا کر گر پڑیں گے تو میں اس کی مغفرت نہیں کرونگا اس لئے کہ محبت دنیا میں مبتلا ہے۔(احیاء العلوم)

حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو فرمایا کہ دنیا ایک گہرا سمندر ہے اس میں بہت سے لوگ ڈوب گئے تم اپنی کشتی دنیا میں تقویٰ کو بناؤ اور ایمان کو اس میں رکھو اور توکل کا بادبان چڑھاؤ تا کہ نجات پاؤ۔

یاخاطب الدنیا الدنیئة انها

شرك الردی وقرارة الاکدار

''اے حسین دنیا کو طلب کرنے والے یہ دنیا تو ہلاکت کی رسی اور کدورتوں کی جگہ ہے۔''

دراصل محبت دنیا ایک ایسی وبائی بیماری ہے کہ اس نے آج ہر عام وخاص کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے عوام تو کجا اہل علم بھی اس بیماری میں مبتلا ہیں عام تاثر اور زعم یہی ہے کہ عزت' دولت اور عہدہ میں مضمر ہے جس کے پاس زیادہ سے زیادہ مال ومتاع ہو جتنے بڑے سرکاری عہدے پر فائز ہو بس وہی معزز ہے اگر چہ وہ مال کسی ناجائز طریقہ سے حاصل کیا گیا ہو اگر چہ وہ شخص عقل اور دوسری خداداد خوبیوں سے معرا اور مجرد کیوں نہ ہو گویا آج دنیا والوں کی نظر میں دنیا کی اہمیت انسانیت سے بڑھ کر ہے بلکہ دنیا اصل اور انسان اس کا سایہ اور عکس ہے مالدار اگر چہ کتنا بے وقوف اور بداخلاق کیوں نہ ہو مگر وہ اہل دنیا کو محض مال کی وجہ سے نظر آتا ہے اور غریب اگر چہ دانا اور خلیق ہو مگر افلاس کی وجہ سے نظروں

سے اوجھل رہتا ہے یا پھر حقیر سمجھا جاتا ہے دنیا تو انسان کے لئے تھی مگر آج کل کے انسان نے خود کو دنیا کا غلام بنا دیا یہ اس بناء پر کہ دنیا کی محبت دلوں کے اندر راسخ ہوگئی ہے جس کا لازمی نتیجہ یہی ہونا تھا۔

کماقال علیہ السلام و لاتحبوا الدنیا فتکونوا من الخاسرین ۔

''دنیا کی محبت میں نہ الجھنا ورنہ خسارہ میں واقع ہوجاؤ گے۔''

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم دنیا سے قطعی لاتعلق ہوجائیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف راغب ہوجاؤ۔

دنیا میں رہ کر دنیا حاصل کرنا تو ناگریز ہے کہ بغیر اس کے تو چارہ نہیں مگر اس کی محبت خطرناک ہے دنیا بہر حال دل سے باہر ہونی چاہئے تاکہ دل ایمان کے لئے دنیوی کدورتوں سے صاف رہے جیسے کہ کشتی کے لئے پانی لازمی ہے کہ اس کے بغیر نہیں چل سکتی ہے مگر اگر وہ پانی کشتی میں داخل ہوجائے تو کشتی غرق وتباہ ہوجائے گی۔

علاج:۔

حُبِّ دنیا سے بچنے کی ایک صورت تو استحضار موت ہے کہ بار بار یا کم ازکم ہر رات کو سونے کے ارادے سے جب بستر پر لیٹ جائے تو اس بات کو ملحوظ کرے کہ جیسے یہ دن گذر گیا رات آئی خاموشی چھا گئی اسی طرح یہ زندگی بھی ایک دن ختم ہوجائے گی یہ زندگی تو نہایت محدود اور متناہی ہے جبکہ آخرت کی زندگی لامحدود اور لامتناہی ہے میں نے آج دونوں زندگیوں کے لئے کتنی تیاری کی ہے۔

دوسری صورت اس دنیا کی حقیت پر غور کرنا ہے کہ اس کی کتنی قیمت ہے کہ میں نے اپنے اوقات اور اعضاء اس کے لئے وقف کئے ہیں کیا یہ دنیا قبر کے اندھیرے میں میری کچھ مدد کرسکے گی؟

فصل نمبر ۳

حرص وطمع کے بیان میں:۔

دنیا کی محبت تو خود بھی مذموم ہے کہ عمل صالح سے رکاوٹ بنتی ہے بداعمالیوں کی راہ ہموار کرتی ہے اور آخرت کو نقصان پہنچاتی ہے مگر اس پر جو موذی اثرات دل کے اندر مرتب ہوتے ہیں وہ اس سے بھی بڑھ کر مہلک ہیں کہ وہ آخرت کے ساتھ ساتھ انسانیت کے لئے بھی مضر ہیں یہ انسان کی افادیت کو بالکل ختم کر دیتے ہیں اور حیوانیت ورذائل کو اس میں بھر دیتے ہیں پھر انسان اور بہائم میں سوائے نام اور شکل وہیکل کے کوئی خاص تمایز نہیں رہتا۔

ایں کہ می بینی خلاف آدم اند
نیست آدم در غلاف آدم اند
آدمی را آدمیت لازم است
عوذ را اگر بو نباشد ہیزم است

حرص لمبی لمبی امیدیں اور بخل وغیرہ محبت دنیا کے تلخ ثمرات ہیں حرص تو آدمی کو بہت زیادہ ذلیل اور رسوا کرتی ہے اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سب سے زیادہ مذموم صفت قرار دیا ہے۔

شر مافی رجل شح هالع وجبن خالع (ابوداؤد ص:۳۴۰ ج:۱)

''فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انسان میں سب سے بری بات کڑھا دینی والی حرص اور گھبرا دینی والی بزدلی ہے۔''

یہ حقیقت ہے کہ حریص اور لالچی آدمی ہر وقت اس غم میں گھلتا اور کڑھتا رہتا ہے کہ یہ نہیں ملا وہ نہیں ملا فلاں کے پاس یہ ہے اور میرے پاس یہ نہیں ہے۔

اسی طرح زیادہ بزدلی بھی انسان کو اطمینان سے محروم رکھتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کے دل کی ان دونوں کیفیتوں کو بدترین کیفیت بتلایا اور فی الحقیقت یہ بدترین اور ذلیل ترین

خصلتیں ہیں۔

حرص کسی بھی دنیوی چیز کی ہو قبیح ہے یہ نہ صرف حریص کو بلکہ پورے معاشرے کو تباہ کر دیتی ہے بایں معنی کہ جب انسان اپنے حق اور حصہ پر قناعت نہیں کرتا تو پھر دوسروں کے حقوق چھیننے کے لئے دست ظلم بڑھاتا ہے جس کے نتیجے میں یا تو خود انتقام کا نشانہ بن کر ذلیل ہو جاتا ہے یا پھر دوسروں کے سکھ اور سکون کے زوال کا سبب بنتا ہے اور تمنائیں ہنوز برقرار رہتی ہیں اس کے برعکس اگر انسان اپنی حلال کمائی بیوی' اور رتبے پر قناعت کرے تو خود بھی بے فکر ہو کر بڑے آرام سے رہتا ہے اور دوسرے بھی اس کے ضرر سے محفوظ ہو جاتے ہیں بلکہ بسا اوقات وہ دوسروں کے لئے فرحت کا ایک ذریعہ بھی بن جاتا ہے۔

حریصان کوزہ چشم حریصان پُر نہ شد
تا صدف قانع نہ شد پردر نہ شد

''حریصوں کی آنکھ کا کوزہ کبھی پر نہیں ہوا۔ جب تک صدف (سیپ) ایک قطرہ پر قناعت کر کے منہ بند نہ کرے اس میں موتی نہیں بنتا۔''

آج دنیا میں جو مظالم ہو رہے ہیں ہر طرف بے چینی کا طوفان چل رہا ہے یہ سب حرص کا نتیجہ ہے ہر طبقہ کے افراد حرص کے سمندر میں ڈوبے ہوئے ہیں چاہے وہ حاکم ہوں یا محکوم حقِ غیر کو کسی حیلے بہانے سے یا جبراً چھین لینا اپنی زندگی کا اعلیٰ مقصد سمجھتے ہیں۔ الا ماشاء اللّٰہ و قلیل ماھم

لوٹ مار قتل و غارت دھوکہ رشوت اور سیاست برائے جاہ و دولت کس دانشمند کی اختراع ہیں عریانی' فحاشی اور نازیبا حرکتیں کس کی عقل کا مشورہ ہے اگر یہ ساری برائیاں عقلمندی کا نتیجہ ہیں تو پھر انبیاء علیہم السلام اور دوسرے عقلاء نے ان سے کیوں روکا؟ اللہ نے ان کاموں پر عذاب کی وعید کیوں نازل فرمائی کیا انسان کو زمین پر خلافت اور نیابت اس لئے دی گئی کہ جو مرضی ہو کرے ان سوالات کا صرف یہی جواب ہے کہ آج کے انسان نے دل کے اندر حرص کو بہت زیادہ جگہ دی ہے بلکہ حرص کی سلطنت قائم کر دی ہے اب کسی خواہش کی منزل متعین نہیں۔

اللہ نے انبیاء علیہم السلام مبعوث فرما کر حرام اور حلال کے احکام ان پر نازل فرمائے اور ہر حکم

کے لئے حد مقرر فرمائی مگر حریص نے ان حدود کی پروانہ کی اور ان کو عبور کر دیا جس میں نہ رسوائی کی فکر نہ موت کی اور نہ آخرت کی بربادی کا خطرہ بلکہ حرص اور شہوت جس چیز کی طرف جھکے تو یہ ناعاقبت اندیش رکاوٹوں کی پرواہ کئے بغیر اس کے لئے اپنی تمام تر توانائی صرف کرتا ہے انجام کچھ بھی ہو اس سے کوئی سرکار نہیں۔

حرص کور واحمق وناداں کند
مرگ را باحمقاں آساں کند

حکایت:۔

سالم بن عبداللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب نوح علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے تو اس میں ایک انجان بڈھے کو دیکھا حضرت نوح علیہ السلام نے اس سے کہا تو یہاں کیوں آیا ہے اس نے جواب دیا کہ تمہارے یاروں کے دلوں پر قابو کرنے آیا ہوں تاکہ ان کے دل میرے ساتھ ہوں اور جسم تمہارے ساتھ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا اے خدا کے دشمن نکل جا۔ ابلیس بولا کہ پانچ چیزیں ہیں جن سے میں لوگوں کو ہلاک کرتا ہوں ان میں سے تین تمہیں بتاؤں گا اور دو تم سے نہ کہوں گا حضرت نوح علیہ السلام کو وحی ہوئی کہ اس سے کہو تین کی مجھے حاجت نہیں وہ دو بیان کرو ابلیس نے کہا انہی دو سے میں آدمیوں کو ہلاک کرتا ہوں اور ان کو کوئی جھوٹ نہیں کہہ سکتا ایک حسد کہ اس کی وجہ سے میں ملعون ہوا اور شیطان مردود کہلایا۔ دوسری حرص کہ آدم کے لئے تمام جنت مباح کر دی گئی میں نے حرص کی بناء پر ان سے اپنا کام نکال دیا۔ (احیاء العلوم)

اس میں شک نہیں ہے کہ حرص اور طمع کی وجہ سے انسان اپنے وقار کو ختم کرتا ہے اس کے عمل میں استقلال اور بات میں وزن نہیں رہتا ہے اور بالآخر ناممکن کو ممکن بلکہ موقع سمجھنے لگتا ہے حالانکہ یہ وصف عقلاء کا نہیں عقلمند تو حق بات پر قائم رہتا ہے اگرچہ اس میں اس کا مالی نقصان ہو نظریہ میں اضطراب اور مذہب میں قلق یہ سب حرص اور لالچ کی بناء پر ہوتا ہے کہ دنیا دار جو کہے اس کو اپنا مفاد سمجھ کر لبیک کہنا کمال ایمان کے منافی ہے۔

ابن سماک کا قول ہے کہ لالچ ایک ایسی رسی ہے دل میں جس سے آدمی کے پاؤں میں پھندا پڑا رہتا ہے اگر توقع اور لالچ دل سے نکال ڈالے تو پاؤں بھی پھندے سے نکل جائے گا۔

بند بگسل باش آزاد اے پسر
چند باشی بند سیم وبند وزر

''حرص کی قید کو توڑ دے اور آزاد ہوجا اے لڑکے کب تک چاندی اور سونے کی قید میں مبتلا رہیگا۔''

کعب احبار سے پوچھا گیا کہ کونسی چیز ہے جو علماء کے دلوں سے علوم کھو دیتی ہے فرمایا کہ حرص طمع اور حاجتوں کا طلب کرنا۔ حضرت فضیل سے جب اس کی تفسیر معلوم کی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ آدمی طمع میں اپنا دین کھو بیٹھتا ہے اور حرص کا حال یہ ہے کہ سب چیزوں کی طرف بہت دوڑتی ہے حریص چاہتا ہے کہ ساری چیزیں میرے پاس آجائیں اس غرض سے کبھی کسی کے پاس حاجت لے جاتا ہے کبھی کسی کے پاس جب وہ شخص حاجت پوری کر دیتا ہے تو گویا اب اس کا اختیار اس کے ہاتھ میں ہے وہ جہاں چاہتا ہے اسے لئے پھرتا ہے اور جو چاہتا ہے وہ کام اس سے لیتا ہے یہ شخص جہاں اس کو دیکھتا ہے خوشامد دنیوی کے مارے سلام کرتا ہے اور بیمار پڑتا ہے تو اس کی عیادت کرتا ہے مگر خدا کے واسطے نہ سلام ہے نہ عیادت۔

ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ کچھ نہ کچھ مختصر نصیحت ارشاد فرمائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز ایسی پڑھ جیسے کوئی رخصت ہونے والا پڑھتا ہے اور ایسی بات نہ کر جس کا کل عذر کرنا پڑے اور جو کچھ لوگوں کے پاس موجود ہے اس سے ناامید ہو یعنی کسی کے مال کی طمع مت رکھ۔ (حاکم وابن ماجہ ص:۳۱۷)

حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سات یا آٹھ یا نو آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بیعت نہیں کرتے ہو؟ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ کیا ہم بیعت نہیں کر چکے؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم خدا کے رسول سے بیعت نہیں کرتے ہم نے ہاتھ بیعت کے واسطے پھیلائے تو ہم سے کوئی

کہہ اٹھا کہ ہم تو پہلے بیعت کر چکے ہیں یہ بیعت کونسی بات کے واسطے ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس بات پر ہے کہ خدا کی عبادت کرو اور اس کا کوئی شریک نہ کرو اور پانچوں وقت کی نماز پڑھو اور برضا ورغبت اطاعت کرو اس کے بعد ایک کلمہ آہستہ سے فرمایا اور آدمیوں سے کچھ مت مانگو۔ راوی کہتے ہیں کہ ان لوگوں میں سے بعض نے اس بیعت کو ایسا بنا دیا کہ اگر ان کا کوڑا گر پڑتا تو لوگوں سے نہ کہتے کہ اسے اٹھا دو یعنی اس قدر سوال سے بھی احتراز کرتے۔ (ابوداؤد ص:۲۳۲ ج:۱)

روایت ہے کہ بعض خلفائے بنی امیہ نے ابوحازم کو ایک خط لکھا اور اس میں قسم دلائی کہ آپ جو کچھ حاجت رکھتے ہو میرے پاس لکھ بھیجیں انہوں نے جواب میں رقم فرمایا میں نے اپنی سب حاجتیں اپنے مولا کے سامنے پیش کیں اس نے جو منظور کیں اس کو میں نے قبول کیا اور جو نامنظور کی اس پر قناعت کی۔ (احیاء العلوم)

مطلب یہ ہے کہ جب اللہ نے ہر چیز کا فیصلہ فرمایا ہے اور اب اس میں کوئی تغیر نہیں آ سکتا ہے تو پھر کسی کے مال ومتاع کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھنے سے بجز اپنی پریشانیوں میں اضافے کے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

ولایتصور ان لایاکل انسان رزقه او یاکل غیره رزقه۔

(شرح عقائد)

''یعنی اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے کہ ایک انسان اپنے رزق ختم ہونے سے پہلے مرجائے اور اور اس کا بھی امکان نہیں کہ اس کا رزق کوئی اور کھائے۔'' (شرح عقائد ص:۴۷)

حریص اور لالچی آدمی سوچے کہ اس کی حرص اور لالچ نے اس کو اپنے مقررہ رزق سے کتنا زیادہ دیا۔ اگر کچھ اضافہ ہوا ہے تو خیالات اور رسوائی ہی میں ہوا ہے۔ طمع کی وجہ سے انسان کے مال اور خوشی میں اضافہ ضروری نہیں البتہ اس کی پریشانیوں اور ناشکری میں زیادتی اس کا لازمی نتیجہ ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ طمع فقیری ہے اور لوگوں سے ناامید ہونا تونگری ہے جوان سے توقع منقطع کرے گا وہ بے پرواہ رہے گا یعنی لالچی آدمی کا دل فقیر کی طرح دوسروں کی چیز میں معلق رہتا ہے۔

صاف خواہی چشم وعقل وسمع را
بردر آں تو دہائے طمع را

''اگر نور بصارت اور نور عقل وسماعت کی صفائی چاہتا ہے تو ان کے اوپر سے حرص وطمع کے پردے پھاڑ دے۔(مثنوی)

علاج:۔

حرص وطمع کا علاج پانچ چیزوں سے مرکب ہے۔

اول عمل رفق یعنی میانہ روی معیشت میں کہ اپنے اخراجات اپنی آمدنی تک محدود رکھے اس سے آگے نہ بڑھائے جائے اس لئے کہ جب خرچہ آمدنی سے زائد ہوگا تو لامحالہ اس کے لئے یہ پریشان ہوگا اور چونکہ آمدنی پر تو گذارہ نہیں چل رہا ہے تو دوسروں کی طرف نگاہ لالچ تیز کردے گا یا پھر چور ڈاکو بنے گا۔

دوم یہ کہ جب حال اور مستقبل قریب کے لئے اس کے پاس بقدر کفایت مال موجود ہو تو فرضی وممکنہ ضرورتوں کے لئے نہ سوچے کہ اگر اتنی بیماری آ گئی جس پر مثلاً ہزاروں یا لاکھوں خرچ ہونگے تو اس وقت کیا کرونگا بلکہ یہ سوچتا رہے کہ ایسی بیماریوں سے اللہ محفوظ رکھے گا اور اگر لاحق ہو جائے تو اللہ اس کا بندو بست خود کرے گا جیسا کہ بچپن سے اب تک کی پرورش اللہ نے کی اس طرح آئندہ بھی اللہ نعم النصیر ہے۔

المستر شد کہتا ہے کہ کچھ عرصہ پہلے مجھے ایک بیماری ایسی لاحق ہوئی جو بہت زر طلب تھی، مجھے بہت پریشانی اس سے تھی کہ کہیں اپنی اس بات میں تذبذب کا شکار نہ ہو جاؤں اللہ نے غیب سے جو مدد فرمائی وہ میرے تصور سے بھی بڑھ کر تھی۔ والحمد للہ علی ہذہ النعمۃ والمنۃ

سوم یہ کہ قناعت وصبر کے فائدہ سے آگاہ ہو کہ اس کے ذریعے عزت اور لاپرواہی حاصل ہوتی ہے اور آدمی دوسرے کے تسلط سے محفوظ رہتا ہے بلکہ حرص اور طمع کے باعث آدمی رسوائی کا شکار ہو کر دوسروں کا آلہ کار بنتا ہے۔

چہارم یہ کہ بے دینوں اور احمقوں کی معیشت اور ان کے تنعم میں تامل کرے اور پھر انبیاء واولیاء

اور دیگر عقلاء کی زندگی پر نظر ڈالے پھر دونوں فریقین کی عزت اور انجام کا موازنہ کرے۔

پنجم یہ کہ مال جمع کرنے کا خطرہ متصور کرے کہ کثرت مال سے میں فقرا کی فہرست سے خارج ہوکر دنیاداروں کے دفتر میں شامل ہو جاؤں گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جنت کے دروازے سے پانچ سو برس دور ہو جاؤں گا اور اس دعا کو معمول بنایا جائے۔

اللّٰھم اکفنی بحلالك عن حرامك واغننی بفضلك عمّن سواك ۔

طریقہ یہ ہے کہ اس کا مطلب سمجھ کر ہر نماز کے بعد جتنی مرتبہ ہو سکے پڑھ لے مجرب ہے۔

فصل نمبر ۴

طول الامل (لمبی امیدیں):۔

ابلیس لعین کی عادت ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے ایسے گناہوں اور لذتوں کی طرف راغب کرتا ہے جو کئی دوسرے گناہوں کو جنم دے سکیں اور بتدریج اس میں ترقی نہ صرف ممکن ہو بلکہ مرغوب بھی ہو گویا متعدی امراض اس کو نہایت پسند ہیں اور یہی وجہ ہے کہ جب بھی کوئی گناہ ایک مرتبہ وجود میں آیا ہے تو پھر نہ کبھی منقطع ہوا ہے اور نہ اس کی کوئی حد مقرر ہوئی ہے بلکہ تا قیامت اس میں اضافہ ہی ہوتا چلا جارہا ہے مثلاً قابیل کو قتل کی ترغیب دیدی تو مستقل سلسلہ تا قیامت جاری ہوا۔ عقیدت مندی اور مورتی بنانے کا گناہ رچایا تو شرک کا دروازہ کھل گیا جس کا ہم اسی باب کی فصل اول میں مختصر ذکر کر چکے ہیں موجودہ فوٹو گرافی ٹی وی وغیرہ کے گناہ بھی اسی بنیاد پر قائم ہیں جو آج سے ہزار ہا سال پہلے رکھی گئی تھی اور ہنوز یہ خیالی گھوڑے اپنے ہدف کی طرف بڑی تیز رفتاری سے مسابقت کر رہے ہیں۔

ابوجعفر طبری کی روایت ہے کہ جس شخص نے لہولعب اور کھیل تماشے کی چیزیں نکالی ہیں وہ قابیل کی اولاد میں سے ایک آدمی ہے جس کو ثوبال کہتے ہیں اسکے زمانے میں مہلائیل بن قینان نے آلات لہو مثلاً بانسری اور طبل اور عود ایجاد کئے قابیل کی اولاد لہولعب میں پڑ گئی ان لوگوں کی خبر ان تک بھی پہنچی جو شیث کی نسل سے پہاڑوں میں رہتے تھے ان میں سے ایک گروہ نیچے اترا اور فواحش اور شراب کا پینا

کھلم کھلا ہونے لگا۔

یہ روایت نقل کرنے کے بعد ابن جوزی تحریر فرماتے ہیں کہ ان لذات کے آلات میں ایسی بات رکھی گئی ہے جو ایک دوسری چیز سے لذت حاصل ہونے کا باعث ہوتی ہے خصوصاً وہ لذت جو اس لذت کے مناسب ہو یعنی زنا اور فحاشی وغیرہ۔

وہ اس طرح کہ راگ اور غنا وغیرہ سننے سے دل خدا تعالیٰ کی عظمت میں غور کرنے سے غافل ہو کر جلد حاصل ہونے والی لذتوں کی طرف راغب ہو جاتا ہے جس کی بناء پر حسی شہوتوں میں بھی ہیجان آتا ہے جن میں بہت بڑی شہوت نکاح ہے اور نکاح کی کامل لذت کئی عورتوں میں ہے اور نئی نئی عورتیں حلال ذریعہ سے حاصل ہونا دشوار ہے لہٰذا انسان زنا پر آمادہ ہو جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ زنا اور غنا یعنی گانے میں باہم تناسب ہے اس جہت سے کہ غنا روح کی لذت ہے اور زنا لذات نفسانی کا بڑا حصہ ہے اسلئے حدیث میں آیا ہے الغناء رقیة الزنا راگ زنا کا افسوں ہے۔

کوئی عاقل اس سے انکار کر سکتا ہے کہ گانا سنتے وقت انسان کا تصور حسین عورتوں کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا ہے کیا ان گناہوں میں کمی ہوئی ہے بطور مشت نمونہ خروار ان چند مثالوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ شیطان کی ہمہ وقت یہی کوشش رہتی ہے کہ انسان کو ایک ایسی متناسب بیماری میں مبتلا کرے جو اس کے مزاج کے بھی موافق ہو اور اس سے تجاوز کر کے دوسرے ہم مزاجوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے سکے من جملہ ان قبائح کے طول امل ہے یعنی لمبی لمبی امیدیں قرن اولی میں انسان کی دنیاوی چیزوں میں بالکل دلچسپی نہ تھی وہ دنیوی زندگی کو لمبی عمر کے باوجود جو سینکڑوں سالوں پر مشتمل ہوا کرتی تھی ایک عارضی سایہ سمجھتا تھا یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے لئے ایسے مکانات بھی تعمیر نہ کئے تھے جن میں موت تک زندگی بسر کرنا ممکن ہو بلکہ ایک مسافر کی طرح کچے مکانات پر کفایت کر کے ہمہ وقت آخرت کے لئے کمر بستہ رہتے تھے۔

ابلیس نے اس باب میں بھی محنت کر کے انسان کے دل میں امیدوں کی بنیاد رکھی تو رفتہ رفتہ انسانی عمر اور امید میں وہ انقلاب آیا جو آج ہمارے سامنے ہے سینکڑوں سالوں سے عمر آکر اوسطاً ساٹھ

سے ستر سال میں محدود ہوگئی مگر امیدوں میں ایسی طوالت آ گئی کہ ضرورت کی اشیاء سینکڑوں سالوں تک چل سکتی ہیں پلاسٹک کی وہ تھیلی جس کو دکان سے گھر تک لے جا کر لوگ کوڑے کے ڈبے میں ڈالتے ہیں اس کی عمر بھی کئی سالوں پر مشتمل ہے۔ تعمیرات میں پختگی سواری میں مضبوطی تعیش کے دوسرے آلات اس کی زندہ مثال ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ہر نیکی میں کوتاہی اور برائی میں رغبت کرنے کا سبب طول امل ہے آدمی ہمیشہ اپنے جی میں باتیں کیا کرتا ہے کہ برائیاں چھوڑ کر نیکیاں کرے لیکن اس کا نفس یہ وعدہ ہی دیتا رہتا ہے کہ ابھی بہت وقت ہے فی الوقت شباب کا زمانہ ہے جب موت قریب ہوجائے گی تو توبہ کر کے گناہ معاف ہوجائیں گے اس دھوکہ کی وجہ سے یہ گناہوں کی جسارت اور نیکیوں میں سستی کرتا رہتا ہے اس لئے کہ جس شخص کو یہ امید ہو کہ شام تک چلے گا تو دن بھر اس کی رفتار سست رہے گی اس کے برعکس جو کوئی موت کی صورت سامنے تصور کرے گا وہ کوشش میں سرگرم ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جو نماز ادا کیا کرو اس کو رخصتی اور آخری نماز سمجھا کرو۔ ابن جوزی نے فرمایا ہے کہ اکثر یہودیوں اور نصرانیوں کے دل میں محبت اسلام گذرتی ہے ابلیس ہمیشہ اس کو مشغول رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ جلدی نہ کر اور اچھی طرح سمجھ بوجھ لے اس طرح اس کو ٹالتا رہتا ہے حتی کہ اسی کفر پر مرجاتا ہے اسی طرح گناہگار کو توبہ کے لئے ٹالتا ہے اور شہوات سے غرض حاصل کرنے میں جلدی کرواتا ہے اور توبہ کرنے کی امید دلاتا ہے کہ ابھی تو ساری زندگی باقی ہے حالانکہ تجربہ یہی ہے کہ جتنی عمر گذرتی جارہی ہے اتنی امیدوں میں جوانی آتی رہتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

یھرم من ابن آدم کل شئ الااثنان الحرص والامل۔

''ابن آدم کی ہر خصلت پرانی ہوتی ہے مگر حرص اور امید نہیں کہ ان دونوں پر بڑھاپے کا اثر نہیں ہوتا ہے۔''

حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہارے حق میں دو چیزوں سے بہت ڈرتا ہوں ایک طول الامل لمبی امید دوم خواہشات کی پیروی کہ امید تو آخرت کو بھلا دیتی ہے اور شہوت پرستی حق سے ہٹا دیتی ہے ابودرداء نے اہل حمص سے فرمایا کہ تمہیں حیا نہیں آتی ہے کہ ایسے

مکانات بناتے ہو جن میں رہتے نہیں ہو اور ایسی امیدیں رکھتے ہو کہ تمہیں حاصل نہیں ہوتی ہیں اور اتنا مال جمع کر لیتے ہو جس کو کھا نہیں سکتے ہو۔

روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت شیثؑ کو پانچ چیزوں کی وصیت فرمائی اور ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اپنی آنے والی اولاد کو بھی اس کی وصیت کریں۔

پہلی بات یہ ہے کہ دنیا پر کبھی اعتماد نہیں کرنا کیونکہ جنت کے بارے میں میں مطمئن ہوا تو اللہ اس پر راضی نہ ہوا اور مجھے جنت سے نکالا۔ (حالانکہ جنت باقی ہے اور دنیا فانی ہے تو جب باقی پر اعتماد کرنا اللہ کو پسند نہ آیا تو فانی پر اعتماد کرنے سے کیسے خوش ہوگا)

دوم یہ کہ اپنی بیویوں کی خواہشات پر مت چلو اس لئے کہ میں نے بیوی کی خواہش پر عمل کر کے شجرہ ممنوعہ میں سے کھایا تو نادم ہو گیا۔

سوم یہ کہ جو بھی عمل کرنے کا ارادہ کرو تو پہلے اس کے انجام پر غور کرو اس لئے کہ اگر میں انجام کے بارے میں سوچتا تو میں اس چیز سے محفوظ ہو جاتا جو مجھے پہنچی ہے۔

چہارم یہ کہ جب دل میں کسی چیز کے بارے میں قلق محسوس ہو تو اس سے اجتناب کرو اس لئے کہ جب میں نے شجرہ سے کھایا تو میرے دل میں اضطراب پیدا ہوا پھر میں اس کی طرف دوبارہ نہیں لوٹا کہ ندامت ہوگئی۔

پنجم یہ کہ مشورہ کر لیا کرو کیونکہ اگر میں فرشتوں سے مشورہ کر لیتا تو آج یہ سب کچھ نہ ہوتا۔

حضرت شقیق بلخیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے چار ہزار احادیث سے چار سو احادیث کی تخریج کی ہے اور پھر ان چار سو سے چالیس حدیثوں کی تخریج کی ہے پھر ان چالیس احادیث سے چار حدیثوں کا انتخاب کیا ہے ان میں سے پہلی حدیث یہ ہے کہ عورت کے ساتھ اپنا دل مت لگاؤ کہ یہ آج تیری ہے اور کل کسی اور کی رہے گی اگر اس کی اطاعت کرو گے تو تمہیں جہنم میں داخل کر دے گی۔

دوسری یہ کہ اپنا دل مال میں مت لگاؤ کہ یہ تو مستعار ہے آج اگر تیرا ہے تو کل کسی اور کا ہوگا لہٰذا غیر کی چیز میں اپنے آپ کو رنجیدہ مت بناؤ اس کی خوشی کسی دوسرے کے لئے ہے اور بوجھ تمہارا ہے اور

بے شک جب تو نے اپنا دل مال میں بند کر دیا تو تو نے اس کو اللہ کے حق سے منع کر دیا اور تیرے اندر فتنہ کا خوف پیدا ہو جائے گا اور تو شیطان کی پیروی کرنے لگے گا۔

تیسری یہ کہ ہر اس کام کو چھوڑ جو تیرے دل میں شک پیدا کرے اس لئے کہ مسلمان کا جی بمنزلہ گواہ کے ہے شبہ کے وقت مضطرب ہو جاتا ہے اور حرام سے بھاگتا ہے اور حلال سے ساکن ہو جاتا ہے۔

چوتھی یہ کہ کوئی عمل اس وقت تک مت کرو جب تک کہ اچھی طرح مطمئن نہ ہو جاؤ۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں ایسا رہو گویا تو ایک مسافر ہے یا راستہ سے گذرنے والا ہے اور اپنے آپ کو اہل قبور قبر والوں سے سمجھو۔ یعنی دنیا کو اپنے لئے مستقل ٹھکانہ کبھی نہیں سمجھنا بلکہ ہمہ وقت یہ احساس ہونا چاہئے کہ میں تو ایک مسافر ہوں اور یہ دنیا میرے لئے ایک گذرگاہ ہے اصل منزل تو آگے ہے یہ دنیا وہاں تک پہنچنے کا ایک راستہ ہے لہٰذا اس کو مستقل قیام گاہ نہیں سمجھنا چاہئے۔

بعض فقہاء سے منقول ہے کہ جس کی امیدیں مختصر ہونگی تو اللہ اس کو چار انعامات سے نوازے گا اول یہ کہ اس کو نیک عمل کی توفیق دے گا اسلئے کہ جب بندہ کو اپنی موت کے قریب ہونے کا یقین ہو جاتا ہے تو وہ مستقبل کی باتوں کو نہیں سوچتا ہے بلکہ نیکیوں میں لگ جاتا ہے تو وہ زیادہ ہو جاتی ہیں دوسرے اس کی پریشانیاں کم کر دے گا اس لئے کہ جب آدمی کو قریبی موت کا یقین ہو جاتا ہے تو وہ معمولی پریشانی کو برداشت کرتا ہے اور سوم یہ کہ اس کو مال قلیل پر راضی کر دے گا کہ موت کے یقین ہو جانے سے وہ زیادہ مال کا نہیں سوچتا بلکہ فکر آخرت میں لگ جاتا ہے۔ چہارم یہ کہ اس کے دل کو منور کر دے گا اس لئے کہ دل کا نور چار چیزوں سے حاصل ہوتا ہے اول خالی پیٹ دوم صحبت صالح سوم گذشتہ گناہوں کی یاد اور چہارم مختصر امید کیونکہ لمبی امید پر چار سزائیں مرتب ہوتی ہیں اول نیکی میں سستی دوم مصائب اور پریشانیوں میں اضافہ سوم مال جمع کرنے کی حرص چہارم سنگدلی اس لئے کہ کہا جاتا ہے کہ قسوت قلب یعنی سنگدلی چار چیزوں سے پیدا ہوتی ہے بھرا ہوا پیٹ دوم براہم نشین سوم گذشتہ گناہوں کا بھول جانا اور چہارم طول امل یعنی لمبی امید۔ (تنبیہ الغافلین ص:۸۴)

صلاح اول هذه الامة بالزهد واليقين وهلاك آخر هذه الامة بالبخل والامل۔ (احیاءالعلوم)

''اس امت کے اول کی درستگی زہد (قناعت) اور یقین کی وجہ سے ہے اور اس امت کے آخر کی ہلاکت بخل اور امل کی وجہ سے ہوگی۔''

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اے عائشہ اگر میرے ساتھ لحوق چاہتی ہو تو تیرے لئے دنیا میں مسافر کا جتنا توشہ کافی ہونا چاہئے اور یہ کہ اغنیاء کی مجلسوں سے دور رہو اور جب تک کپڑے میں پیوند نہ لگاؤ تو اسے پرانا نہ سمجھو۔ احیاءالعلوم

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا لحقوق تین باتوں پر مشروط کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ درجات عالیہ کا حصول تعیش اور طول امل کے ساتھ ممکن نہیں ہے اس کے لئے سادگی بے تکلفی اور قناعت ضروری ہے لہٰذا عقلمند کو چاہئے کہ وہ وقت کا خیال رکھے اور امید کرنے سے روگردانی کرے۔

فانه لايدرى فى أى أرض يموت وفى اى قوم يموت وفى اى وقت يموت ۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین لکڑیاں لیں ایک کو اپنے سامنے گاڑا اور دوسری کو اس کے پاس اور تیسری کو دور گاڑا پھر پوچھا جانتے ہو یہ کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا خدا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ پاس کی دونوں لکڑیاں ایک انسان ہے اور ایک اس کی موت اور دور کی لکڑی اس کی امید ہے کہ آدمی اس سے معاملہ رکھتا ہے اور موت اس تک پہنچنے نہیں دیتی بیچ ہی میں اچک لیتی ہے۔ (مشکوٰۃ ص:۴۵ ج:۲)

علاج:۔

طول امل کی بیماری کے چونکہ دو سبب ہیں ایک محبت دنیا اور دوسرا جہل وغفلت لہٰذا کامیاب علاج تو وہی ہوگا جس سے مذکورہ دونوں سبب ختم ہو جائے محبت دنیا اگرچہ لاعلاج مرض تو نہیں مگر مشکل

ضرور ہے اس میں اگلے پچھلے سب تھک گئے ہیں تاہم ''من طلب فقد وجد'' کی روشنی میں جدو جہد جاری رکھنی چاہئے جس کے علاج کا ذکر فصل نمبر۲ میں ہو چکا ہے۔ **فلیراجع**

دوسرے سبب کو ختم کرنے کے لئے اسی یقین کی ضرورت ہے کہ موت کے آنے میں کوئی دشواری نہیں اور اگر بالفرض اچانک آنا دشوار ہو تو بیماری تو اچانک ہی آیا کرتی ہے جس کے بعد موت کی گھنٹی بجنی شروع ہو جاتی ہے۔ فحتف کل امرءٍ یجری بمقدار

فصل نمبر ۵

بخل:۔

شرع جہاں مال خرچ کرنے کا حکم دے یا مروت اس کا تقاضا کرے وہاں خرچ نہ کرنا بخل ہے مثلاً بیوی بچوں کو واجبی نفقہ نہ دینا خلاف شرع ہونے کی بناء پر اور اس سے زائد کچھ نہ دینا خلاف مروت ہونے کے باعث بخل ہے اسی طرح اپنی آبرو محفوظ رکھنے کے لئے خرچ نہ کرنا بھی بخل کہلاتا ہے مثلاً ایک شخص سمجھ رہا ہے کہ اس شاعر کو اگر میں کچھ نہ دوں تو میرا ہجو کرے گا اس کے باوجود کچھ دے کر اس کا منہ بند نہ کرے تو یہ شخص بخیل ہے وعلی ہذا۔ لہٰذا بخل کی دو قسمیں ہو گئیں خلاف مروت اور خلاف شریعت یہ دونوں اقسام مذموم ہیں مگر خلاف شریعت بخل ایک بہت بڑا مہلک مرض ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ولایحسبن الذی یبخلون بماآتاھم اللّٰہ من فضلہ ھو خیر لھم بل ھو شر لھم سیطوقون مابخلوا بہ یوم القیامۃ۔ (الآیۃ)

''جو لوگ اللہ کی دی ہوئی نعمت میں بخل کرتے ہیں وہ اس کو اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں بلکہ یہ ان کے لئے نہایت برا ہے کیونکہ جس میں بخل کریں گے اس کا طوق بنا کر قیامت کے روز ان کے گلے میں ڈالا جائے گا۔''

اور نبی کریم علیہ السلام فرماتے ہیں۔

ایاکم والشح فان الشح اھلك من كان قبلكم ۔

''اپنے آپ کو بچاؤ بخل سے کہ اس نے پہلی امتوں کو ہلاک کر دیا ہے۔''

اور فرمایا۔

لایدخل الجنۃ بخیل ولاخب ولاخائن ولاسیٔ الملکۃ۔

''نہیں داخل ہوگا جنت میں بخیل نہ مکار نہ خیانت کرنے والا اور نہ بداخلاق''۔

قال حکیم: البخل محوصفات الانسانیۃ واثبات صفات الحیوانیۃ۔

''بخل انسانی صفات کو محو اور ختم کرنے اور حیوانی عادات کو ثابت کرنے کا نام ہے۔''

چونکہ جنت انسانوں کے لئے بنائی گئی ہے اس لئے اس کے مستحق انسان ہی ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اپنی خوبیوں اور معالی اخلاق کے زیور سے آراستہ ہوں ہیوانی صفات اور شیطانی عیوب اس مقصد کے حصول سے مانع ہیں کیونکہ ان کے ہوتے ہوئے انسان جنت کے لئے مناسب نہیں ہوسکتا ہے انسان کی اصل حقیقت کیساتھ اخلاق حسنہ ہی مناسب ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ انسان جو کہ ایک عالم صغیر ہے بلکہ سید شریف کی تصریح کے مطابق عالمین کا مجموعہ ہے۔

فهو الصحف المكرمة المرفوعة المطهرة التى لايمسها ولايدرك اسرارها الاالمطهرون من الحجب الظلمانية ۔

(التعریفات ص:۳۲)

''یعنی انسان وہ محترم بلند و بالا اور پاک صحائف ہے جن کی حقیت کا احساس اور ادراک صرف وہی شخص کرسکتا ہے جو جہل سے پاک ہو اور اندھیروں کے پردوں سے مکمل آزاد ہو''۔

(التعریفات ص:۳۲)

اس کے اندر کتنی ایسی صفات اور خوبیاں ہونگی جو ہماری نظروں اور عقلوں سے مخفی ہیں یہ بات محتاج بیان نہیں مگر بعض حیوانی و شیطانی صفات کی آمد پر انسان کی قدر میں اس لئے کمی آجاتی ہے کہ ان کی وجہ سے انسان کی وہ صفات ختم ہوجاتی ہیں جن کی وجہ سے اس کو رفعت حاصل ہوئی ازاں جملہ ایک بخل بھی ہے بخل کے ہوتے ہوئے ایثار انس اور صلہ رحمی وغیرہ ممکن نہیں حقوق اللہ مالی اور حقوق العباد کی ادائیگی نہایت دشوار ہوجاتی ہے یہی وجہ ہے کہ مذکورہ بالا آیات اور احادیث میں اس کو ہلاکت اور عذاب کا سبب ٹھہرایا اور بخیل کے جنت میں داخلہ پر پابندی لگانے کی جیسی وعید آئی ہے یہ وصف آج کل اگرچہ عام ہے مگر عموماً دنیاداروں میں اس کا مشاہدہ آسانی سے کیا جاسکتا ہے ایک ایک روپیہ جمع کرکے یہ لکھ پتی بن گئے مگر اپنے اس مال سے واجبی حق ادا کرنے کے لئے تیار نہیں نہ مہمانوں کا خاطر خواہ حق دیتے ہیں نہ دوسرے حقداروں کا اور نہ ہی چالیسواں (یعنی زکوٰۃ) دینے کے لئے تیار رہتے ہیں الا ماشاءاللہ اور جہاں خرچ کرتے ہیں تو وہ محض ریا اور دکھاوے کی خاطر اسی بناء پر ان کے دسترخوان پر اکثر ایسے لوگ موجود

ہوتے ہیں جن سے کچھ نہ کچھ مفادات وابستہ ہوں زکوٰۃ کو ساقط کرنے کے لئے حیلہ کرتے ہیں مثلاً سال پورا ہونے سے پیشتر مال کو ہبہ کر کے پھر واپس لیتے ہیں یا کسی فقیر کو کپڑا وغیر سامان دیتے ہیں اور اسکی قیمت اپنی مرضی کے مطابق مقرر کرتے ہیں یا ایسے شخص کو زکوٰۃ دیتے ہیں جو ان کی خدمت کرتا ہو بعض مالدار ایسے ہیں جو مساجد اور پلوں اور ہسپتال وغیرہ پر بہت کچھ خرچ کرتے ہیں مگر ان کا مقصود اس سے شہرت ہوتی ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ وہ اس تعمیر پر اپنا نام کندہ کرواتے ہیں بصورت دیگر وہ یا تو ناراض ہوتے ہیں یا پھر جہاں شہرت کی امید نہ ہو وہاں خرچ ہی نہیں کرتے۔

اس مذموم اور قبیح وصف کا سبب کبھی عارضی ہوتا ہے جو کہ مال کی محبت سے ہوتا ہے کیونکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جس شے سے جتنی محبت ہوگی تو بقدر محبت اس کا فراق دشوار ہوگا جیسے بچے کو اپنی ماں سے ایک لمحے کے لئے فراق ناگوار ہوتا ہے اسی طرح بخیل کا دل خرچ کرنے پر روتا ہے اگرچہ وہ بعض اوقات خرچ کرتا ہے لیکن خرچ طیب خاطر اور دل کی خوشی سے نہ ہونے کی بناء پر سخاوت نہیں بلکہ عین بخل ہے البتہ خرچ کرنے کا اجر بشرط صحت ملے گا اس لئے کہ حکم کی تعمیل تو ہو ہی جائے گی اور کبھی یہ موروثی اور خاندانی بھی ہوتا ہے جیسے کہ بعض خاندانوں پر سخاوت کا غلبہ ہوتا ہے اسی طرح بعض بخیل ہوتے ہیں۔

حکایت:۔

علامہ شہاب الدین ابشیھیؒ نے ایک آدمی کا واقعہ نقل کیا ہے کہ میں ایک دفعہ دوران سفر راستہ بھول گیا چلتے چلتے جنگل میں ایک گھر دیکھا جب اس کے قریب گیا تو وہاں پر موجود ایک عورت نے مجھ سے پوچھا تم کون ہو میں نے جواباً کہا مہمان۔ تو اس نے کہا ''اھلاً مرحباً'' بے فکر ہو کر آجاؤ اس لئے کہ یہ تمہارا اپنا گھر ہے یہاں تمہارے لئے سب کچھ ہے اور تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی پھر اس عورت نے میرے لئے کھانا پینا سب سامنے لا کر رکھ دیا جب میں کھانے سے فارغ ہوا تو اس کا شوہر آ گیا اس نے بھی پوچھا کہ کون ہو میں نے کہا مہمان کہنے لگا ''لااھلاً و لامرحباً'' تمہارا یہاں آنے کا کیا حق ہے؟ ہمارے پاس تمہارے لئے کچھ نہیں جب میں نے یہ سنا تو اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں سے چلا یہ رات سفر میں گذر گئی دوسرے دن ایک اور گھر نظر آیا چنانچہ میں ضرورت کی بناء پر وہاں گیا تو

یہاں بھی میری نگاہ ایک عورت پر پڑی اس نے مجھے دیکھ کر دریافت کیا من ہذا یہ کون آیا میں نے کہا مہمان اس نے فوراً کہا ’’لا اھلاً و لا مرحباً ‘‘ ہمارے پاس تیرے لئے نہ کھانے کی کوئی چیز ہے اور نہ ٹھہرنے کی جگہ ہے یہ باتیں ابھی چل رہی تھیں کہ اچانک اس کا شوہر وہاں پہنچا اور کہنے لگا کون ہے؟ میں نے جواب دیا مہمان، وہ بہت خوش ہوا اور ’’اھلاً و مرحباً ‘‘ کہہ کر تسلی دی پھر عمدہ کھانا پیش کیا اور میں نے اچھی طرح کھا، پی کر اپنا پیٹ بھرا پھر میں نے کل والا واقعہ سنایا تو وہ عورت ہنسنے لگی میزبان نے اس کی وجہ پوچھی کہ کیوں ہنس رہی ہو تو میں نے یہ ماجرا اس کو بھی سنایا تو وہ کہنے لگا کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ وہ عورت میری بہن ہے اور یہ میری بیوی اس آدمی کی بہن ہے۔

(المستطرف ص:۱۷۶ج:۱)

بہرحال سبب کچھ بھی ہو مگر اس سے انکار نہیں کہ بخل ایک حیوانی صفت ہے اور انسانیت کے منافی ہے آج جن امراض سے انسان دوچار ہے اور معاشرہ جن علل واسباب کی بنا پر تباہی کی طرف جارہا ہے ان میں سے بخل کا کردار پیش پیش ہے یہ جھگڑے اور فسادات حقوق ہی کی بنا پر تو ہیں ایک آدمی حق منع کر رہا ہے اور دوسرا اپنے حصے سے بھی زائد مانگ رہا ہے اگر ایک بخیل ہے تو دوسرا اس سے زیادہ شحیح ہے حکمران رعیت کا حق دینے کے بجائے آپس میں بھی صحیح تقسیم نہیں کر پا رہے کہ خود تو آرام سے کھالیں اولاد بوڑھے ماں باپ پر خاطر خواہ خرچ کرنے کو تیار نہیں بہنوں کی میراث ختم کردی گئی میاں بیوی میں ازدواجی حقوق کی ادائیگی کا فقدان ہے بھائیوں میں افراتفری کا بازار گرم ہے ایک زمانہ وہ تھا کہ جس میں لوگ حقوق سے زائد خرچ ایثار اور سخاوت کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور شعراء اس پر فخر کرتے تھے۔

چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے۔

نکرم جارنا مادام فینا

ونتبعه الکرامة حیث مالا

’’ہم اپنے ہمسایہ پر خرچ کرتے ہیں جب تک وہ ہمارے پڑوس میں ہو اور جب کوچ کر کے یہاں سے چلے جاتے ہیں تو ہم ان کا حصہ ان کو پہنچا دیتے ہیں۔‘‘

اس شعر کی تشریح کرتے ہوئے علامہ تفتازانی رقمطراز ہیں۔

بل فی زماننا یکاد یلحق بالممتنع عقلاً۔

''یعنی ہمسایہ کا اتنا خیال رکھنا ہمارے زمانہ میں محال اور ناممکن ہے۔''

انقلاب زمانہ دیکھئے کہ ہمارے زمانے میں خاص کر شہری ماحول میں بہت سارے لوگ اپنے ہمسایہ کو پہچانتے بھی نہیں ہیں ایک دوسرے کی نماز جنازہ تکفین وتجہیز اور تدفین جیسے حقوق سے سراسر لاپرواہی کے عالم میں منہمک ہیں ہماری نگاہ آج پیٹ کے اندر مرکوز ہے اور اگر باہر ہو تو کسی ایسی غرض کے لئے ہوگی جو پیٹ کی طرف لوٹتی ہو جب انسان ابن البطن اور ابن الوقت بن جائے تو پھر اس میں او ر پیٹ بھرنے والے جانور میں کتنا فرق رہ جاتا ہے اس کا جواب شاید یہی صحیح ہوگا کہ یہ کانچ کے کسی برتن میں کھاتا پیتا ہے اور ریشمی یا سوتی لباس میں ملبوس ہوتا ہے اور گانے سنتا ہے بخلاف دوسرے جانوروں کے۔

خلق نیکو وصف انسانی بود
آدمی باخلق بد حیواں شود

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاہل سخی خدا کے نزدیک بخیل عابد سے اچھا ہے۔ (ترمذی ص:۷ ج:۲)

اور انہی سے مروی ہے کہ بخل اور ایمان کسی بندے کے دل میں جمع نہیں ہوتے (نسائی) اور یہ بھی فرمایا کہ دو عادتیں ایماندار میں جمع نہیں ہوتیں بخل اور بدخلقی (ترمذی ص:۷ ج:۲) اور حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب اللہ نے جنت عدن پیدا کی تو اس کو ارشاد فرمایا کہ تو مزین ہو وہ آراستہ ہوئی پھر فرمایا کہ اپنی نہریں ظاہر کر اس نے چشمہ سلسبیل اور عین کافور اور آب تسنیم نکالے جن سے باغ ہائے جنت میں شراب اور شہد اور دودھ کی نہریں بہنے لگیں پھر ارشاد ہوا کہ اپنی کرسی تخت چھپر کھٹ زیور لباس حور عین ظاہر کر اس نے تعمیل ارشاد کی پھر خدا تعالیٰ نے اس کو ارشاد فرمایا کہ کچھ بول وہ بولی کہ جو شخص مجھ میں رہے گا وہ کیا اچھا ہوگا ارشاد ہوا کہ قسم ہے اپنی عزت کی کہ بخیل کو تجھ میں جگہ نہ دوں گا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں کسی بخیل کو شاہد عدل (گواہ) نہیں جانتا اس لئے کہ بخل کے مارے آدمی اپنے حق سے زیادہ لیا کرتا ہے اس خوف سے کہ کہیں خسارہ میں نہ رہوں پس جس کا یہ حال ہو وہ امانت کے قابل نہیں ہے اور حضرت بشر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ بخیل کی طرف دیکھنے سے دل سخت ہوتا ہے اور بخیلوں کی ملاقات سے ایمانداروں کے دل پر کرب ہوتا ہے ایک مرتبہ حضرت یحیٰ علیہ السلام کی شیطان سے ملاقات ہوئی تو شیطان سے فرمایا کہ مجھے یہ بتاؤ کہ لوگوں میں سے تیرے نزدیک زیادہ محبوب کون ہے اور زیادہ ناپسندیدہ کون ہے اس نے عرض کیا کہ زیادہ تر محبوب تو بخیل مؤمن ہے اور زیادہ ناپسندیدہ بدکار سخی ہے آپ نے اس کا سبب پوچھا تو اس نے عرض کیا کہ اس لئے کہ بخیل کو تو اس کا بخل ہی کافی ہے میری کچھ ضرورت نہیں اور جو سخی بدکاری کرتا ہے تو مجھے یہ خوف رہتا ہے کہ کہیں سخاوت کی جہت سے خدا تعالیٰ اس پر توجہ نہ فرمائے اور پھر وہ میرے بس کا نہ رہے بلکہ مقبول خدا ہو جائے پھر ابلیس یہ کہتا چلا گیا کہ اگر تم یحیٰ نہ ہوتے تو ہرگز نہ بتلاتا۔ (احیاء العلوم ص: ۲۵۰ ج: ۳)

حکایت:۔

امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ہمسایہ تھا جو کہ بہت بخیل تھا ہمیشہ آپ سے کہا کرتا تھا کہ میرے گھر چل کر آپ ایک ٹکڑا روٹی کا نمک کے ساتھ تناول فرمائیں آپ انکار کیا کرتے تھے ایک روز جب ان نے حسب معمول عرض کیا تو اس وقت ان کو بھوک بھی تھی فرمایا اچھا چلو گھر میں لا کر ایک ٹکڑا روٹی کا نمک کے ساتھ سامنے رکھ دیا اتنے میں ایک سائل آیا تو صاحب خانہ نے کہا کہ برکت ہے اس نے دوبارہ سوال کیا پھر وہی جواب دیا اس نے تیسری بار سوال کیا تو کہا چلو ورنہ لاٹھی لے کر نکلتا ہوں۔ امام اعمشؒ نے اس کو پکار کر کہا کہ شاہ جی چلے جاؤ بخدا کہ صاحب خانہ وعدہ کا بہت سچا ہے میں نے کوئی اس سے زیادہ سچا نہیں دیکھا مدت سے مجھ سے کہتا تھا کہ ٹکڑا روٹی کا مع نمک کے کھالو آج بخدا کہ ان دونوں چیزوں سے میرے سامنے کچھ بھی زیادہ نہیں ہے۔ (احیاء العلوم ص: ۲۵۱ ج: ۳)

علاج:۔

بخل کا علاج دو طرح کا ہوتا ہے علمی بھی اور عملی بھی علمی تو یہ ہے کہ اس کے دنیوی اور اخروی

نقصانات کو معلوم کیا جائے کہ بخیل آدمی اسکے ذریعے اپنے مال میں تو اضافہ کرسکتا ہے مگر وہ مال رسوائی کا ذریعہ بنتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس سے حقوق ادا کرتا رہے کہ کل ندامت کا سامان نہ بنے اور عملی یہ کہ نفس پر جبر کر کے بہ تکلف خرچ کرنے کی عادت ڈالی جائے اور ضرورتوں کے وقت خرچ کرنے کی کوشش کی جائے اور یہ کہ خرچ محض اللہ کی خوشنودی کے لئے ہو امید ہے کہ اس طرح کرنے سے بتدریج بخل کی جڑ کٹ جائے گی اور خرچ کرنا خالص لوجہ اللہ بن جائے گا۔

فصل نمبر ۶

جاہ اور عزت:۔

قدیم اور جدید بالاستیعاب سارے انسانوں کی بجز کاملین کے طبعی خواہش ہوتی ہے کہ معاشرہ میں کوئی ایسا مقام حاصل کرنا چاہئے کہ لوگوں کی نگاہوں کا مرکز بنے اور جب مرے تو لوگوں میں اسکا ذکر باقی رہے اور صفحات تاریخ پر اس کا نام مرقوم ہو اسی خواہش کا نام حب جاہ ہے جس طرح مال محبوب ہے اسی طرح جاہ بھی پسندیدہ مطلوب ہے گویا دنیا کے دو رکن ہوئے مال اور جاہ یہ دونوں بذات خود مقصود نہیں ہیں کیونکہ سونا چاندی کو کھایا پیا نہیں جاسکتا ہے مگر چونکہ ان سے اغراض کے حصول میں مدد ملتی ہے اس لئے ان کی طلب میں ہر ایک تڑپ رہا ہے تاہم اغراض و مقاصد کا دارومدار جاہ پر زیادہ ہے کہ بسا اوقات وہ کام جو مال سے نہیں کیا جاسکتا ہے عزت اور شہرت کے ذریعہ اسے آسانی سے کرایا جاسکتا ہے دوم اس لئے کہ چونکہ انسان تلف مال سے ہمیشہ خائف رہتا ہے کہ چور کے ہاتھ اس تک نہ پہنچیں کوئی آفت سماوی اس کو ختم نہ کرے وغیرہ اور طول امل کی وجہ سے اپنی ضروریات بھی زیادہ دیکھتا ہے اس لئے اس کی خواہش ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں میں میری مقبولیت ہوتا کہ تعلقات کی وجہ سے ایک تو میرا مال محفوظ ہو دوسرے اگر مال نہ ہو تو جہاں جاؤں اپنے عقیدت مندوں اور دوستوں کی وجہ سے چین اور سکون سے وقت گزار سکوں اور ایک تیسری وجہ بھی حب جاہ کی بیان کی گئی ہے مگر وہ نہایت باریک ہے عام لوگوں کی فہم سے بالاتر ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کا مزاج مختلف چیزوں سے مرکب ہے ہر جز کے اعتبار

سے اس کو کچھ نہ کچھ خواہش ہوتی ہے لہٰذا یہ کبھی صفات بہیمیہ کی طرف مائل ہوتا ہے جیسے خورد ونوش و جماع اور کبھی درندگی کی طرف جیسے مار پیٹ اور کبھی صفات شیطانی کی طرف جیسے مکر وفریب وغیرہ اور چہارم صفات ربوبیت کی طرف جیسے کبر اور عزت اور طلب علو۔

اب جو دانا اور دانشمند لوگ ہیں وہ ان صفات میں اعتدال کا راستہ اختیار کرتے ہیں مگر جو نادان اور بے وقوف ہیں وہ اپنی خواہش کے مطابق کسی ایک جانب بہت زیادہ جھکنے لگتے ہیں کبھی انکا مقصد محض کھانا پینا بن جاتا ہے تو کبھی درندگی غالب آ کر قاتل اور ظالم بن جاتے ہیں اور بسا اوقات شیطان سے متاثر ہوکر چغلی حسد اور مکر وغیرہ میں پھنس جاتے ہیں تو کبھی اس بات کے خواہاں ہوتے ہیں کہ دنیا کے لوگ ان کو ماننے لگیں ان کی تعظیم اور توقیر کی جائے اور جب ایسا ہونے لگتا ہے تو ان کے نفس کو ایک نوع لذت حاصل ہوتی ہے پھر حرص کے مقتضی کے مطابق مزید شہرت وعزت کے لئے علم وعمل کے اظہار میں رغبت کرتا ہے مخلوق کو مطلع کرنے کے لئے حیلے اور وسیلے ڈھونڈتا ہے خالق کے مطلع ہونے پر قناعت نہیں کرتا لوگوں کے اچھے کہنے سے خوش ہوتا ہے صرف خدا کے اچھا کہنے پر صابر نہیں ہوتا اور اس وقت یہ یقین ہوجاتا ہے کہ جب لوگوں میں اچھی طرح مشہور ہوجاؤں گا تو پھر ان سے اپنا مقصد آسانی سے حاصل کرونگا خواہ وہ مقصد ووٹ کا ہو یا دوسری دنیوی غرض ہو۔

اور ظاہر ہے کہ شہرت یا تو مال خرچ کرنے سے حاصل ہوگی یا پھر عبادت کرنے سے دونوں سے انشاء اللہ ہم عنقریب فصل نمبرے میں بحث کریں گے تاہم مختصر طور پر اتنی بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ کوئی بھی عمل خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو جب جاہ اور شہرت کے لئے ہو اور اخلاص سے خالی ہو تو اگر چہ اس پر دنیاوی مقصد تو مرتب ہوجائے گا مگر آخرت میں اس کی کوئی قدر نہیں چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلا شخص جس کے خلاف قیامت کے دن فیصلہ ہوگا ایک آدمی ہوگا جو شہید کیا گیا ہوگا یہ شخص خدا کے سامنے لایا جائے گا پھر خداوند تعالیٰ اس کو بتائے گا کہ میں نے تجھے کیا کیا نعمتیں دی تھیں؟ وہ اللہ کی دی ہوئی سب نعمتوں کا اقرار کرے گا پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا بتا تو نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ وہ کہے گا میں نے تیری راہ میں جہاد کیا یہاں تک میں شہید

کر دیا گیا اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ کہتا ہے تو نے جہاد میں حصہ اس نیت سے لیا تھا کہ تیری بہادری کے چرچے ہوں سو (دنیا میں) تیری بہادری مشہور ہوگئی پھر اس کے لئے حکم خداوندی ہوگا اور وہ اوندھے منہ گھسیٹ کے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

اور اس کے ساتھ ایک دوسرا شخص ہوگا جس نے علم دین حاصل کیا ہوگا اور دوسروں کو اس کی تعلیم بھی دی ہوگی اور قرآن بھی خوب پڑھا ہوگا اس کو بھی خدا کے سامنے پیش کیا جائے گا اللہ تعالیٰ اس کو بھی اپنی بخشی ہوئی نعمتیں بتائے گا وہ سب کا اقرار کرے گا پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا بتا تو نے میری ان نعمتوں سے کیا کام لیا وہ کہے گا خداوندا میں نے آپ کا علم حاصل کیا اور دوسروں کو سکھایا اور آپ ہی کی رضا کے لئے قرآن میں مشغول رہا اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے یہ بات جھوٹ کہی تو نے تو علم دین اسی لئے حاصل کیا تھا اور قرآن تو اس لئے پڑھتا تھا کہ تجھ کو دنیا میں عالم اور قاری کہا جائے سو تجھے کہا گیا پھر اس کے لئے بھی خدا تعالیٰ کا حکم ہوگا اور وہ بھی اوندھے منہ گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

اور اسی کے ساتھ ایک تیسرا شخص ہوگا جس کو اللہ نے دنیا میں خوب دولت دی ہوگی اور ہر طرح کا مال اس کو عطا کیا گیا ہوگا وہ بھی خدا کے سامنے پیش کیا جائے گا اللہ تعالیٰ اس کو بھی اپنی نعمتیں بتلائے گا وہ سب کا اقرار کرے گا پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ تو نے میری ان نعمتوں سے کیا کام لیا وہ عرض کرے گا خداوندا جس جس راستہ میں اور جن جن کاموں میں خرچ کرنا تجھے پسند ہے میں نے تیرا دیا ہوا مال ان سب ہی میں خرچ کیا ہے اور صرف تیری رضا جوئی کے لئے خرچ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے یہ جھوٹ کہا درحقیقت یہ سب کچھ تو نے اس لئے کیا تھا کہ دنیا میں تو سخی مشہور ہو سو تیری فیاضی کے چرچے خوب ہوئے پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے بھی حکم ہوگا اور وہ بھی اوندھے منہ گھسیٹ کے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

(مسلم ص:۱۴۰ ج:۲)

کس قدر لرزا دینے والی ہے یہ حدیث' ابو ہریرہؓ اس حدیث کو بیان کرتے وقت کبھی کبھی بے ہوش ہو جاتے تھے اس طرح حضرت معاویہؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ ان کے سامنے یہ حدیث بیان

کی گئی تو وہ بہت روئے اور روتے روتے بے حال ہوگئے۔ یہ نتیجہ ہوا طلب جاہ کا کتنے بڑے بڑے اعمال بے معنی ہوکر سب سے پہلے جہنم میں ڈالے جانے کا سبب بن گئے یہی وجہ ہے کہ اکابر امت اور اسلاف شہرت سے پناہ مانگتے تھے۔

چنانچہ ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے شہرت کو اچھا جانا اس نے خدا کو نہیں مانا اور حضرت ابوعالیہ کے پاس جب تین آدمیوں سے زیادہ بیٹھتے تو آپ چلے جاتے اور حضرت طلحہ نے دیکھا کہ ان کے ساتھ قریب دس آدمیوں کے چلتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ طمع کی مکھیاں ہیں اور دوزخ کے پروانے اور حضرت سلیمان بن حنظلہ روایت کرتے ہیں کہ ہم حضرت ابی بن کعبؓ کے ساتھ پیچھے پیچھے جاتے تھے کہ ناگاہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہ ان پر پڑی آپ درہ لے کر ان پر اٹھے انہوں نے عرض کیا اے امیر المؤمنین آپ کیا کرتے ہیں ذرا تامل فرمایئے آپ نے فرمایا جس صورت سے تم جاتے ہو تابعین کے حق میں مقام لغزش اور تمہارے حق میں آزمائش ہے۔

اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابن مسعود ایک روز اپنے گھر سے نکلے ان کے پیچھے بہت سے لوگ ہولئے آپ نے ان کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ تم میرے پیچھے کیوں آتے ہو بخدا کہ جس سبب میں اپنا دروازہ بند رکھتا ہوں اگر تم کو معلوم ہوجائے تو دو شخص بھی میرے ساتھ نہ ہوں۔ (احیاء العلوم)

اس طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ایک دوسری رایت ہے کہ لوگوں علم کے چشمے اور چراغ ہدایت بنو اپنے گھروں میں بیٹھے رہو اور رات کے چراغ اور تازہ دل ہوجاؤ اور لباس پرانا پہنو کہ آسمان والے تم کو جانیں اور زمین والے نہ پہچانیں یہ حال تھا صحابہ اور اسلاف امت کا کہ علم کے سمندر مگر مزاج میں نہایت تواضع گمنامی کو پسند کرتے تھے اور شہرت سے بغض رکھتے تھے۔ زمانے میں کتنا انقلاب آ گیا اس بات کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ آج جتنا چھوٹا اور نالائق طالبعلم ہوتا ہے اتنے ہیاس کا دعوی اور ٹھاٹ باٹ بلند و بالا ہوتا ہے ہر ایک کو اپنے سے چھوٹا سمجھنا اور اپنے آپ کو اکابر میں شمار کرنا اپنے علم پر اعتماد کرنا اگرچہ وہ صحیح مطالعہ بھی نہ کرسکتا ہو شہرت کے لئے جان کی بازی لگانا اگرچہ وہ حرام اور ناجائز طریقے سے ہو

اگر چہ وہ اخباری تصویر یا ٹی وی کے ذریعہ ہو آج اکثر علماء کی دلی خواہش وتمنا ہے۔آج خطیب کو دیکھئے وہ اپنی ساری توانائی سجع وقافیہ پر خرچ کرتا ہے' مصنف ومؤلف کی کتاب کا مطالعہ کریں تو اس کی ساری کوشش غریب المعنی الفاظ کے جمع کرنے کی ہوتی ہے تا کہ لوگ مجھے مضمون نگار کہنے لگیں میری مضمون نویسی کا چرچا ہو لوگوں کی اصلاح سے ان کو کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

برزبان تسبیح ودر دل گاؤ وخر
ایں چنیں تسبیح کے کند اثر

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانے کے بعض مصنفین کی بڑی شکایت کی ہے کہ متقدمین تو تکلف سے پاک تھے ان کی نظر معنی پر ہوا کرتی تھی الفاظ پر نہیں مگر اب متاخرین نے معاملہ الٹا کر دیا کہ ان کی نگاہ زیادہ تر مقفی اور مسجع الفاظ کے جمع کرنے پر ہوتی ہے معنی جیسے بھی ادا ہو جائے حالانکہ اصل تو کلام میں معنی ہیں الفاظ تو دوال اور آلات ہیں یہ تو معنی کی ادائیگی کے لئے ذریعہ ہیں۔ چنانچہ بلاغت کاملہ میں اس امر کا اعتبار ضروری ہے' ملاحظہ ہو تلخیص کی عبارت۔

واصل الحسن فی ذلك كله ان يكون الالفاظ تابعة للمعانی دون العكس ۔

حتی کہ الفاظ کو اگر مقصد بنایا گیا تو حسن کلام فوت ہو جائے گا۔

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی ایک مثال پیش کی ہے اور اس سے بعض متاخرین کی عبارات کی مذمت کی ہے کہ ایک مرتبہ قم (مقام کا نام ہے) کے قاضی کے نام ابن عباد نے ایک خط لکھا جس میں انہوں نے تحریر کیا۔

ايها القاضی بقم' قد عزلناك فقم ۔

''اے ''قم'' کے قاضی ہم نے تجھے معزول کر دیا پس کھڑے ہو جاؤ۔''

جس پر قاضی قم نے کہا۔

والله ماعزلتنی الاهذه السجعة ۔

یعنی ابن عباد نے مجھے میری کوتاہی اور قصور کی بناء پر معزول نہیں کیا اور نہ ہی میرا معزول ہونا اس کا مقصد تھا مگر اس کو یہ سجع پسند آیا تو اس نے میرے پاس بھیجا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو بھوکے بھیڑئے جو بکریوں میں چھوڑ دیئے جائیں وہ بھی بکریوں کو اتنا تباہ کرنے والے نہیں جتنا آدمی کے دین کو مال اور بڑائی کی محبت تباہ کر دیتی ہے۔

(ترمذی صفحہ)

اسلاف کا ہمیشہ یہ معمول رہا ہے کہ حتی المقدور شہرت سے بچنے کی کوشش کرتے تھے ہر وہ تکلف جس سے شہرت کا اندیشہ ہو ان کو قطعاً پسند نہیں تھا۔ امام بخاری نے حضرت عمرؓ سے روایت نقل کی ہے ''نهينا عن التكلف'' اور مسند فردوس میں یہ حدیث حضرت زبیر بن عوام سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔

الاانی بریٔ من التکلف وصالحوا امتی ۔

''خبردار! میں اور میری امت کے صلحاء تکلف سے بری ہیں۔''

ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے۔

اللّٰھم انی وصالحوا امتی براء من کل متکلف ۔

''اے اللہ! میں اور میری امت کے صلحاء ہر تکلف کرنے والے شخص سے بری ہیں۔''

بلکہ اسلاف تو لباس میں بھی ایسا طریقہ اختیار کرتے تھے جو لوگوں کی نگاہوں سے محفوظ رہنے میں معاون ثابت ہو سکتا ہو اور اس لباس سے بچتے تھے جس سے لوگوں کا اشارہ اور نظر ان کی طرف متوجہ ہونے کا اندیشہ ہو یعنی نہ بہت زیادہ اعلیٰ لباس زیب تن فرماتے اور نہ ردی لباس کہ دونوں کی وجہ سے ایک امتیازی شکل اختیار ہو جاتی ہے بلکہ درمیانہ لباس پر اکتفاء کرتے تھے اور یہی طریقہ مسنونہ بھی ہے کہ عام مجالس میں انسان وہ لباس پہنے جو اس کے ہم مجلس لوگوں کے پاس ہے۔

اگرچہ بعض حالات میں اعلیٰ پہننے کی بھی اجازت ہے جیسے جمعہ وعیدین اور مہمانوں سے ملنے کے لئے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص شہرت کا لباس پہنے گا جب تک اس کو نہ اتارے گا اللہ تعالیٰ اس سے روگردان رہے گا۔ حضرت ابوہریرہ اور حضرت

زید بن ثابت سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شہرتوں سے منع فرمایا ہے صحابہ نے عرض کیا دو شہرتیں کیا ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ لباس کا پتلا اور گاڑھا ہونا نرم اور سخت ہونا بڑا اور چھوٹا ہونا۔ لیکن ہاں ان دونوں کے درمیان راستی و میانہ روی اختیار کرو اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا جو شخص شہرت والا لباس پہنے گا قیامت کے دن خدا اس کو ذلیل کرے گا۔ (تلبیس ابلیس)

ذرا غور کیجئے کہ ہمارا کون سا کام شہرت کے لالچ سے خالی ہے لاکھوں روپے لوگ خرچ کرتے ہیں مگر ان میں سے اکثر کی تمنا یہی رہتی ہے کہ لوگ مجھے اچھا کہنے لگیں میری قدر و عزت کی جائے اخبارات میں میرا نام آجائے ٹی وی پر میری تصویر آجائے۔ ہاں اگر بغیر نیت شہرت اور بلا قصد خواہش اچھے کام کی وجہ سے کسی کی شہرت ہو جائے تو یہ اخلاص کے منافی نہیں بلکہ ایک نعمت ہے اور حدیث شریف میں ایسی شہرت کو مؤمن بندہ کی بشارت کہا گیا ہے۔

علاج:۔

یہ سوچا جائے کہ عزت اور محبت کا آخری درجہ عبادت ہے لہٰذا اگر میں لوگوں میں اتنا معزز بن جاؤں کہ وہ میری عبادت کرنے لگیں تو زیادہ سے زیادہ میں ان کا مسجود بن جاؤں گا تو کیا یہ وصف انسان کو کامیابی کی راہ پر گامزن کرسکتا ہے کیا اس کو موت سے بچا سکتا ہے؟ کیا اس سے آخرت سنواری جاسکتی ہے؟ فرعون و نمرود اور شداد کو لوگوں نے سجدے کئے مگر ان کے سجدوں نے ان کو کوئی فائدہ نہیں دیا۔

اور پھر ہر اس کام سے گریز کرتا رہے جس سے شہرت کا اندیشہ ہو الا یہ کہ کوئی دینی کام ہو اور لوگوں کو بتائے بغیر اس کی تبلیغ ممکن نہ ہو۔

فصل نمبر ۷

ریا (دکھاوا):۔

ریا کے معنی یہ ہیں کہ عبادت کے ذریعے جاہ کو طلب کی جائے گویا اس کا سبب حب جاہ یعنی مرتبہ کو پسند کرنا ہے۔

ریا اخلاص کی ضد ہے دونوں کے درمیان وہ علاقہ ہے جو پانی اور آگ کے درمیان ہے یعنی تبائن اور منافات یہی وجہ ہے کہ دونوں پر ایسے اثرات مرتب ہوتے ہیں جو باہم متضاد ہوتے ہیں۔

بسا اوقات ایک چھوٹا سا عمل اخلاص کی بدولت بلند و بالا مرتبوں کا باعث بنتا ہے اس کے برعکس ایک عظیم عمل محض ریا کی وجہ سے نہ صرف ضائع ہو جاتا ہے بلکہ عذاب الٰہی کا باعث بنتا ہے۔

یہ اس لئے کہ ریا شرک اصغر اور شرک خفی ہے شرک حقیقی و اکبر اور جلی شرک تو اسے کہتے ہیں کہ اللہ کی صفات یا افعال میں کسی کو شریک ٹھہرایا جائے ایسے شخص کے بارے میں تو قطعی فیصلہ یہ ہے کہ بغیر توبہ کے اگر مر جائے تو جہنمی ہے۔

ان اللّٰہ لایغفر ان یشرك به ویغفر مادون ذالك لمن یشاء ۔(الآیة)

مگر شرک خفی وہ ہے کہ کسی عمل میں شرک کا دخل ہو یعنی غیر اللہ کی رضامندی یا اپنی شہرت وغیرہ کو اس میں ملحوظ رکھا جائے یہ گناہ کبیرہ اور حرام ہے اور ایسا عمل جس میں ریا دخیل ہو بالاتفاق باطل ہے۔

والریاء اذاوقع فی عمل من الاعمال فانه یبطل اجره۔

(الفقہ الاکبر ص:۲۱)

''کسی بھی عمل میں جب ریاء شامل ہو جائے تو اس عمل کا اجر و ثواب ختم ہو جاتا ہے۔''

اس کے شرک خفی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب آدمی کوئی اچھا عمل اس لئے کرتا ہے کہ لوگوں میں مقبول اور مشہور ہو جائے تو درحقیقت یہ عمل اللہ کے لئے نہیں بلکہ لوگوں کے لئے ہوا اور ہر عبادت جو غیر اللہ کے لئے ہو اس کو شرک کہتے ہیں ہاں البتہ یہ شرک چونکہ صرف اللہ کو معلوم ہے کسی اور کو اس کا علم اکثر نہیں ہوتا ہے تو گویا یہ سری شرک ہوا۔

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خطرہ شرک اصغر کا ہے بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ شرک اصغر کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا یعنی کوئی نیک کام لوگوں کے دکھاوے کے لئے کرنا۔

(مسند احمد ص:۴۲۸ ج:۵)

اور حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے سنا آپ فرماتے تھے جس نے دکھاوے کے لئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کے لئے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کے لئے صدقہ خیرات کیا اس نے شرک کیا۔

(مسند احمد ص:۱۲۶ ج:۴)

اس حدیث میں حصر مقصود نہیں بلکہ بطور تمثیل تین چیزوں کو بیان فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی عبادت مالی ہو یا بدنی اگر لوگوں کے دکھاوے کے لئے اور ان کی نظروں میں معزز و محترم بننے کے لئے یا ان سے کوئی دنیوی فائدہ حاصل کرنے کے لئے ہو تو وہ ایک درجہ کا شرک ہی ہوگا۔ اور اس کا کرنے والا بجائے ثواب کے سخت وعید کا مستحق ہوگا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرہ مبارک سے نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے اس وقت ہم لوگ مسیح دجال کا کچھ تذکرہ کر رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا کیا میں تم کو وہ چیز بتاؤں جو میرے نزدیک تمہارے لئے دجال سے بھی زیادہ خطرناک ہے ہم نے عرض کیا حضور ضرور بتائیں وہ کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شرکِ خفی ہے (جس کی ایک مثال یہ ہے) کہ آدمی نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو پھر اپنی نماز کو اس لئے لمبا کر دے کہ کوئی آدمی اس کو نماز پڑھتا دیکھ رہا ہے۔

(سنن ابن ماجہ ص:۳۲۰)

سنن ابن ماجہ کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ اپنی امت کے شرک میں مبتلا ہونے کا خطرہ ظاہر فرمایا تو بعض صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا ایسا ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی امت شرک میں مبتلا ہو جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو اطمینان ہے کہ میرے امتی چاند سورج اور پتھر اور بتوں کو نہیں پوجیں گے لیکن یہ ہو سکتا ہے اور ہوگا کہ ریا والے شرک میں مبتلا ہوں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک شرک چونکہ تمام گناہوں میں سب سے بڑا گناہ اور جرم ہے اس لئے ریا کار بندہ اور اس کا عمل اللہ کو مبغوض ہے اور ایسے عمل کی جس میں شرک کی ذرا بھی آمیزش ہو کوئی قدر نہیں بلکہ الٹا عذاب کا موجب بنتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔

من کان یرید العاجلة عجلنا له فیها مانشاء لمن نرید ثم جعلنا له جهنم یصلٰها مذموماً مدحوراً۔ (سورہ اسراء)

''جو کوئی چاہتا ہو پہلا گھر جلد دے دیں گے ہم اس کو اسی میں جتنا چاہیں جس کو چاہیں پھر ٹھہرایا ہے ہم نے اس کے واسطے دوزخ داخل ہوگا اس میں اپنی برائی سن کر دھکیلا جا کر۔''

اور ارشاد ہے۔

وقدمنا الی ماعملوا من عمل فجعلناه هباء منثوراً ۔

(الفرقان)

''اور ہم پہنچے ان کے کاموں پر جو انہوں نے کئے تھے پھر ہم نے کر ڈالا اس کو خاک اڑتی ہوئی۔''

فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں آیتوں کو ملا کر یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جب ریا کار کا مقصد اپنی عبادت سے دنیاوی فائدہ حاصل کرنا ہے اور اس کو وہ مقصد دنیا میں حاصل ہو گیا اور عبادت تو اخلاص سے خالی تھی تو اللہ کے پاس اس کی کوئی چیز یعنی ثواب وغیرہ باقی نہیں بس ایک خوش فہمی ہے جس میں ریا کار مبتلا ہے۔

ابن کثیر وغیرہ نے بھی یہی مطلب لیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں شرک سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں پس جو شخص کوئی عمل کرے جس میں میرے ساتھ کسی اور کو بھی شریک کرے تو میں اس کو اور اس کے شرک کو دونوں کو چھوڑ دیتا ہوں اور ایک روایت میں ہے کہ میں اس سے بے زار اور بے تعلق ہوں وہ عمل صرف اس دوسرے کے لئے ہے جس کے لئے اس نے کیا۔ (صحیح مسلم ص:۴۱۱ ج:۲)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم لوگ جب الحزن (غم کے کنویں یا غم کی خندق) سے پناہ مانگا کرو۔ بعض صحابہ نے عرض کیا حضرت جب الحزن کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہنم میں ایک وادی یا خندق ہے خود جہنم ہر دن میں

چار سو مرتبہ اس سے پناہ مانگتی ہے۔عرض کیا گیا یارسول اللہ اس میں کون لوگ جائیں گے آپ نے فرمایا وہ بڑے عبادت گزار یا وہ زیادہ قرآن پڑھنے والے جو دوسروں کو دکھاوے کے لئے اچھے اعمال کرتے ہیں۔(جامع ترمذی ص:۶۳ ج:۲)

مذکورہ بالا آیات واحادیث سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں کہ ریاکاروں کی عبادت کا ثمرہ آخرت تک باقی نہیں رہے گا بلکہ دنیا ہی میں جو کچھ اس پر مرتب ہو اس کو اس کا معاوضہ سمجھنا چاہئے ایک حکیم کا قول ہے کہ ریاکار کے عمل کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص اپنا بٹوہ کنکریوں سے بھر کر بازار کی طرف نکلے لوگ اس بٹوہ کو دیکھ کر تعجب کرتے ہیں کہ اس شخص کے پاس بہت روپے ہیں مگر اس کا حال یہ ہے کہ اگر خریداری کرنا چاہے تو کوئی شخص ان کنکریوں پر بیچنے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔

ایک اور حکیم کا کہنا ہے کہ جس نے سات کام بغیر سات کے کئے اس کو ان کاموں کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔اول یہ کہ جو شخص یہ کہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں مگر گناہوں سے نہیں بچتا تو اس خوف کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔دوم یہ کہنا کہ میں اللہ کی طرف سے ثواب کا پرامید ہوں مگر نیک عمل نہیں کرتا تو اس کہنے کا کوئی نفع نہیں ہے۔سوم یہ کہ عمل صالح کی نیت تو کرتا رہتا ہے مگر اس کا قصد نہیں کرتا یعنی عملی اقدام کو ضروری نہیں سمجھتا تو اس نیت میں خیر نہیں۔ چہارم اللہ سے دعائیں تو مانگتا ہے مگر توجہ اور انکساری نہیں کرتا ہے تو یہ دعائیں قبول نہیں ہوتی ہیں۔پنجم توبہ واستغفار کرتا ہے مگر گناہوں پر ندامت نہیں کرتا تو اس توبہ کا کوئی فائدہ نہیں۔ششم کہ جلوۃ میں یعنی لوگوں کے سامنے تو عبادت میں خشوع اور خضوع کی کوشش کرتا ہے مگر تنہائی میں عبادت بغیر تواضع کے ہوتی ہے تو اس تواضع کا کوئی فائدہ نہیں۔ہفتم کہ عبادت تو کرتا ہے مگر اس میں اخلاص نہیں یعنی خالص لوجہ اللہ نہیں کرتا ہے تو اس عبادت کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ محض شیطانی دھوکہ اور خوش فہمی ہے۔

کتنا بڑا خسارہ ہے کہ آدمی عبادت کرتا رہے اور خیال یہ کرتا ہے کہ قیامت میں اس پر مجھے ثواب ملے گا کامیابی اور نجات حاصل ہوگی مگر جب قیامت قائم ہو جائے گی تو اس سے کہا جائے گا کہ جاؤ اس سے اپنی اجرت لے لو جس کے لئے عمل کیا ہے اس وقت اس کی مثال ایسی ہوگی کہ دوپہر کے وقت

جنگل میں ایک پیاسے کو دور سے پانی دکھائی دیا جو درحقیقت چمکتی ہوئی ریت تھی پیاسا شدت تشنگی سے بے تاب ہو کر وہاں پہنچا دیکھا تو پانی وانی کچھ نہ تھا ہاں ہلاکت منتظر تھی۔ اللہ اکبر یہ کیسی حسرت کا وقت ہوگا کہ جن اعمال کو ذریعہ قرب ونجات سمجھتا تھا وہ راکھ کے ڈھیر کی طرح عین اس موقع پر بے حقیقت ثابت ہوئے جب دوسرے لوگ اپنی نیکیوں کے ثمر شیرین سے لذت اندوز ہو رہے ہیں۔

ریاکاری صرف نماز تک محدود نہیں بلکہ اس کا دائرہ بہت وسیع ہے:۔

ریاکاری کا اطلاق نماز کے علاوہ تمام عبادات پر ہوتا ہے حتی کہ ہیئت وتشکل وغیرہ میں بھی ریا ہوسکتا ہے مثلاً ایسی غمگین صورت بنانا تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس کو آخرت کی بڑی فکر ہے چلن میں ضعف ظاہر کر کے سر جھکانا تاکہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہو جائیں اور خیال ظاہر کریں کہ یہ حالت وجد میں ہے یا ایسا لباس اختیار کرنا کہ لوگ اسے صوفی سمجھیں اسی طرح لوگوں کے سامنے دعا میں جدوجہد ظاہر کرنا تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس درجہ متقی ہے کہ جیسا ہی دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہے تو رونے لگتا ہے۔

اس بارے میں اسلاف کے رہنما اصول:۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو گردن جھکائے دیکھا آپ نے فرمایا کہ او گردن والے اپنی گردن اٹھا! کہ خشوع گردنوں میں نہیں ہے بلکہ دلوں میں ہے اور حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو مسجد میں سجدے کے درمیان روتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ تو یہ بات اگر اپنے گھر کرتا تو اچھا ہوتا۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ ریاکار کی تین علامتیں ہیں جب اکیلا ہو تو سست ہو اور جب مجمع میں ہو تو خوش ہو اور جب اس کی کوئی تعریف کرے تو عمل زیادہ کرے اور اگر کوئی مذمت کرے تو کم۔

ابن جوزیؒ نے لکھا ہے کہ جو لوگ مجمع میں رونا شروع کرتے ہیں یہ بات اگرچہ ایسی ہے کہ کبھی دل نرم ہو کر گریہ طاری ہوتا ہے لیکن جو شخص اس کو روک سکتا ہو پھر نہ روکے تو اس نے اپنے نفس کو ریاکاری کے لئے پیش کیا۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حدیث روایت کی ہے کہ مرد کی سب سے بہتر نماز اس کے گھر میں ہے سوائے فرض نماز کے یہ حدیث صحیحین میں ہے۔ عامر بن عبد قیس کو ناگوار ہوتا تھا کہ کوئی

ان کو نماز پڑھتے دیکھے وہ کبھی مسجد میں نوافل نہ پڑھتے حالانکہ ہر روز ہزار رکعت پڑھا کرتے تھے۔ابن ابی لیلیٰ جب نماز پڑھتے اور کوئی آنے والا آتا تو لیٹ جاتے۔

عاصمؒ نے کہا کہ ابووائلؒ جب اپنے گھر میں نماز پڑھتے تو ان کے رونے سے نرم دردناک آواز نکلتی تھی اور اگر کسی کے سامنے ایسا کرنے کو ان سے کہا جاتا تو کبھی نہ کرتے اگرچہ ان کو سب دنیا دے دی جاتی۔

ابوایوب سختیانیؒ کا یہ حال تھا کہ جب مجلس میں ان پر رونا غالب ہوتا تو اٹھ کھڑے ہوتے تھے اور جب کسی حدیث کی روایت میں رقت طاری ہوتی تو چہرہ پونچھنے لگتے اور کہتے کہ زکام بہت سخت ہوتا ہے۔

ربیع بن خیثمؒ کے کل اعمال مخفی تھے بارہا ایسا ہوا کہ انہوں نے تلاوت کے لئے مصحف کھولا تھا کہ اچانک کوئی آ گیا تو اس کو اپنے کپڑے کے نیچے چھپا لیتے تھے۔

امام احمد بن خلیلؒ قرآن بہت پڑھا کرتے تھے لیکن یہ پتہ نہیں لگتا کہ کب ختم کرتے ہیں۔ (تلبیس ابلیس)

لیکن ہمارے زمانے میں اس بات کو بہت پسند کیا جاتا ہے کہ عبادت سے زیادہ لوگوں کو آگاہی ہو حتی کہ درود شریف اور اذکار بھی لاؤڈ اسپیکر کے بغیر معیوب سمجھے جاتے ہیں او یہ کوشش ہوتی ہے کہ دعا کے وقت لوگوں کے سامنے رویا جائے ورنہ تو کم از کم رونے کی شکل تو بنائی جائے۔نعوذ باللہ من ذلک ارشاد باری ہے کہ۔

ادعوا ربکم تضرعاً وخفیة ۔ واذنادی ربه نداء خفیاً۔ انه لایحب المعتدین ۔ ای الجاهرین بالدعاء ۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ'' انه لایحب المعتدین '' کی وضاحت میں لکھتے ہیں ای الجاهرین بالدعاء یعنی اللہ بلند آواز سے دعا مانگنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔(شامی ص:۲۳۳ ج:۲)

بہت سے مفسرین نے بھی یہی مطلب بیان کیا ہے۔

علاج:۔

ریا بڑا مہلک مرض ہے اس کا علاج پوری مستعدی کے ساتھ ہونا چاہئے کیونکہ اس کے اسباب زیادہ ہیں حب جاہ کے علاوہ محبت مال اور مذمت کا خوف بھی اس کے قریبی اسباب ہیں لہٰذا اسباب کو جب تک ختم نہ کیا جائے ریا سے بچنا مشکل ہے حب مال اور حب جاہ کا علاج تو گذر چکا ہے اور اگر ریا خوف مذمت کی وجہ سے ہو تو یہ بات ذہن نشین کرنی چاہئے کہ اگر میں عنداللہ پسندیدہ ہوں تب تو لوگوں کی مذمت مجھ کو نقصان نہیں پہنچا سکتی ہے پھر ڈروں تو کیوں ڈروں ولا یخافون لومة لائم کا مصداق بننا چاہئے۔

پس اگر ریا عبادت شروع کرنے سے پہلے عارض ہو جائے تو اس کے لئے اخلاص کی ضرورت ہے جس کا بیان آگے آئے گا۔ انشاء اللہ اور اگر اثنائے عبادت میں ہو یا عبادت سے فارغ ہونے کے بعد ہو تو اس وقت فوراً ان اسباب کا ازالہ ضروری ہے جس کی وجہ سے دل میں ریا داخل ہوا۔

انتباہ:۔

ریا کی وجہ سے عبادت کو ترک کرنا نہیں چاہئے بلکہ مخفی کرنے کی کوشش کی جائے اگر ممکن نہ ہو تو فراغت کے بعد ندامت کے ساتھ استغفار کا التزام کیا جائے تاکہ ریا کا گناہ ہلکا ہو اور اخلاص کی توفیق نصیب ہو۔ اس طرح اگر لوگوں کو خود بخود اس کی عبادت کا پتہ چلے یا اس کو اس بات سے خوشی ہو جائے تو بھی عبادت کو ترک نہ کرے کیونکہ یہ اخلاص کے منافی نہیں ہے ایسا ہی واقعہ ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو پیش آیا تھا کہ وہ اپنے گھر میں نماز پڑھ رہے تھے اس حال میں ایک شخص آیا اور اس نے ان کو نماز پڑھتا ہوا دیکھا وہ کہتے ہیں کہ میرے دل میں اس بات سے خوشی پیدا ہوئی کہ اس شخص نے مجھے نماز جیسے اچھے کام میں مشغول پایا انہوں نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا (تاکہ خدانخواستہ اگر یہ بھی ریا کاری کی کوئی شاخ ہو تو اس سے توبہ واستغفار کیا جائے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اطمینان دلایا کہ یہ ریا نہیں بلکہ تم کو اسی صورت میں جلوت کی نیکی کا بھی ثواب ملے گا اور خلوت کی نیکی کا بھی۔

(معارف الحدیث)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو اعمال اخلاص کی ساتھ اللہ ہی کے لئے کئے جائیں لیکن عمل کرنے والے کے ارادہ اور کوشش کے بغیر اللہ کے دوسرے بندوں کو ان کا علم ہو جائے اور پھر اس کو اس سے خوشی ہو تو یہ اخلاص کے منافی نہیں ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کوئی نیک عمل اس لئے لوگوں کے سامنے کرتا ہے کہ وہ اس کی اقتداء کریں اور اس کو سیکھیں تو یہ بھی ریا نہ ہوگا بلکہ اسی صورت میں اللہ کے اس بندے کو تعلیم وتبلیغ کا ثواب ملے گا بہت سی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے اعمال میں یہ مقصد بھی ملحوظ ہوتا تھا۔

امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ اس نیت سے بھی دکھاوا ور یا معیوب نہیں کہ لوگ میرے عمل پر گواہ رہیں گے مذکورہ بحث قوت شہوانیہ کے متعلق تھی اور اب قوت غضبیہ کے افراط وتفریط کی تباہ کاریاں۔

فصل نمبر ۸

غضب، غصہ:۔

جب اللہ نے حیوان اور انسان کو ایسا بنایا ہے کہ اسباب داخلی اور خارجی سے ہلاک ہو جاتا ہے تو اپنے خزانہ انعام سے ایک ایسی شے بھی عنایت فرمائی ہے کہ جس کے سبب وقت مقررہ تک وہ فنا سے محفوظ رہے مثلاً داخلی اسباب میں ایک حرارت ہے جو کہ عناصر اربعہ میں سے ایک ہے اور رطوبت غریزہ یعنی پیدائشی کو کھاتی رہتی ہے پس اگر رطوبت ختم ہو جائے تو حیوان مرجائے گا اس لئے اللہ نے اس کی غذا میں مرطوب اشیاء ملا کر اس نقصان کا جبیرہ بنا دیا جو حرارت کی وجہ سے پیدا ہوا تھا وعلی ہذا القیاس دیگر اجزا کا بھی یہی ضابطہ ہے کہ بدن کو جس چیز کی ضرورت پڑتی ہے تو طبعیت خود اس چیز کی مشتہی ومشتاق ہو جاتی ہے مثلاً اگر بدن کو خون کی ضرورت ہو تو طبعیت گوشت کی اشتیاق کرتی ہے اگر نمک کی کمی ہو تو طبعیت خود نمکین کا مطالبہ کر دیتی ہے اگر بلغم کی کمی ہو تو مزاج دودھ اور گھی وغیرہ کا مشتاق ہو جاتا ہے اگر شوگر کی کمی ہو تو میٹھا چاہتا ہے اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ طبعیت جس غذا کو نہ چاہے اس کو نہیں کھانا چاہئے کہ

بدن کو اس چیز کی ضرورت نہیں بلکہ کھانے سے فساد اور عدم توازن کا خطرہ رہتا ہے۔ الغرض حرارت کی تباہی سے بچنے کے لئے رطوبت کا ہونا ضروری ہے۔

اسی طرح اسباب خارجیہ میں ہتھیار وغیرہ سے ہلاکت طاری ہوتی ہے اس سے بچنے کے لئے اللہ نے غصے کا انتظام کرلیا ہے تاکہ غصے کی بدولت ہتھیار سے بچا جاسکے۔ یہ غصہ اسی حرارت غریزہ کا ثمرہ اور نتیجہ ہے جو بدن کے اندر بطور جزا اصلی کے موجود ہے۔ لہٰذا جس کے مزاج میں حرارت زیادہ ہوگی اس کو غصہ بھی زیادہ آئے گا۔ گرم مزاج کا پتہ بالوں سے لگتا ہے اگر بال سخت اور سیدھے ہوں تو مطلب یہ کہ مزاج زیادہ گرم ہے خاص طور پر سر کے بالوں کا اس سے گہرا تعلق ہے اور یہی وجہ ہے کہ غصہ کی حالت میں آنکھیں سرخ اور چہرہ بالکل لال ہوتا ہے اور آدمی میں اضطرابی کیفیت پائی جاتی ہے حواس بالکل مضطرب ہوجاتے ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ غصہ کی منشا حرارت ہے کیونکہ حرارت میں اشتعال اور حرکت ایک فطری چیز ہے اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو حضرت عطیہ بن عروہ سعدیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غصہ شیطان کے اثر سے ہوتا ہے اور شیطان کی آفرینش آگ سے ہوئی ہے اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے لہٰذا جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اس کو چاہئے کہ وہ وضو کرے۔ (ابوداؤد ص:۳۰۴ ج:۲)

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

ایاکم والغضب فانه یوقد فی فؤاد ابن آدم النار۔

''غصے سے بچتے رہو کہ یہ بنی آدم کے دل میں آگ لگا دیتا ہے۔''

اور ایک روایت میں جمرة فی قلب ابن آدم کے الفاظ ہیں یعنی غصہ بنی آدم کے دل میں ایک چنگاری ہے کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ جب تم میں سے ایک غصہ ہوجاتا ہے تو اس کی آنکھیں سرخ ہوجاتی ہیں اور اوداج (گردن کی رگیں) پھول جاتی ہیں بس جو اس کو محسوس کرے وہ زمین کے ساتھ پیوست ہوجائے یعنی لیٹ جائے۔

ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ ہر فضیلت کی بنیاد رذیلت ہے اور یہ کہ فضیلت اعتدال قوت کا نام

ہے لہٰذا غصہ کا بالکل معدوم ہونا کہ آدمی کو بالکل غصہ نہ آئے یہ عیب ہے اور ایسے ہی شخص کو بے غیرت کہا جاتا ہے اور جس خاندان میں غیرت نہ ہو اس خاندان کی عورتوں میں زنا بکثرت ہوتا ہے اس لئے یہ بات مشہور ہے کہ جس قوم کے مردوں میں غیرت ہوتی ہے ان کی عورتوں میں حفاظت رہتی ہے اور نسب خلط ملط سے محفوظ رہتا ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو باوجود غصہ دلانے کے غصہ نہ آوے تو وہ گدھا ہے اس سے معلوم ہوا کہ غصہ اور حمیت بالکلیہ نہ ہونا بہت نقصان کی بات ہے اسی طرح غصہ کا اتنا غلبہ کہ عقل و دین کی اطاعت سے آدمی نکل جائے اور بصیرت بالکل ختم ہوجائے یہ بھی مذموم ہے جس کا بیان آنے والا ہے۔

معتدل قسم غصہ کی وہ ہے جو افراط وتفریط کے درمیان ہو یہ غصہ اچھا اور محمود ہے کہ اسمیں غصہ عقل و دین کے اشارہ کا تابع رہتا ہے جس جگہ شریعت وعقل انتقام لینے کا حکم دیتی ہے وہاں انتقامی کاروائی کی جاتی ہے اور جہاں صبر کی تلقین کرلیتی ہے وہاں صبر اور حلم کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اشداء علی الکفار رحماء بینھم ۔

چونکہ غصہ کی وہ قسم جو حد اعتدال سے باہر ہوجائے مذموم ہے اس لئے مناسب یہ ہے کہ اس کو موضوع بحث بنایا جائے کیونکہ غصہ پر جملہ وعیدیں اس حالت کے متعلق ہیں کیونکہ غصہ کی یہ حالت برے اخلاق میں سے ایک خطرناک اور بدانجام خصلت ہے کہ اس حالت میں آدمی کو نہ اللہ تعالیٰ کی حدود کا خیال رہتا ہے نہ اپنے نفع ونقصان کا بلکہ کبھی کبھی غصہ کی آگ اتنی شدید ہوتی ہے کہ اس سے موت بھی واقع ہوجاتی ہے اور جب تک انتقام نہ لیا جائے تو یہ آگ برقرار رہتی ہے البتہ اگر غصہ ایسے آدمی پر آجائے جس سے انتقام لینا ناممکن یا مشکل ہو تو اس کا دباؤ دل پر ہوتا ہے اور اس شخص سے انتقام لینے کے بجائے حسد کینہ اور عداوت وغیرہ سے دل بھر جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب غصہ اپنے سے کمزر پر آجائے تو چہرہ اور آنکھیں سرخ ہوجاتی ہیں مگر اپنے سے طاقتور پر غصہ کی حالت میں چہرہ زرد ہوجاتا ہے کہ غصہ کا دباؤ اب

چہرے کے بجائے دل پر ہے اور اگر مساوی ہو تو دونوں کیفیتیں بیک وقت دیکھنے میں آتی ہیں۔

بہر حال تجربہ اور مشاہدہ یہی ہے کہ انسان پر شیطان کا قابو جیسا غصہ کی حالت میں چلتا ہے ایسا شاید کسی دوسری حالت میں نہیں چلتا۔ گویا اس وقت انسان اپنے بس میں نہیں ہوتا بلکہ شیطان کی مٹھی میں ہوتا ہے حد یہ کہ غصہ کی حالت میں آدمی کبھی کبھی کفریہ کلمات بھی بکنے لگتا ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ غصہ دین وایمان کو اس طرح خراب کر دیتا ہے جس طرح ایلوا شہد کو خراب اور بالکل کڑوا کر دیتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضرت مجھے کوئی وصیت فرمایئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا غصہ مت کیا کرو اس نے پھر اپنی وہی درخواست کئی بار دہرائی کہ حضرت مجھے اور وصیت فرمایئے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر دفعہ یہی فرمایا کہ غصہ مت کیا کرو۔ (بخاری ص:۹۰۲ ج:۲)

حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سخت گو اور درشت خو آدمی جنت میں نہیں جائے گا۔ (ابوداؤد ص:۳۰۵ ج:۲ کتاب الادب باب حسن الخلق)

فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ نے لکھا ہے کہ غصہ کے دوران صبر کو لازم پکڑو اور جلدی نہ کرو اس لیے کہ ہر ایک کے ساتھ تین تین چیزیں لازم ہیں جلدی کرنے کے تین نتیجے یہ ہیں ندامت دوم ملامت سوم عقوبت یعنی نفس نادم ہو جاتا ہے اور لوگ ملامت کرتے ہیں اور اللہ عذاب دیتا ہے اور صبر میں جو تین چیزیں ہیں وہ یہ ہیں کہ بعد میں خود بھی خوش ہوتا ہے اور لوگ بھی تعریف کریں گے اور اللہ بھی ثواب دے گا۔

حکایت:۔

وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ ایک راہب اپنی عبادت گاہ میں تھا شیطان نے اس کو گمراہ کرنا چاہا مگر وہ اپنی بات پر پکا رہا تو شیطان ایک بار اس کے حجرہ کے پاس آیا اور اس کو پکار کر کہا کہ دروازہ کھول دے اس نے جواب نہ دیا شیطان نے پھر کہا کہ دروازہ کھولو ورنہ اگر میں چلا جاؤں گا تو پچھتاوے گا اس

نے پھر بھی کوئی توجہ نہ کی پھر کہا کہ مسیح ہوں راہب نے کہا کہ مسیح ہے تو میں کیا کروں؟ مسیح نے ہم کو ریاضت وعبادت کا حکم فرمایا ہے اور قیامت میں ملنے کا وعدہ کیا ہے اگر خلاف وعدہ قیامت سے پہلے آج ہی ملنے چلے آویں گے تو ہم کب مانتے ہیں پھر شیطان نے اس سے کہا کہ میں شیطان ہوں تجھے بھٹکانا چاہتا تھا سو نہ ہوسکا اب اس واسطے آیا تھا کہ جو تو پوچھے بتادوں اس نے کہا مجھے کچھ پوچھنا منظور نہیں پس شیطان وہاں سے پھرا اتنے میں راہب نے کہا سنتا ہے یا نہیں اس نے کہا سنتا ہوں کہا کہ مجھے یہ بتادے کہ آدمی کی عادتوں میں سے کونسی تیری زیادہ مدد کرتی ہے؟ اس نے کہا تیزی اور غصہ۔ آدمی جب غصہ ہوتا ہے تو ہم اس کو ایسے لوٹ دیتے ہیں جیسے لڑکے گیند کو لڑھکاتے ہیں۔

(احیاء علوم الدین ص:۱۶۲ ج:۳)

حضرت خیثمہ فرماتے ہیں کہ شیطان کا مقولہ ہے کہ ابن آدم مجھ پر کیسے غالب ہوسکتا ہے جب وہ راضی رہتا ہے تو میں اس کے دل میں رہتا ہوں اور جب غصہ ہوتا ہے تو اڑکر اس کے سر میں چلا جاتا ہوں۔

کسی نے عبداللہ بن مبارکؒ سے پوچھا کہ آپ حسن خلق کو مجملاً ایک لفظ میں بیان کریں آپ نے فرمایا کہ ترک غضب کا نام حسن خلق ہے اور ایک نبی علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ کوئی ایسا شخص ہے جو مجھے اس بات کی ضمانت دے کہ کبھی غصہ نہ کرونگا اور میرے ساتھ جنت میں درجہ پاوے اور میرے بعد خلیفہ اور جانشین ہو ایک جوان نے عرض کیا میں کبھی غصہ نہ کرونگا پھر آپ نے دوبارہ کہا تو پھر اس شخص نے کہا میں ایسا ہوں اور ان کی زندگی بھر اپنے عہد کو پورا کیا اور ان کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ ہوئے یہ تھے ذوالکفل یعنی ضمانت والے کہ جس بات کی ضمانت دی تھی اس کو پورا کیا۔

وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں کفر کے چار رکن ہیں ایک غضب دوسرا شہوت سوم حماقت چہارم طمع۔

حکایت:۔

ایک مرتبہ ابلیس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اللہ نے آپ کو اپنے

رسالت کے لئے منتخب فرمایا ہے اور آپ سے ہم کلام ہوا ہے میں بھی اللہ کی مخلوق میں سے ایک ہوں اور چاہتا ہوں کہ اپنے جرم سے توبہ تائب ہوجاؤں لہٰذا آپ میری سفارش کیجیے تاکہ میری دعا قبول ہوجائے۔ یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام کو بڑی خوشی ہوئی اور فوراً پانی منگا کر وضو کر کے نماز پڑھی اور پھر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے کہ اے اللہ! ابلیس آپ کی مخلوق ہے اور توبہ کی درخواست کرتا ہے لہٰذا اس کی توبہ قبول فرمایئے اللہ نے فرمایا اے موسیٰ ابلیس کبھی بھی توبہ نہیں کرے گا آپ نے کہا وہ تو اس کی درخواست پیش کرتا ہے تو اللہ نے وحی نازل فرمائی کہ اے موسیٰ تیری دعا قبول ہے سو تو ابلیس سے کہہ دے کہ آدم کی قبر کو سجدہ کرے پس موسیٰ علیہ السلام کو خوشی ہوئی اور ابلیس سے سجدہ کرنے کے لئے کہا شیطان نے جب سجدہ کے متعلق سنا تو غصہ ہو کر کہنے لگا کہ جب میں نے اس وقت سجدہ نہیں کیا جس وقت وہ حیات تھے اب کیسے کرونگا۔

پھر ابلیس نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا آپ نے میری سفارش کر کے میرے اوپر احسان کیا لہٰذ امیں آپ کو تین باتوں کی وصیت کرتا ہوں کہ تین وقتوں میں مجھے یاد کرلیا کریں ایک یہ کہ جب آپ کو غصہ آئے تو مجھے یاد کیا کریں یعنی مجھ سے بچنے کی کوشش کیا کریں کیونکہ میں اس وقت دل میں ہوتا ہوں اور خون کی طرح رگوں میں دوڑتا ہوں دوم یہ کہ جب میدان جنگ میں دشمن سے آمنا سامنا ہوجائے اس لئے کہ اس وقت میں آدمی کے پاس آتا ہوں اور اس کو بیوی اولاد اور مال وغیرہ کی یاد دلاتا ہوں یہاں تک کہ واپس ہوجائے سوم یہ کہ کسی اجنبیہ عورت کے ساتھ مت بیٹھنا کیونکہ اس وقت میں دونوں کے درمیان سفیر ہوتا ہوں یعنی دونوں کو مائل کرتا ہوں زنا کی طرف۔ (تنبیہ الغافلین ص:۷۷)

علاج:۔

چونکہ غصہ حرارت کا نتیجہ ہے اور یہ حرارت حد اعتدال سے اس وقت خارج ہوتی ہے کہ جب کوئی خلاف طبع چیز پیش آئے لہٰذا جس چیز کی بناء پر غصہ آیا ہے اس سے دور ہو کر زمین سے قریب ہو کر پانی کا استعمال کیا جائے گویا غصہ کا علاج دو چیزوں سے مرکب ہے ایک زمین کی طرف جھکاؤ۔ دوسرے پانی کا استعمال۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ غصہ چونکہ حرارت سے پیدا ہوتا ہے اور حرارت میں دو چیزیں ہوتی

ہی ایک گرمائش دوم آسمان کی طرف حرکت کرنا لہٰذا دونوں کو ختم کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ آدمی زمین کی طرف میلان کر کے ٹھنڈی چیز سے غصہ کے بنیادی دونوں اسباب ختم کرے یہی علاج احادیث سے بھی ثابت ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو چاہئے کہ بیٹھ جائے پس اگر بیٹھنے سے غصہ فرو ہو جائے تو فبہا اور اگر پھر بھی غصہ باقی رہے تو چاہئے کہ لیٹ جائے۔ (مسند احمد ص:۱۵۲ ج:۵ جامع ترمذی)

اور عطیہ بن عروہؓ کی حدیث میں جو فصل کے شروع میں گذر چکی ہے اس میں وضو کرنے کی تصریح ہے اس سے معلوم ہوا کہ اگر اس وقت کوئی پانی پئے تو بھی مذکورہ بالا فائدہ حاصل ہو جائے گا البتہ اگر غصہ تکبر کی وجہ سے ہو تو پھر اس کا علاج وہی ہوگا جو تکبر کا ہے۔

فصل نمبر ۹

حقد، کینہ:۔

واضح ہو کہ جب آدمی غصہ کے وقت بہ مجبوری انتقام نہیں لے سکتا اور غصہ پینا پڑتا ہے تو یہ دل پر گر کر حقد بنتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کسی کو ثقیل اور گران جاننا اور جب تک انتقام نہ لیا جائے اس وقت تک چین وسکون نہیں ملتا ہے گویا غصہ کی غذا انتقام ہے اور اس میں اس کو لذت ملتی ہے۔

غصہ چونکہ ایک فطری چیز ہے اس لئے شریعت نے اس کو جرم نہیں کہا اور اس پر مرتب اثر انتقام کو جائز قرار دیا مگر اس کی حد ضرور مقرر کی ہے تاکہ کسی حرام امر کا ارتکاب لازم نہ آئے لہٰذا اگر کسی پر ظلم ہو جائے تو مظلوم کے لئے بقدر ظلم انتقام لینا جائز ہے بشرطیکہ اس کے لئے کوئی جائز طریقہ اختیار کیا جائے مثلاً کسی نے گالی دی تو جواباً ایسا کلمہ کہنا کہ جس سے گالی دینے والے کو تکلیف پہنچے جائز ہے مگر کوئی جھوٹ یا خلاف شریعت بات کہنا ہرگز جائز نہیں اس کی صورت یوں ہوگی کہ اُسے احمق جاہل بداخلاق اور بے حیا وغیرہ کے الفاظ سے مخاطب کیا جائے کیونکہ اس سے مقصد بھی حاصل ہوتا ہے اور

خلاف واقع بات بھی کہنی نہیں پڑتی ہے کہ ہر آدمی میں مذکورہ بالا عیوب کچھ نہ کچھ موجود ہیں تاہم گالی کا انتقام گالی دینے سے یا غیبت وغیرہ سے بالکل جائز نہیں چنانچہ حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت سعدؓ کے درمیان کچھ بات ہوگئی تو ایک شخص نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے سامنے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو کچھ کہنا چاہا آپ نے فرمایا سنو صاحب ''ہمارے اور ان کے مابین جو بات ہے اس کی نوبت ابھی دین تک نہیں پہنچی ہے یعنی ایک دوسرے سے وہ بات نہیں ہوئی جس سے گناہ گار ٹھہریں غرضیکہ انہوں نے برائی کا سننا گوارا نہ کیا کہنے کا تو کیا ذکر ہے''۔

(احیاء العلوم)

خلاصہ کلام یہ کہ ظلم کا بدلہ ظلم سے اور برائی کا برائی سے ناجائز محض ہے ہاں بقدر قصاص مذکورہ شرائط کے ساتھ تو جائز ہے مگر اس مقدار کا ترک کرنا ہی افضل ہے اس لئے کہ جواب دہی میں حد مقررہ سے تجاوز کا عام مشاہدہ ہے۔

چونکہ غصہ اور اس پر مرتبہ اثر کینہ غیر اختیاری چیز ہے اس لئے وقتی طور پر ابتدائی مراحل میں تو اس پر گرفت نہیں ہے مگر زیادہ دیر یا مستقل طور پر غضبناک اور کینہ گر رہنا حرام اور ناجائز ہے کہ یہ ایک اختیاری چیز ہے انسان اگر چہ غیر اختیاری اوصاف میں مکلّف نہیں مگر اختیاری کاموں میں شریعت کی حدود کی پابندی اس پر لازم ہے چنانچہ حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی مختلف اقسام کے ہیں بعض دیر سے غصہ کرتے ہیں اور جلدی رجوع کرتے ہیں اور بعض کو جلد غصہ آتا ہے اور جلد فنا ہوجاتا ہے ایک بات کا تدارک دوسرے سے ہوجاتا ہے اور بعض جلد غصہ کرتے ہیں اور دیر میں غصہ جاتا ہے سب سے بہتر وہ ہے کہ دیر سے خفا ہو اور جلد مان جائے اور سب سے بدتر وہ ہے کہ جلد غصہ ہو اور دیر میں راضی ہو اس لیے تین دن سے زیادہ قطع کلامی حرام ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس شخص کو غصہ دلایا جائے اور اس کو غصہ نہ آئے تو وہ گدھا ہے اور جس کو منایا جائے اور وہ نہ مانے تو وہ شیطان ہے معلوم ہوا کہ غصہ بالکل نہ آنا بے غیرتی ہے البتہ نرمی کی وجہ سے غصہ دیر سے آنا اور جلد ختم ہونا عین کمال اور خوبی ہے کیونکہ غصہ اور کینہ کے دل میں رہنے سے مزید

بیماریاں پیدا ہوتی ہیں ازاں جملہ چند یہ ہیں۔ اول حسد، دوم شماتت یعنی مخالف کی تکلیف پر خوش ہونا، سوم علیحدگی اور قطع کلامی، چہارم اس کو ذلیل اور حقیر سمجھنا، پنجم اس کے حق میں ناجائز کلمات کہنا مثلاً غیبت بہتان مذاق اور پردہ دری وغیرہ، ششم عداوت، ہفتم خیانت۔

کینہ ان بیماریوں میں سے ایک ہے جس کے ہوتے ہوئے آدمی اللہ کی رحمت سے دور رہتا ہے مختلف احادیث سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جس مسلمان کے دل میں دوسرے مسلمان بھائی کے لئے کینہ ہوتا ہے جب تک وہ اس کینہ سے اپنے دل اور سینے کو صاف نہ کرے اس وقت تک وہ اللہ کی رحمت و مغفرت کا مستحق نہیں رہتا ہے۔

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : یعرض اعمال الناس فی کل جمعة مرتین یوم الاثنین ویوم الخمیس فیغفر لکل عبد مؤمن الاعبدا بینه وبین اخیه شحناء فیقال: اترکوا هذین حتی یفیئا ۔

(رواہ مسلم ص: ۳۱۷ ج:۲)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر ہفتہ میں دو دن دوشنبہ اور پنجشنبہ کو لوگوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں تو ہر بندہ مؤمن کی معافی کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے سوائے ان دو آدمیوں کے جو ایک دوسرے سے کینہ رکھتے ہوں پس ان کے بارے میں حکم دیا جاتا ہے کہ ان دونوں کو چھوڑے رکھو (یعنی ان کی معافی نہ لکھو) جب تک یہ آپس کے اس کینہ اور باہم دشمنی سے باز نہ آویں۔ اور دلوں کو صاف نہ کرلیں۔

(صحیح مسلم ص: ۳۱۷ ج:۲)

اس حدیث کی تشریح ایک دوسری روایت سے ہوتی ہے جو اوسط طبرانی میں مروی ہے۔ اس میں فرمایا گیا ہے کہ ہر دوشنبہ اور پنجشنبہ کو لوگوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں تو جس نے بخشش اور معافی مانگی ہوتی ہے اس کو معافی دی جاتی ہے اور جس نے توبہ کی ہوتی ہے اس کی توبہ قبول کی جاتی ہے لیکن باہم کینہ رکھنے والوں کے اعمال ان کے کینہ کے سبب لوٹائے جاتے ہیں۔ (یعنی ان کی معافی اور توبہ کی قبولیت کا فیصلہ ابھی نہیں کیا جاتا) جب تک کہ وہ اس سے باز نہ آئیں۔

پرہیز:۔

کینہ پر مرتب مذکورہ ساتوں اقسام حرام ہیں لہٰذا ان میں سے کسی ایک پر بھی عمل نہیں ہونا چاہئے بلکہ کوشش یہ ہونی چاہئے کہ کینہ سے پہلے والے حال پر واپس آ جائے اور کینہ کو دل سے بالکل نکالا جائے بلکہ نفس پر جبر اور زبردستی کر کے پہلے سے اگر زیادہ اچھا سلوک اور احسانات شروع کرے تو یہ مقام صدیقین اور مقربین کا ہے اگر بالفرض ایسا نہ ہو سکے تو کم از کم اس کا التزام کیا جائے کہ کینہ کا اظہار بالکل نہ ہو۔ اور معہذا نفس کو سمجھانے کی کوشش جاری رکھے۔

فصل نمبر ۱۰

حسد:۔

یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ حسد کینہ کے تلخ ثمرات میں سے ایک ہے جس کے معنی ہیں کسی کی نعمت کے زوال اور اپنے لئے حصول کی تمنا کرنا۔

حسد کی اصل بنیاد اگرچہ کینہ ہے تاہم اس کے علاوہ سات اسباب بھی قابل ذکر ہیں تاکہ علاج اور طریقہ علاج دونوں سہل ہو جائیں۔

(۱) اول عداوت کہ جب دشمن سے انتقام لینا مشکل ہو جاتا ہے تو آدمی حسد کرنے لگتا ہے۔

(۲) دوم برابر والے کی عزت کا ناگوار ہونا اس کو تعزز کہتے ہیں مثلاً اگر برابر والے کو حکومت، مال یا علم مل جائے تو حاسد کو یہ خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں اس بات سے فخر و تکبر نہ کرنے لگے یا اس کی عزت مجھ سے بڑھ نہ جائے۔

(۳) سوم حقارت یعنی کسی کو نعمت مل جائے تو حاسد کو خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ شاید وہ شخص اب میری بات نہ سنے یا میرے برابر ہو جائے تو میری عزت میں کمی واقع ہو جائیگی اس کو تکبر کہتے ہیں۔

(۴) چہارم تعجب یعنی حاسد جب کسی شخص پر کوئی بڑی نعمت یا بڑا عہدہ دیکھتا ہے تو تعجب کرتا ہے کہ باوجودیکہ میں بھی اسی جیسا ہوں مگر اس کو یہ رتبہ مل گیا۔

(۵) پنجم مقصد فوت ہونے کا خوف یہ بسا اوقات اس وقت ہوتا ہے کہ جب مطلوب ایک ہو اور مدعی وامیدوار زیادہ ہوں تو ہر ایک کو یہ خطرہ ہوتا ہے کہ اگر اس کو ملا تو میں رہ جاؤں گا۔

(۶) ششم محبت ریاست وسلطنت اور محبت جاہ اس میں ہر مزاحمت کرنے والے پر حسد ہوتا ہے تا کہ وہ اس نعمت میں یکتا رہے اور لوگوں میں اس کی تعریف کا چرچا ہو۔

(۷) ہفتم خبث اور بخل کہ بعض لوگوں کا نفس ایسا خبیث ہوتا ہے اور مزاج اتنا بخیل ہوتا ہے کہ کسی کی نعمت کو برداشت کرنے کو تیار ہی نہیں ہوتے بلکہ لوگوں کی تکلیفات پر خوشی اور ان کی راحت سے طبیعت میں انقباض رہتا ہے۔

زیادہ حسد کن لوگوں میں ہوتا ہے؟

مذکورہ بالا اسباب سے یہ بات واضح ہوئی کہ زیادہ تر حسد ان لوگوں میں ہوتا ہے جن میں یہ اسباب موجود ہوں لہٰذا جس میں جتنے زیادہ اسباب موجودہ ہوں گے اس میں اتنا ہی زیادہ حسد ہوگا لہٰذا سب سے زیادہ حسد ہمعصر علماء ہمدرس طلباء ہم وطن سیاست دانوں' سوکنوں' چچازاد بھائیوں اور ہم پیشہ لوگوں میں ہوتا ہے کہ ان میں کئی اسباب جمع رہتے ہیں جو ادنی تامل سے سمجھ میں آتے ہیں اور سب سے کم حسد ان بھائیوں میں رہتا ہے جو ایک دوسرے سے دور رہتے ہوں اور والدین دونوں سے یکساں راضی ہوں کہ مطلوب اگر چہ ایک ہے یعنی والدین کے ہاں مقبول ہونا مگر وہ چونکہ فی الحال دونوں کو حاصل ہے کوئی دوسرے کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہے اس لئے حسد اگر چہ ہوسکتا ہے مگر وہ بہت معمولی ہوگا اور جن لوگوں کے درمیان کوئی قدر مشترک نہ ہو ان کے آپس میں بالکل حسد نہیں ہوتا ہے۔

حسد کی ممانعت:۔

حسد ایک ایسی بیماری ہے جو روحانی بھی ہے اور جسمانی بھی کہ حاسد ہمیشہ پریشان رہتا ہے حتی کہ کبھی نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ نیند بالکل ختم ہوجاتی ہے اور جسم نہایت لاغر ہوجاتا ہے جس سے بیماریوں کا خدشہ بڑھ جاتا ہے۔

اس کے موذی اثرات کا اندازہ مندرجہ ذیل احادیث وآثار سے لگایا جاسکتا ہے چنانچہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الحسد یاکل الحسنات کماتاکل النار الحطب ۔

(رواہ ابوداؤد ص:۳۱۶ ج:۲ وابن ماجہ)

''حسد نیکیوں کو ایسا کھاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو۔''

حضرت زبیر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگلی امتوں کی مہلک بیماری یعنی حسد وبغض تمہاری طرف چلی آرہی ہے یہ بالکل صفایا کردینے والی اور مونڈ دینے والی ہے میرے اس کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ بالوں کو مونڈنے والی ہے بلکہ یہ مونڈتی ہے اور بالکل صفایا کردیتی ہے دین کا۔

(مسند احمد وجامع ترمذی)

اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب اس راہ سے ایک جنتی آدمی تمہارے سامنے آئے گا۔ اتنے میں انصار کا ایک شخص بائیں ہاتھ میں جوتیاں لئے ہوئے داڑھی میں سے وضو کا پانی ٹپکتا ہوا نمودار ہوا اور السلام علیکم کہا۔ جب دوسرا دن ہوا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کلمات فرمائے۔ اس روز بھی وہی شخص آیا تیسرے روز بھی یہی ماجرا گذرا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اس شخص کے پیچھے گئے اور اس سے یہ کہا کہ مجھ میں اور میرے باپ میں کچھ تکرار ہوگئی ہے اس پر میں نے قسم کھائی کہ تین دن ان کے پاس نہ جاؤں گا اگر آپ اجازت دیں تو تین دن تک آپ کے مکان میں سویا کروں انہوں نے کہا کہ مضائقہ نہیں ہے حضرت عبداللہ تین رات ان کے گھر میں سوئے دیکھا کہ وہ رات کو نہیں اٹھتے بجز اس کے کہ ہر کروٹ پر ذکر الٰہی کرلیتے ہیں اور صبح کی نماز سے پہلے بستر پر سے نہ اٹھتے البتہ اتنا معلوم ہوا کہ جب کوئی کلمہ کہا تو بہتر ہی کہا جب تین دن گذر گئے تو حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ میرے جی میں ان کے عمل کی کچھ وقعت نہ آئی اور تھوڑا سا عمل معلوم ہوا تو میں نے ان سے کہا کہ اے بندہ خدا مجھ میں اور میرے باپ میں کچھ خفگی کی بات نہیں ہوئی تھی لیکن میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے تمہاری شان میں یہ کلمات سنے تھے اس واسطے یہ

منظور تھا کہ میں بھی دیکھوں کہ تم کیا عمل کرتے ہو جس سے جنتی ہوئے ہو؟ تو عمل تو تمہارا کچھ بہت نہیں یہ فرمایئے کہ یہ درجہ کس طرح ملا انہوں نے فرمایا کہ یہی ہے کہ جو تم نے دیکھا میں ان کے پاس سے چلا جب تھوڑا دور گیا تو انہوں نے مجھ کو بلایا اور کہا بھائی عمل تو یہی ہے جو تم نے دیکھا مگر اتنی بات ہے کہ جو شئ اللہ تعالیٰ کسی مسلمان کو عطا فرماتا ہے اس پر میرے دل میں کچھ کدورت اور حسد نہیں آتا ہے۔ میں نے کہا بس وہ بات یہی ہے جس سے تم کو رتبہ ملا یہ بات ہم سے نہیں ہوسکتی۔ یعنی یہ کام بہت مشکل ہے۔

(مسند احمد وطبرانی)

آثار واقوال:۔

بعض حکماء کا قول ہے کہ حسد سے بچتے رہنا کہ سب سے پہلی نافرمانی اللہ کی آسمانوں اور زمینوں میں حسد کی بنا پر کی گئی ہے آسمان میں ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کے رتبہ پر حسد کر کے سجدہ سے انکار کیا اور صرف حسد ہی کی بناء پر خدا کی نافرمانی میں متبلا ہو کر ملعون ہوا۔ اور زمین پر قابیل بن آدم علیہ السلام نے اپنے بھائی ہابیل کے رتبہ پر حسد کر کے اسے قتل کیا۔

حسد کے متعلق ایک حکایت بروایت سالم بن عبداللہ عن ابیہ فصل نمبر تین حرص وطمع کے بیان میں گذر چکی ہے۔ فقیہ ابواللیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کوئی شر حسد سے زیادہ مضر نہیں اس لئے کہ محسود کو تکلیف پہنچنے سے پہلے حاسد کو حسد کی پانچ سزائیں ملتی ہیں۔ اول ایسی پریشانی جو ختم نہ ہو دوم ایسی مصیبت جس پر اجر نہیں ملتا سوم مذمت چہارم رب کی ناراضگی پنجم توفیق کا دروازہ بند ہونا۔

اور آپ ہی سے مروی ہے کہ تین آدمیوں کی دعا قبول نہیں ہوتی اول حرام کھانے والا دوم زیادہ غیبت کرنے والا سوم جس کے دل میں مسلمانوں سے کینہ یا حسد ہو۔

اور بعض حکماء کا قول ہے کہ حسد ایک زخم ہے جو کبھی نہیں بھرتا اور جو کچھ حاسد پر گذرتا ہے اس کو وہی کافی ہے۔

حکایت:۔

بکر بن عبداللہ کہتے ہیں ایک شخص کسی بادشاہ کے سامنے کھڑا ہو کر یہ جملہ کہا کرتا تھا کہ محسن کے

احسان کے مکافات میں اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہئے کیونکہ بدی کرنے والے کو تو خود اس کی بدی تیری طرف سے کفایت کرے گی اس کے رتبہ پر ایک آدمی کو حسد ہوا یہاں تک کہ بادشاہ سے جا کر اس کی چغلی کی کہ جو شخص حضور کے سامنے کھڑا ہو کر جملہ کہا کرتا ہے وہ یوں کہتا ہے کہ بادشاہ گندہ دہن ہے یعنی بادشاہ کے منہ سے بدبو آتی ہے بادشاہ نے کہا اس کی تصدیق کیسے ہوگی اس نے کہا کہ جب وہ آدمی آپ کے سامنے کھڑا ہو اس کو آپ اپنے پاس بلوایئے جب آپ کے قریب آئے گا تو اپنی ناک بند کر دے گا کہ آپ کے منہ کی بدبو نہ آئے بادشاہ نے کہا کہ اچھا ہم کل اس کا امتحان لیں گے۔

ادھر بادشاہ سے یہ کہا گیا ادھر اس شخص کی دعوت کر کے ایسا کھانا کھلایا جس میں بہت سا لہسن تھا اتنے میں دربار کا وقت آ گیا وہ شخص حسب دستور بادشاہ کے سامنے جا کھڑا ہوا اور وہی جملہ کہا بادشاہ نے اس کو اپنے پاس بلایا اس نے اس خوف سے کہ کہیں بادشاہ کو میرے منہ سے لہسن کی بدبو نہ آئے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا اور پاس گیا۔ بادشاہ کو گمان ہوا کہ کل فلاں شخص اس کی نسبت جو کچھ کہہ گیا وہ درست ہے۔

چنانچہ بادشاہ نے اسی وقت اپنے ایک عامل (گورنر) کو رقعہ دستخط خاص سے لکھا جس میں یہ تحریر کیا کہ جب حامل رقعہ تیرے پاس آئے تو اس کو قتل کر کے اس کے چمڑے میں بھوسا بھروا کر ہمارے پاس بھیج دینا یہ شخص رقعہ لے کر جب دربار سے نکلا اور اس بادشاہ کا معمول تھا کہ ایسا رقعہ صرف انعام کے واسطے لکھا کرتا تھا۔

دریں اثناء راہ میں وہ حاسد ملا اس کے ہاتھ میں رقعہ دیکھ کر پوچھا کہ یہ رقعہ کیسا ہے اس نے کہا فلاں عامل کے نام دستخط خاص سے لکھا گیا ہے اس کے پاس لے جاتا ہوں کہ بادشاہ کا حکم ہے اس حاسد نے یہ سمجھا کہ اس میں ضرور کچھ انعام و جاگیر کو لکھا ہوگا اس گمان سے اس شخص سے کہا کہ یہ رقعہ مجھ کو دے ڈال کہ میں لے جاؤں اس نے کہا کہ میں نے تجھ کو ہبہ کیا لے جا۔ جب رقعہ لے کر حاسد عامل کے پاس گیا اس نے پڑھ کر حامل رقعہ سے کہا کہ اس میں یہ حکم ہے کہ حامل کو قتل کر کے اور کھال کچھوا کے اس میں بھس بھر کے حضور میں بھیج دو تب تو یہ بہت گھبرایا اور کہنے لگا کہ اس کا اصل حامل تو ایک دوسرا شخص ہے میں نہیں ہوں۔ خدا کے واسطے مجھے یہ رقعہ دے دو کہ میں بادشاہ کے پاس واپس جاؤں عامل نے کہا بادشاہ

کا رقعہ واپس نہیں ہوسکتا غرض اس کو قتل کر کے پوست اتروا کر بادشاہ کی خدمت میں بھیج دیا۔

اب اس شخص کا حال سنیئے کہ وہ بدستور وقت مقررہ پر پھر بادشاہ کے سامنے گیا اور جو جملہ کہا کرتا تھا وہی کہا بادشاہ نے حیران ہوکر پوچھا کہ شقہ کو کیا کیا؟ اس نے عرض کیا کہ راہ میں فلاں شخص مجھ کو ملا اس نے مجھ سے مانگا میں نے اس کو ہبہ کر دیا بادشاہ نے کہا وہ یوں کہتا تھا کہ تو مجھ کو گندہ دہن کہتا پھرتا ہے اس نے کہا میں نے ہرگز نہیں کہا ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ پھر جب میں نے تجھ کو اپنے پاس بلایا تھا تو نے اپنا ہاتھ منہ پر کیوں رکھ لیا تھا؟ اس نے کہا اس شخص نے مجھ کو ایسا کھانا کھلا دیا تھا جس میں لہسن تھا میں نے منہ اس واسطے بند کیا تھا کہ حضور کو لہسن کی بدبو معلوم نہ ہو بادشاہ نے کہا کہ خیر تم اپنا کام کرتے رہو بدی کرنے والے کو اس کی بدی ہی تیری طرف سے کفایت کر گئی۔ (احیاء العلوم ص: ۱۸۵ ج: ۳)

غور طلب بات ہے کہ اس سے بڑھ کر کونسا گناہ ہوگا کہ کسی مسلمان کی راحت بری معلوم ہو حالانکہ اس میں اپنا کچھ ضرر نہ ہو۔

اللہ جل شانہ نے قرآن میں حسد کی مذمت جابجا ارشاد فرمائی ہے ایک جگہ ارشاد فرمایا۔

ان مستکم حسنة تسؤھم وان تصبکم سیئة یفرحوا بھا۔

''اگر تم کو ملے کچھ بھلائی بری لگے ان کو اور اگر تم پر پہنچے برائی (تکلیف) خوش ہوں اس سے۔''

اس قسمِ حسد کو شماتت کہتے ہیں یعنی کسی کی مصیبت پر خوش ہونا۔

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

لاتظھر الشماتة باخیك فیعافیه اللّٰه ویبتلیك (رواہ الترمذی)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے کسی بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار مت کرو اگر ایسا کرو گے تو ہوسکتا ہے کہ اللہ اس کو مصیبت سے نجات دے دے اور تم کو مبتلا کر دے۔''

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ود کثیر من اھل الکتاب لویردونکم من بعد ایمانکم کفاراً حسداً من عندانفسھم۔

اس قسم کی آیات جن سے حسد کی مذمت معلوم ہوتی ہے اور بھی ہیں مگر طول کے خوف سے ان کو یہاں اکٹھا کرنے سے گریز کیا گیا البتہ ان کے مجموعہ سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ

حسد موجب ہلاکت و باعث ملامت ہے ایسے لوگوں کی جو حسد کی بناء پر تباہ ہو گئے ایک لمبی فہرست قرآن میں موجود ہے شیطان حسد کی بناء پر ملعون ہوا قابیل حسد کی وجہ سے ذکر خیر سے محروم ہوا اہل کتاب رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے حسد کی بنیاد پر کافر ہوئے۔

بو الحکم نامش بود وبوجہل شد
اے بسا اہل از حسد نا اہل شد

علاج:۔

اسباب حسد ختم کرنے کی کوشش کر کے پھر حاسد کو یہ سوچنا چاہئے کہ حسد کرنے سے خود مجھے تو دین اور دنیا کا نقصان پہنچ رہا ہے کہ نیکیا بھی ختم ہو جاتی ہیں اور جسم پر بھی منفی اثر مرتب ہو رہا ہے مگر محسود (حسد کیا ہوا) کو تو فائدہ ہی فائدہ ہو رہا ہے ایک تو اس کے نامہ اعمال میں میری نیکیاں درج ہو رہی ہیں دوسرا وہ مجھے پریشان حال دیکھ کر خوش ہوتا ہے بعد ازاں حسد کے اقتضاء کے خلاف چلنا شروع کیا جائے۔

فصل نمبر ۱۱

متفرقات کے بیان میں:۔

حسد کی طرح خیانت دھوکہ عداوت اور عصبیت بھی کینہ پر مرتب ہوتے ہیں اور چونکہ یہ چاروں امراض قلب میں سے ہیں اس لئے یہاں ان کا تذکرہ زیبا ہے بخلاف غیبت وغیرہ کے ان کا تعلق جوارح سے ہے۔

خیانت:۔

یہ ایک ایسی رسوا کن بیماری ہے کہ آدمی کا وقار بالکل ختم کر دیتی ہے بلکہ معاشرہ پر بھی اس کے غلط اثرات مرتب ہوتے ہیں خائن آدمی پر کبھی کسی کا اعتماد نہیں رہتا ہے اس سے دور رہنے کی کوشش کی جاتی ہے حتی کہ کبھی کبھی نوبت قطع تعلق تک پہنچتی ہے بایں وجہ اس کی وقعت ختم ہو جاتی ہے۔

خیانت کی قسمیں:۔

خیانت کا مطلب ہے کہ کسی کا حق تلف یا کم کرنا چاہے مالی ہو یا غیر مالی مثلاً کسی کو غلط مشورہ دینا کسی سے جھوٹ کہنا جبکہ وہ آپ پر اعتماد کر رہا ہو وعدہ خلافی وغیرہ خیانت کے زمرے میں داخل ہیں۔

خیانت کی مذمت:۔

عن ابی امامة قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم المؤمن یطبع علی الخلال کلها الاالخیانة والکذب۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

''حضرت ابوامامہ باہلی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن کی طبعیت اور فطرت میں ہر خصلت کی گنجائش ہے سوائے خیانت اور جھوٹ کے۔''

مطلب یہ ہے کہ مؤمن اگر واقعی مؤمن ہو تو جھوٹ اور خیانت کی اس کی فطرت میں گنجائش نہیں ہوسکتی ہے اگر چہ دوسری برائیاں اور کمزوریاں اس میں ہوسکتی ہیں لیکن خیانت اور جھوٹ جیسی خالص منافقانہ عادتیں ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں پس اگر کسی میں یہ بری عادتیں موجود ہوں تو اسے سمجھنا چاہئے کہ اس کو ایمان کی حقیت ابھی نصیب نہیں ہوئی ہے۔ اور اگر اپنی اس محرومی پر وہ مطمئن نہیں رہنا چاہتا ہے تو اس کو ان خلاف ایمان عادتوں سے اپنی زندگی پاک کرنی چاہئے۔

دھوکا:۔

کسی کو دھوکا دینا خیانت کی طرح آواز ضمیر کے خلاف چلنے کے مترادف ہے جتنا بھی بے ضمیر آدمی ہو مگر اس قبیح عمل کے بعد وہ ضرور کچھ نہ کچھ نادم ہوتا ہے اس لئے اس کو معذرت کی ضرورت پڑتی ہے حالانکہ ایسا کام کہ جس سے آدمی کو کل عذر پیش کرنا پڑے خلاف مروت وخلاف شریعت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

یاانس لاتبیتن لیلة ولاتصبحن یوماً وفی قلبك غش لاحد من اهل الاسلام۔ (تنبیہ الغافلین ص:۶۷)

''اے انسؓ کسی ایسے روز وشب میں داخل مت ہو کہ تیرے دل میں مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ اور غداری ہو۔''

یہ ایک طویل حدیث کا حصہ ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انسؓ کو نصیحت فرمائی ہے مطلب یہ ہے کہ مؤمن کا دل ہمیشہ کے لئے دھوکہ سے صاف رہنا چاہئے کوئی ایسی رات یا دن اس کی زندگی میں نہیں آنا چاہئے جس میں اس کا دل دھوکہ سے خالی نہ ہو۔

اور ارشاد ہے۔

من غشنا فلیس منا۔(رواہ مسلم)

''جس نے ہمیں دھوکہ دیا اور خیانت کی وہ ہم میں سے نہیں۔''

اور ارشاد ہے۔

والفاجر خب لئیم۔ (رواہ احمد والترمذی)

''فاجر دھوکہ باز اور کمینہ ہوتا ہے۔''(ترمذی ص:۱۷ج:۲)

دراصل یہ دونوں چیزیں شیطان کی مذموم صفات کا حصہ ہیں جس طرح ابلیس کا مقصد لوگوں کو دھوکہ دیکر ان کو راہ راست سے ہٹانا ہے اسی طرح دھوکہ باز اور خائن آدمی بھی خداع اور خیانت سے اتنا خوش ہوتا ہے گویا اس کو مطلوبہ چیز مل گئی اس قدر مشترک کی بناء پر دونوں باہم قریب ہوجاتے ہیں۔

عداوت:۔

بغض مفرط (زیادہ) کو عداوت کہنا زیبا ہے اس کی مذمت کے لئے یہ بات کافی ہے کہ دشمنی کی بناء پر آدمی عدل قائم نہیں کرسکتا بلکہ اکثر وبیشتر حق سے تجاوز اس کا جز لاینفک بن جاتا ہے اور ظلم سے دامن بچانا مشکل ہوجاتا ہے جس سے اخروی تباہی وبربادی کے علاوہ دنیوی اور معاشرتی نقصانات بھی معرض وجود میں آتے ہیں کبھی اس کے نتائج اتنے خطرناک ہوتے ہیں کہ قومیں تباہ ہوجاتی ہیں اور بستیاں ویران ہوجاتی ہیں جس کا مشاہدہ دور حاضر میں نہایت سہل ہے اس کو دیکھنے کے لئے دور جانے کی ضرورت نہیں بلکہ ہمارے اردگرد کا ماحول بزبان حال یہ فریاد کررہا ہے کہ عداوت اور مرض دشمنی کے

نتیجہ میں میرے وجود کو خطرہ لاحق ہو چکا ہے لہٰذا مجھے فوری علاج کی ضرورت ہے۔ مگر آج کے دور میں اس بیماری کے لئے تو شفاخانے اور ہسپتال تعمیر کئے جاتے ہیں کہ اگر مرض لاحق ہو جائے تو اس کا علاج کیسے ہو؟ مگر اس بات پر غور نہیں ہو رہا ہے کہ یہ بیماری آخر لگتی کیوں ہے اس کے کیا اسباب ہیں آج یورپ سے فارمولا طلب کرنے کے بجائے اگر قرآن کے اس نسخے پر عمل کیا جائے تو بیماری کی بیخ کنی ہو جائے گی وہ نسخہ یہ ہے۔

ولایجرمنکم شنآن قوم علی ان لاتعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ۔

''اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو۔ عدل کرو یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقوی سے۔''

اور ارشاد ہے۔

ولایجرمنکم شنآن قوم ان صدوکم عن المسجد الحرام ان تعتدوا وتعاونوا علی البر والتقویٰ ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان۔

''اور باعث نہ ہو تم کو اس قوم کی دشمنی جو کہ تم کو روکتی تھی حرمت والی مسجد سے اس پر کہ زیادتی کرنے لگو اور آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیزگاری پر اور مدد نہ کرو گناہ پر اور ظلم پر۔''

جب تک ظلم اور گناہ پر تعاون جاری رہے گا امن کبھی قائم نہیں ہو سکتا ہے اور جب تک فیصلے عدل پر مبنی نہیں ہونگے امن کی کوئی محنت بار آور ثابت نہیں ہوگی۔ صحابہ کرامؓ نے جب اس حکم پر عمل کیا تو انہوں نے امن کا ایک فقید المثال معاشرہ قائم کیا۔

عصبیت:۔

تعصب اور عصبیت عصب سے ماخوذ ہے جس کے معنی پٹھے اور قوت کے ہیں اعصاب چونکہ گوشت اور ہڈیوں کے درمیان واصل قوی (مضبوط رابطہ) ہے اس لئے اعصاب کہلاتے ہیں کہ وہ باہم قوت واستحکام کا باعث ہوتے ہیں علم الاخلاق میں عصبیت اس بے جا حمایت کا نام ہے جو مذہب قوم کنبہ اور وطن وغیرہ کے نام پر اختیار کی جاتی ہے۔

یہ بھی ایک سخت مرض ہے جو زخم کی طرح رس رس کر ناسور بن جاتا ہے اور اخوت عامہ اور اخوت اسلامی کے لئے زہر ہلاہل ثابت ہوتا ہے۔

تعریف بالا سے یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ جو کوتاہ نظر حضرات تعصب کو ایک مذہبی نعمت سمجھتے ہیں وہ اس ایک رذیلہ کی حقیقت سے ناشنا ہیں۔

دراصل مذہب اور دین کے متعلق جو صحیح حمیت وحمایت قابل مدح وستائش ہے وہ قرآن مجید کی اصطلاح میں استقامت کہلاتی ہے اور اس کی ایک جزئی غیرت ملی ہے۔

چنانچہ ارشاد باری ہے۔

ان الذین قالوا ربنا اللّٰہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملائکۃ الاتخافوا ولاتحزنوا وأبشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون 0

''بے شک جن لوگوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ اس پر جم گئے ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں کہ تم ہرگز نہ خوف کھاؤ اور نہ غمگین ہو اور جس جنت کا وعدہ دیئے گئے تھے اس کی بشارت حاصل کرو۔''

اس کے برعکس عصبیت کی بنیاد جہل ونادانی اور حدود حق سے تجاوز پر قائم ہے جو کسی طرح جائز نہیں ہوسکتی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لیس منا من دعاالی عصبیۃ ولیس منا من قاتل علی عصبیۃ ولیس منا من مات علی عصبیۃ۔

(ابوداؤد ج:۲ص:۲۳۲)

''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی طرف دعوت دے اور نہ وہ ہم میں سے ہے جو عصبیت پر کسی سے لڑے اور نہ وہ ہم میں سے ہے جو اسی عصبیت پر مرجائے۔''

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ عصبیت کیا شے ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"ان تعین قومك علی الظلم"۔ (رواہ ابوداؤدص:۳۴۲ج:۲)

''عصبیت یہ ہے کہ تو امر ناحق پر اپنی قوم کی مدد کرے۔''

البتہ مذہب وملت کے لئے ہی نہیں بلکہ قوم وطن اور خاندان وقبیلہ کی جانب سے بھی ایسا دفاع جو جہل پر مبنی نہ ہو اور نہ حدود حق سے متجاوز ہو اختیار کیا جائے تو وہ عصبت جاہلیت سے جدا شے ہے اور محمود ومستحسن ہے۔

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے اس میں فرمایا۔

خیر کم المدافع عن عشیرته مالم یاثم ۔

(رواہ ابوداؤدج:۲ص:۳۴۲)

''تم میں سے وہ شخص بہترین ہے جو زیادتی اور گناہ سے بچ کر اپنے خاندان کے بارے میں حمیت ودفاع کا ثبوت دے۔'' (فلسفہ اخلاق)

خوف مذمت:۔

بہت سے لوگ اس وجہ سے حق سے روگردان رہتے ہیں کہ ان کو یہ ڈر ہوتا ہے کہ اگر ہم ایسا کریں گے تو لوگ ہم سے ناراض ہو جائیں گے یا ہماری مخالفت اختیار کریں گے اتنی سی بات کو بنیاد بنا کر راہ راست سے عدولی پر راضی ہو جاتے ہیں جس میں بہت سے حقوق کی پامالی ہو جاتی ہے حقوق اللہ کی بھی اور حقوق العباد کی بھی کبھی حق گوئی کا مواقع آ جائے تو اس کی ہمت نہیں ہوتی سنت اور فطرت کے مطابق عمل کرنے کا مواقع آ جائے تو اس سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں علی ہذا القیاس۔

اس کے بالکل برعکس بہت سے کام جو خلاف سنت وخلاف مروت ہوتے ہیں ان کا محض اس لئے ارتکاب کیا جاتا ہے تا کہ لوگوں میں مقبولیت حاصل ہو اور ہم مجلسوں میں ان کی مدح ہو یہ بدعات ورسومات، جھوٹی گواہی اور اہل یورپ کی پیروی یہ وہ امور ہیں جو لوگوں میں مقبولیت اور معاشرہ میں مقام حاصل کرنے کی غرض سے نہ صرف معرض وجود میں آئے ہیں بلکہ فخریہ انداز سے معمول بن گئے ہیں ثانی الذکر بیماری کا تعلق اگر چہ قوت شہوانی سے ہے تاہم سابق الذکر مرض کا دارومدار چونکہ قوت غضبیہ کی کمی پر

ہے اور دونوں بیماریوں میں باہم مناسبت تضاد بھی ہے اس بناء پر دونوں کا ذکر ایک ساتھ یہاں مناسب سمجھا گیا تزکیہ نفس میں ان دو باتوں کا خیال نہایت ضروری ہے کیونکہ اس بیماری میں مبتلا شخص کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا ہے۔ ابوطالب کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت قریبی تعلق تھا وہ آپ کی جانب سے دشمنان اسلام کا دفاع بھی کرتا رہا مگر خوف مذمت کی وجہ سے اسلام جیسی عظیم نعمت سے محروم رہا دوسری جانب مسیلمہ کذاب وغیرہ نے محبت مدح کی خاطر جھوٹی نبوت کا دعوی کیا مگر اس ظاہری جاہ اور چندروزہ خوش فہمی نے ان کو رسوائی اور ندامت کے سوا کچھ نہیں دیا۔

اس لئے ضروری ہے کہ کسی کے برا کہنے کے ڈر سے حق تسلیم کرنے اور اس پر عمل کرنے میں تامل نہ کیا جائے اور نہ ہی تعریف کی خواہش میں غلط کام کا ارتکاب کیا جائے بلکہ استقامت علی الحق اور اپنے اس موقف پر جو شرعاً صحیح ہو قائم رہنا ہی ایسی پاکیزہ خصلت ہے جس سے آدمی مقربین کی فہرست میں داخل ہوجاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ولایخافون لومة لائم۔

''اور ڈرتے نہیں کسی الزام (ملامت) سے۔''

اس سے یہ بات عیاں ہوگئی کہ حق بات میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ عسر و یسر اور خلوت وجلوت ہر حال میں حق کا ساتھ دینا چاہئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اشاد فرمایا۔

فاستقم کمامرت ومن تاب معك ولاتطغوا انه بماتعملون بصیر ولاترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار۔

''سو تو سیدھا چلا جا جیسا تجھ کو حکم ہوا اور جس نے توبہ کی تیرے ساتھ اور حد سے نہ بڑھو بے شک وہ دیکھتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو اور مت جھکو ان کی طرف جو ظالم ہیں پھر تم کو لگے گی آگ۔''

اس آیت پر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں۔

''مطلب یہ ہے کہ عقائد، اخلاق، عبادات، معاملات اور دعوت تبلیغ وغیرہ ہر چیز میں افراط وتفریط سے علیحدہ ہوکر توسط اور استقامت کی راہ پر سیدھے چلے جاؤ کسی معاملہ میں افراط یا تفریط کی

جانب اختیار کر کے حد سے نہ نکلو اور یقین رکھو کہ حق تعالیٰ ہر آن میں تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے اور جو لوگ ظالم (حد سے نکلنے والے) ہیں ان کی طرف تمہارا ذرا سا میلان اور جھکاؤ بھی نہ ہو۔ ان کی موالات مصاحبت تعظیم وتکریم مدح وثناء ظاہری تشبہ اشتراک عمل ہر بات سے حسب مقدور محترز ہو مبادا آگ کی لپٹ تم کو نہ لگ جائے۔'' (تفسیر عثمانی)

تاہم استقامت سے مراد بے جا سختی ہرگز نہیں لہٰذا حق کو پھیلانے کی غرض سے حکمت عملی اختیار کرنا جائز ہے لیکن حکمت عملی جاننا بذات خود مشکل چیز ہے ہر کس وناکس اسے نہیں سمجھ سکتا ہے۔

فصل نمبر ۱۲

عُجب' خود پسندی:۔

عجب یہ ہے کہ نعمت کو بڑا جانے اور اس پر مطمئن ہو اور اس کا منعم کی طرف منسوب ہونا یاد نہ رکھے بالفاظ دیگر انسان کا اپنی کسی صفت پر اس طرح نگاہ کرنا کہ بجائے عطاء حق سمجھنے کے اس کو اپنا ذاتی کمال سمجھے یہ کس قوت کی شاخ ہے؟ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ یہ قوت شہوانی کا اثر ہے کہ جب وہ حد اعتدال سے خارج ہو کر مفرط بنے تو دوسری قباحتوں کے ساتھ وہ تکبر کو بھی جنم دیتی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

ابتداء کبر وکینہ از شہوت است چونکہ کبر عجب کی فرع ہے تو عجب بھی شہوت سے وجود میں آنا چاہئے جب کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ دونوں چیزوں (کبر' کینہ) کو قوت غضبیہ کی شاخ قرار دیا ہے۔

دونوں میں اگرچہ تطبیق ممکن ہے کہ ان کو قوت شہوانیہ اور قوت غضبیہ دونوں کا مزاج مانا جائے تاہم ترتیب میں ہم نے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو بنیاد بنا کر دونوں کو غضب کے بعد ذکر کیا۔

عجب ایسے وصف میں ہوتا ہے جو یقیناً کمال ہو چاہے اختیاری اور کسبی ہو جیسے عبادت' صدقہ او رجہاد وغیرہ یا غیر اختیاری ہو جیسے قوت' جمال اور نسب وغیرہ۔

عجب خود بھی ایک قبیح اور مہلک بیماری ہے اور چونکہ یہ بہت ساری مہلک بیماریوں کا سبب بھی

ہے اس لئے حرام ہے کہ مقدمہ حرام حرام ہوتا ہے۔ کبر عجب سے پیدا ہوکر بہت سی آفتوں کا موجب اور باعث بنتا ہے۔

عجب میں مبتلا شخص اپنی غلطیوں کو بھول جاتا ہے اور ہمیشہ اپنی خوش فہمی میں پرامید بلکہ مطمئن رہتا ہے کہ مجھ سے اگر کوئی خطا سرزد بھی ہوجائے تو اتنی ساری نیکیوں کے مقابلہ میں اس کی کیا حیثیت ہوگی جیسے کہ اہل کتاب کہتے تھے۔

لن تمسنا النار الاایاماً معدودة ۔(الآیة)

''آگ ہمیں صرف چند دن (۴۰) کے لئے ہی چھوے گی۔''

یعنی بقول ان کے ہم تو اللہ کے پسندیدہ بیٹے ہیں لہٰذا وہ ہمارے گناہوں کو معاف کردے گا۔

حالانکہ اللہ کو یہ بات ہرگز پسند نہیں کہ اس پر تہمت لگائی جائے یا اس کی دی ہوئی نعمت پر شکر کی بجائے اس کو اپنی طرف منسوب کرکے اپنا کمال سمجھا جائے اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی عاشق اپنے محبوب کا مشتاق ہے لیکن بوقت ملاقات یہ بے وقوف بجائے محبوب کو دیکھنے کے آئینہ میں اپنی ہی صورت اور اپنے ہی نقش ونگار دیکھ رہا ہے اور یہ تاثر دے رہا ہے کہ میں اپنی خوبصورتی کی وجہ سے مشرف بہ ملاقات ہوا گویا میں محبّ نہیں بلکہ محبوب ہوں کہ میرے اندر بہت سی خوبیاں ہیں تو یہ شخص اپنے محبوب کی نظر میں کس قدر منافق درمحبت محسوس ہوگا؟ ٹھیک اسی طرح عجب میں واقع شخص اپنی ریاضت وعبادت اور علم وغیرہ کو اللہ پر احسان سمجھتا ہے اور اللہ کی نعمت کو بھول جاتا ہے کہ اسی کی توفیق وقدرت سے یہ عمل کیا ہے۔

اللہ جل جلالہ اس بندہ پر ناراض ہوتا ہے جو اللہ کے احسانات کو فراموش کرکے اپنے کو باکمال سمجھے اور اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو احسان باری کے بجائے انہیں اپنا حق سمجھے اس کیفیت کی برائی کتاب اللہ اور حدیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلن تغن عنکم شیئاً۔(الآیة)

''اور حنین کے دن جب اترائے تم اپنی بہتات پر پھر وہ کچھ کام نہ آئی تمہارے۔''

اور فرمایا۔

وظنوا انهم مانعتهم حصونهم من اللّٰه فآتاهم اللّٰه من حیث لم یحتسبوا۔

''اور وہ خیال رکھتے تھے کہ ان کا بچاؤ ہے ان کے قلعے اللہ کے ہاتھ سے پھر پہنچا ان پر اللہ کا عذاب جہاں سے ان کو خیال نہ تھا۔''

اور فرمایا۔

وھم یحسبون انھم یحسنون صنعاً۔

''اور وہ سمجھتے ہیں کہ خوب بناتے ہیں کام۔''

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ثلاث مھلکات شح مطاع، وھوی متبع واعجاب المرء بنفسہ ۔

''تین چیزیں مہلک ہیں بخل جس کا آدمی مطیع ہو اور خواہش نفس جس کا وہ پیرو ہو اور بڑا جاننا آدمی کا اپنے نفس کو۔

(مسند بزار طبرانی ابونعیم احیاء العلوم ص: ۲۴۷ ج: ۳)

اور حضرت ابوثعلبہ نے فرمایا کہ جب تو بخل کی پیروی اور خواہش نفسانی کا اتباع اور اہل رائے کی خودرائی دیکھے تو اپنے آپ علیحدہ ہو جاؤ (ابوداؤد، ترمذی)

اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دو باتوں میں تباہی ہے ایک ناامید ہونا اور دوسرا عجب او ریہ اس لئے فرمایا کہ سعادت دو ہی باتوں سے ملتی ہے ایک طلب و کوشش دوسرا مستعد ہونا اور ناامید آدمی سعی و طلب نہیں کرتا اور معجب (خوش فہمی میں مبتلا شخص) کو یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ میں سعید ہوں اور یہی وجہ ہے کہ بہت سے قابل لوگ اپنے مقصد میں ناکام ہو جاتے ہیں کہ اپنی قابلیت پر اعتماد کر کے مغرور ہو جاتے ہیں جسکا انجام مطلوب کے برعکس نکلتا ہے۔ آج بھی مدارس میں ذہین طلباء کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے مگر فراغت کے بعد ان میں اکثر قابل ذکر کارنامہ انجام دینے سے عجب کی بنا پر محروم ہو جاتے ہیں۔

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کے متعلق لکھا ہے کہ جب وہ چلتا تھا تو چھتری نما بادل اس کے سر پر رہتا تھا ایک دن ایک آدمی اس کے ساتھ زیر بادل جانے کی خواہش پر چلنے لگا تو اسکے قلب میں عجب پیدا ہوا چنانچہ جب الگ ہونے لگے تو بادل اس دوسرے آدمی کے ساتھ ہو گیا۔

حکایت:۔

عبدالرحمٰن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک بار موسیٰ علیہ السلام کسی مجلس میں بیٹھے تھے اتنے میں ابلیس ان کے پاس آیا اور اس کے سر پر کلہ دار ٹوپی تھی جس میں طرح طرح کے رنگ تھے جب موسیٰ علیہ السلام سے قریب ہوا تو ٹوپی اتار ڈالی اور سامنے رکھ لی پھر آ کر سلام کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تو کون ہے بولا میں ابلیس ہوں موسیٰ علیہ السلام بولے خدا تجھے زندہ نہ رکھے تو کیوں آیا۔ کہنے لگا میں تجھے سلام کرنے کیلئے آیا تھا کیونکہ آپ کا مرتبہ اور آپ کی منزلت اللہ کے نزدیک بہت ہے۔

جب موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا وہ کیا چیز ہے جو میں نے تیرے سر پر دیکھی تھی؟ کہا اسے اولاد آدم کو لبھالیتا ہوں پوچھا یہ تو بتا وہ کونسا کام ہے جس کے مرتکب ہونے سے تو انسان پر غالب آ جاتا ہے؟ جواب دیا کہ جب آدمی اپنی ذات کو بہتر سمجھتا ہے اور اپنے عمل کو بہت کچھ خیال کرتا ہے اور اپنے گناہوں کو بھول جاتا ہے۔

اے موسیٰ میں تیرے کو تین چیزوں سے ڈراتا ہوں ایک تو غیر محرم عورتوں کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھنا' کیونکہ جب کوئی شخص غیر محرم عورت کے ساتھ خلوت میں ہوتا ہے تو اس کے ساتھ میں بذات خود رہتا ہوں۔ میرے ساتھی نہیں ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس عورت کے ساتھ اس کو فتنے میں ڈال دیتا ہوں۔ دوسرے اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو عہد کرو اس کو پورا کیا کرو کیونکہ جب کوئی اللہ تعالیٰ سے عہد کرتا ہے تو اس کا ہمراہی اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر میں خود ہوتا ہوں یہاں تک کہ اس شخص اور وفائے عہد کے درمیان حائل ہو جاتا ہوں۔ تیسرے جو صدقہ نکالا کرو اسے جاری کر دیا کرو کیونکہ جب کوئی صدقہ نکالتا ہے اور اسے جاری نہیں کرتا تو میں اس صدقہ اور اس کے پورا کرنے کے بیچ میں حائل ہو جاتا ہوں اور یہ کام بذات خود کرتا ہوں اپنے ساتھ والوں سے نہیں لیتا یہ کہہ کر شیطان چل دیا اور تین بار کہا ہائے افسوس موسیٰ (علیہ السلام) نے وہ باتیں جان لیں جن سے بنی آدم کو ڈرائے گا۔

عجب ان مخفی بیماریوں میں سے ہے جن سے بچنا بھی مشکل ہے اور احساس بھی کمتر ہوتا ہے یہ

کینہ کی طرح انسان کو اندر ہی اندر سے بالکل تباہ کر دیتا ہے یہ اگر کسی عمل میں واقع ہو جائے تو عمل یکسر لغو ہو جاتا ہے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

والریاء اذاوقع فی عمل من الاعمال فانه یبطل اجره و کذالك العجب۔ (الفقہ الاکبر ص:۲۱)

''یعنی جس طرح ریا عمل کو باطل کر دیتی ہے اس طرح عجب بھی۔''

چنانچہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جب خطبہ کے درمیان عجب کا اندیشہ محسوس کرتے تو اسے منقطع کر دیتے اور اگر یہ کیفیت اثنائے کتابت میں طاری ہو جاتی تو اسے پھاڑ دیتے۔ (احیاء العلوم)

علاج:۔

چونکہ عجب نہایت مخفی بیماری ہے دوسرے یہ بہت سی بیماریوں کی بنیاد بھی ہے اس لئے اس کا طریقہ علاج قدرے تفصیل کے ساتھ لکھا جاتا ہے فقیہ ابواللیث نے اس کے علاج میں چار چیزوں کا التزام ضروری قرار دیا ہے۔

اول یہ کہ عجب میں مبتلا شخص توفیق خداوندی کو فراموش نہ کرے یعنی یہ کہ میں جو کچھ بھی ہوں میرے اندر جو بھی خوبی ہے اختیاری ہو یا غیر اختیاری یہ محض اللہ کی توفیق سے ہے اور اس کا انعام و احسان ہے لہٰذا جب توفیق کا بار بار استحضار ہوگا تو شکر میں مشغول ہو کر عجب سے غافل ہو جائے گا۔

دوم یہ کہ جو نعمتیں اس کے پاس ہیں اس کو من جانب اللہ سمجھ کر ان میں غور و فکر کرے تاکہ شکر میں مشغول رہے۔

سوم یہ کہ کوئی نیک عمل کرے تو اسکو خوف کے ساتھ کرے کہ قبول ہوگا بھی یا نہیں اور جب خوف میں مشغول ہوگا تو عجب کیسے کرے گا۔

اور چہارم یہ کہ اپنے گناہوں کو یاد کرتا رہے اور اس امکان سے غافل نہ ہو کہ برائیاں نیکیوں پر بھاری ہو جائیں گی۔ (تنبیہ الغافلین)

اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں اس پر تفصیلاً بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

انسان کا کوئی بھی کمال دار خوبی یہ عطاء الٰہی ہے ظاہری نظر میں اگر چہ بندہ اس کو اپنی طرف منسوب کر کے عجب کرتا ہے مگر اس کو یہ سوچنا چاہئے کہ اس خوبی کا ذریعہ کیا ہے مثلاً اگر کسی کو اپنے علم پر عجب ہے تو اس کی قابلیت کہاں سے آئی اسی طرح ہر اختیاری صفت کا دارومدار غیر اختیاری سبب پر ہوتا ہے جو محض کرم اور فضل الٰہی ہے لہٰذا عجب تو خدا کے کرم اور فضل پر ہونا چاہئے جس نے ایسا انعام کیا جس کا یہ مستحق نہ تھا اور اس کو دوسروں پر ترجیح دی پھر اسی پر نتیجتاً تحریر فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ عابد کو اپنی عبادت پر اور عالم کو علم پر اور خوبصورت کو جمال پر اور تونگر کو مال پر عجب کرنا بے معنی ہے کیونکہ یہ سب نعمتیں اللہ کی دی ہوئی ہیں۔ معلوم ہوا کہ عجب کا سبب جہل ہے کہ آدمی جب اس معرفت سے خالی ہو یا اس میں تامل نہیں کر رہا ہو تو عجب میں واقع ہو جاتا ہے بناء بریں عجب کا موثر علاج اس جہالت اور غفلت کو دور کرنے سے ہوگا۔ جبکہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا علاج ایک حکایت کے ضمن میں بیان فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ:

حکایت:۔

شاہ محمود غزنوی کے ایک مقرب درباری غلام ایاز نے ایک حجرہ تعمیر کیا اور اس میں اپنی گدڑی اور پرانی پوستین لٹکا دی اور اس حجرہ کو مقفل رکھتا تھا اور تنہا جا کر کبھی کبھی اپنی پھٹی پرانی گدڑی اور پوستین کو دیکھ کر رویا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ میرا لباس یہ تھا کہ جسے آج میں حیا اور شرم سے مقفل رکھتا ہوں اور اپنے کو سمجھایا کرتا تھا کہ اے ایاز تو اب مقرب بارگاہ سلطان ہے اس شان و شوکت پر ناز نہ کرنا کہ تیری حقیقت صرف یہی پوستین اور گدڑی ہے۔

عمائد اور وزراء اس راز سے بے خبر تھے وہ ایاز کو اس حجرہ کی طرف آتے دیکھتے اور طرح طرح کی قیاس آرائیاں کرتے ایک دن تمام اراکین سلطنت جمع ہو کر تبادلہ خیال کرنے لگے کہ ایاز تنہا اس حجرہ میں کیوں جاتا ہے؟ اور اس کو مقفل بھی رکھتا ہے اس قفل گراں کی کیا ضرورت ہے شاہ محمود اس کو درویش سمجھتا ہے اور یہ شاہ کی دولت اس حجرہ میں مخفی کر رہا ہے۔

اگر اس دفینہ کی خبر شاہ کو دی جائے تو دو فائدے حاصل ہونگے ایک تو یہ کہ ایاز کا تقرب ختم

ہو جائے گا دوسرے یہ کہ شاہ کو جب دفینہ مل جائے گا تو ہم لوگوں کو انعام بھی ملے گا چنانچہ مشورہ طے پایا کہ شاہ محمود کو اطلاع کی جائے پس ایک وفد نے شاہ سے کہا۔

شاہ را گفتند او را حجرہ است

اندر آنجا زر وسیم خمرہ است

شاہ نے حاسدین کی یہ بات سن کر ان سے کہا کہ اچھا ہم آج آدھی رات کو اس حجرہ کا معائنہ کریں گے اور تم سب لوگ ہمارے ساتھ رہنا جو کچھ اس میں سے دولت ملے ہماری طرف سے وہ سب تم لوگ تقسیم کر لینا۔

شاہ کو پہلے ہی ایاز کی مخلصانہ محبت پر مکمل اعتماد تھا لیکن شاہ ان عمائد سے مذاق کر رہا تھا اور ان کی اصلاح کے لئے تلاش کا یقین دلایا بالآخر آدھی رات کو حجرہ کھولا گیا لیکن اراکین سلطنت نے جب وہاں کچھ نہ پایا تو کہنے لگے کہ زمین کے اندر ایک دفینہ ہوگا۔ لہٰذا حجرہ کے اندر کھدائی کرائی گئی پھر بھی کچھ نہ نکلا حاسدین شرمندہ ہو کر شاہ کے سامنے حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ اب حضور جو سزا بھی دیں ہم اس کے مستحق ہیں لیکن اگر آپ ہم کو معاف کر دیں تو آپ شاہ کرم ہیں شاہ نے کہا کہ جو فیصلہ ایاز کریں گے وہی فیصلہ ہمارا ہوگا کیونکہ تم لوگوں نے ایاز کی عزت و ناموس کو داغدار کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس حکایت میں مولانا رومی نے عجب کو ختم کرنے کا طریقہ بتلایا ہے کہ جس طرح ایاز عطاء شاہی کے تمام انعامات کے باوجود اپنے کو عجب سے بچانے کے لئے ہر روز اپنی پرانی گدڑی اور پوستین کو دیکھتا اور اپنے کو نصیحت کرتا اور کہتا کہ اے ایاز تیری یہی اصل حقیقت تھی شاہ کے تقرب سے ناز نہ کرنا اسی طرح دوسروں کو بھی اس درس عبرت پر عمل کرنا چاہئے اور اپنی حقیقت پر ہمیشہ نظر رکھنی چاہئے تاکہ اپنے علم و دولت و عہدہ اور حسن و جمال پر ناز اور عجب سے محفوظ رہیں۔

ایک کمزور بینائی والے عمر رسیدہ بزرگ ایک راستہ سے گذر رہے تھے کہ ایک متکبر کے بدن کو ان کے جسم سے کچھ دھچکا لگ گیا اس متکبر نے اکڑ کر کہا او اندھے! تو جانتا نہیں میں کون ہوں؟

ان بزرگ نے کہا میں خوب جانتا ہوں کہ تو کون ہے؟ اگر تو کہے تو میں تجھے بھی بتا سکتا ہوں اس

نے کہا کہ اچھا بتایئے ارشاد فرمایا ماضی میں تو باپ کا ناپاک نطفہ اور ماں کا خون حیض تھا۔ حال میں تیرے پیٹ کے اندر پائخانہ اور پیشاب بھرا ہوا ہے اور مستقبل میں تو قبرستان میں سڑی ہوئی لاش ہوگا۔

مذکورہ تینوں حضرات کی آراء قلمبند کرنے کے بعد یہ اچھی طرح آشکارا ہو جاتا ہے کہ انسان اپنی خوبیوں سے زیادہ نگاہ اپنے نقصانات اور کوتاہیوں پر رکھے اگر کمالات کو گنتا رہے اور عیوب سے صرف نظر کرتا رہے تو قارون کی طرح انجام بد سے بچ نہیں سکے گا اگر دنیا میں اسکا نتیجہ نہ دیکھے تو آخرت کی رسوائی سے کہاں بھاگے گا؟ اللّٰھم احفظنا

مگر آج کا انسان ڈگریوں کا عاشق ہے ہمیشہ اس خواہش میں منہمک رہتا ہے کہ مجھے کس طرح لوگ بڑا سمجھیں گے عجب تو اندر کی بات ہے اس پر آج کسی کو قناعت نہیں یہ مرحلہ گویا سب نے طے کیا ہے اب سب میدان سمعہ (شہرت) کے شہسوار ہیں بعض ایسے رسمی علماء جو جملہ صغری اور جملہ کبری کی معرفت سے عاجز ہیں آج اپنے کو مجتہد کے رتبہ میں سمجھتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ وقلیل ماہم۔ اور جب خواص کا یہ حال ہے تو عوام سے کیا گلہ؟

گر چہ آہن سرخ شد او سرخ نیست
پر تو عاریت آتش زنیست

فصل نمبر ۱۳

کبر و تکبر:۔

کبر خلق باطن کا نام ہے اور جو کچھ اس سے ظاہر ہوتے ہیں انکو تکبر کہتے ہیں یعنی جب تک یہ وصف دل کے اندر ہو تو کبر کہلاتا ہے مگر جب اس کا اظہار اعضاء سے کیا جائے تو اگر چہ ہر عضو سے ہر قسم کا مستقل نام ہے تاہم مجموعی اعتبار سے ان افعال کو تکبر کہنا مناسب ہے۔

کبر کے معنی ہیں اپنے نفس کو دوسروں سے بڑا سمجھنا اور اس امر باطن (کبر) کا صرف ایک ہی سبب ہے یعنی عجب۔ البتہ تکبر ظاہری کبر کے علاوہ کبھی کبھی کینہ حسد اور ریا کی وجہ سے بھی ہوتا ہے تکبر

چونکہ اپنی بلندی کے اظہار اور دوسروں کی تحقیر کا نام ہے اس لئے یہ مرض متکبر اور اجتماعی زندگی دونوں کے لئے جذام کی حیثیت رکھتا ہے۔

تکبر کی وجہ سے شیطان ملعون ہو کر انسان کا دشمن بنا۔ اسی بناء پر سب سے پہلا اختلاف معرض وجود میں آیا دو جماعتیں بن گئیں اولیاء اللہ اولیاء الطاغوت اور کبر کی وجہ سے کافروں نے استکبار عن الحق کا راستہ اختیار کیا لہٰذا خود بھی جہنم رسید ہوئے اور دوسروں کو بھی ساتھ تباہ و برباد کیا جن کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وقیل ادخلوا ابواب جھنم خالدین فیھا فبئس مثوی المتکبرین ۔

''حکم ہوا کہ داخل ہو جاؤ دروازوں میں دوزخ کے سدا رہنے کو اس میں سو کیا بری جگہ ہے رہنے کی غرور والوں کو۔''

اگر یہ لوگ انبیاء علیہم السلام کو حقیر نہ سمجھتے اور ان کی باتوں پر لبیک کہتے تو آج یہ نہ جہنمی کہلاتے اور نہ ہی مستحق لعنت ہوتے۔

تکبر عزازیل را خوار کرد
بزندانِ لعنت گرفتار کرد

احیاء العلوم میں ایک روایت ہے کہ عوف بن عبداللہ فضل بن مہلب کے پاس اس زمانہ میں تشریف لے گئے کہ وہ واسط کے حاکم تھے اور کہا کہ میں تم کو ایک نصیحت کرتا ہوں انہوں نے کہا کہ فرمایئے آپ نے فرمایا کہ ایک تو حسد سے بچنا یہ وہ چیز ہے کہ قابیل نے اسی باعث ہابیل کو مارا تھا۔ دوم یہ کہ حرص سے محترز رہنا یہ وہ بلا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اسی کی بدولت شجر ممنوعہ سے کھایا اور جنت سے نکالے گئے۔ تیسرے یہ کہ تکبر سے بچنا کیونکہ اول نافرمانی خدا تعالیٰ کی اسی کی بدولت ہوئی چنانچہ تصدیق اس کی کتاب اللہ میں موجود ہے۔

واذ قلنا للملائکۃ اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابلیس ابی واستکبر وکان من الکافرین ۔

ابلیس کی تمام عبادتیں اور ریاضتیں اس لئے بے معنی ہو گئیں کہ اس نے تکبر کر کے آدم علیہ

السلام کو حقیر سمجھا معلوم ہوا کہ جس کا اعتقاد یقین اس بات پر ہو کہ میں کسی بندے سے بہتر ہوں تو اس نے اپنے سب اعمال برباد کئے۔

اس لئے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی شخص کا ذکر خیر ہوا ایک روز وہ شخص آیا تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہی وہ شخص ہے جس کا ذکر ہم نے آپ کی خدمت میں کیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تو اس کے چہرہ میں نشان شیطان معلوم ہوا ہے پس جب اس نے آ کر سلام کیا اور آپ کے اور اصحاب کے سامنے کھڑا ہوا تو آپ نے اس سے فرمایا کہ میں تجھ سے بقسم پوچھتا ہوں کہ تیرے جی میں یہ بات ہے کہ نہیں کہ قوم میں مجھ سے افضل اور کوئی نہیں اس نے عرض کیا کہ بے شک میرے دل میں یہی بات ہے۔

(احیاء العلوم بحوالہ بزار و دار قطنی)

لطیفہ:۔

شروع کتاب میں یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ بعض بداخلاقیوں سے آدمی یا تو حیوانات کے مشابہ ہو جاتا ہے یا شیطان کے اس حدیث سے اس بات کو تقویت ملی کہ تکبر کی وجہ سے انسان عبدیت کے مقام سے خارج ہو کر شیطان کے دائرہ بغاوت میں داخل ہو جاتا ہے اور اس مشابہت کی اس پر ایک مہر ثبت کی جاتی ہے جس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نور نبوت سے معلوم کیا باقی خصلتیں اس پر قیاس ہیں۔

تکبر کی مذمت:۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لایدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال ذرة من کبر (رواہ مسلم)

''وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی کبر ہوگا۔''

دراصل کبریائی اور بڑائی اللہ کی صفات خاصہ میں سے ہے پس جو انسان کبریائی اور بڑائی کا دعویدار ہو اور تکبر اس کا رویہ ہو وہ گویا اپنی حقیقت کو بھول کر اللہ تعالیٰ کا حریف بنتا ہے اس لئے وہ بڑا ہی مجرم ہے اور اس کا جرم نہایت ہی سنگین ہے اپنے اس جرم کی وجہ سے یہ اگرچہ کافر تو نہیں ہوتا اور نہ ہی

کافروں کی طرح ہمیشہ جہنم میں رہے گا مگر یہ ایسا جرم ہے کہ اپنی اصل تاثیر کے لحاظ سے جنت سے محروم کردینے والا اور دوزخ میں پہنچانے والا ہے اور حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی برابر تکبر کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ سرکشوں میں لکھ لیا جاتا ہے پس اس کو بھی وہی پہنچتا ہے جو ان کو پہنچتا ہے۔

(ترمذی ص:۲۰ ج:۲)

اور حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو بطور نصیحت فرمایا۔

ولاتصعر خدك للناس ولاتمش فی الارض مرحاً ان اللّٰہ لایحب کل مختال فخور۔

''اور اپنے گال مت پھلا لوگوں کی طرف اور مت چل زمین پر اتراتا بے شک اللہ کو نہیں پسند کوئی اتراتا بڑائیاں کرنے والا۔''

یعنی غرور سے مت دیکھ اور لوگوں کو حقیر سمجھ کر متکبروں کی طرح بات نہ کر بلکہ خندہ پیشانی سے مل کیونکہ اترانے اور شیخیاں مارنے سے آدمی کی کچھ عزت نہیں بڑھتی بلکہ ذلیل وحقیر ہوتا ہے سامنے نہیں تو پیچھے لوگ برا کہتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنی نگاہ میں تو عظیم مگر دوسروں کی نظروں میں حقیر ہوجاتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دن برسر منبر اپنے خطبہ میں فرمایا۔

یاایھا الناس تواضعوا فانی سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: من تواضع للّٰہ رفعہ اللّٰہ فھو فی نفسہ صغیرو فی اعین الناس عظیم ومن تکبر وضعہ اللّٰہ فھو فی اعین الناس صغیر وفی نفسہ کبیر حتی لھو اھون علیھم من کلب اوخنزیر۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

''اے لوگو! فروتنی اور خاکساری اختیار کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جس نے اللہ کے لئے خاکساری کا رویہ اختیار کیا تو اللہ اس کو بلند کرے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنے خیال اور اپنی نگاہ میں تو چھوٹا ہوگا لیکن عام بندگان خدا

کی نگاہ میں اونچا ہوگا اور جوکوئی تکبر اور بڑائی کا رویہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو نیچے گرادے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ عام لوگوں کی نگاہ میں ذلیل وحقیر ہوجائے گا اگر چہ اپنے خیال میں بڑا ہوگا لیکن دوسروں کی نظر میں وہ کتوں اور خنزیروں سے بھی زیادہ ذلیل اور بے وقعت ہوجائے گا۔

(معارف الحدیث بحوالہ شعب الایمان بیہقی)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''ایک آدمی اچھے لباس اور سر میں کنگھی کئے ہوئے اترائی ہوئی چال سے چل رہا تھا اور یہ انداز اس کو بہت اچھا معلوم ہو رہا تھا اس کو اللہ نے دھنسا دیا وہ زمین میں قیامت تک دھنستا رہے گا۔

(بخاری ص:۸۶۱ ج:۲)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت اور دوزخ میں بحث ہوئی دوزخ نے کہا مجھ میں سرکش اور متکبر ہیں جنت نے کہا مجھ میں کمزور اور مساکین ہیں۔اللہ نے دونوں کے درمیان فیصلہ کیا فرمایا جنت تو میری رحمت ہے تیرے ذریعے میں جس پر چاہوں گا رحم کروں گا اور دوزخ سے خطاب کیا تو میرا عذاب ہے تیرے ذریعے سے جس پر چاہوں گا عذاب کرونگا اور تم دونوں کا بھرنا میرے ذمہ ہے۔(مسلم ص:۳۸۱ ج:۲)

انسان خاکی ہے اس کی اصل ''مٹی'' ہے اور مٹی کی خصلت میں تو تواضع ہے اگر وہ ابھرتی ہے تو لوگ لعنت بھیجتے ہیں لہٰذا انسان کا مزاج بھی ایسا ہی ہونا چاہئے کہ جتنی خاکساری برتے گا اس کی عزت ہوگی اور جتنا غرور وتکبر کرے گا اتنا ہی اسے پست کردیا جائے گا۔

پستی سے ہو سربلند اور سرکشی سے پست
اس راہ کے عجیب نشیب وفراز ہیں

حکایت:۔

جبلہ بن ایہم غسان کا آخری بادشاہ تھا جس کا قد بارہ بالشت اونچا تھا سواری پر ہوتا تو اس کے پاؤں زمین پر لگتے تھے جب اس نے مسلمان ہونے کا ارادہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں

حاضری کی اجازت چاہی آپ بہت خوش ہوئے اور لکھ لیا جو چیز ہمارے لئے نافع ہے وہی تیرے لئے سودمند ہے اور جو چیز ہمارے لئے نقصان دہ ہے وہی تیرے لئے ضرر رساں ہے۔

پس جبلہ بن ایہم قبیلہ عکل اور جفنہ کے ایک سو شہسواروں کے ساتھ نکلا اور مدینہ کے قریب پہنچا تو اس نے شہسواروں کو سونے کے تار اور ابریشم سے بنے ہوئے کپڑے گھوڑوں کو دیباج کی جھولیں اور سونے چاندی کے ہار پہنا دیئے اور خود بھی اس نے اپنا تاج پہن لیا جس میں ماریہ کی بالیں تھیں جن میں کبوتر کے انڈے کے برابر دو عجیب وغریب موتی یا چالیس ہزار اشرفیوں کی قیمت کا ایک جوہر تھا جو بطریق وراثت غسان کے سلاطین میں منتقل ہوتا چلا آ رہا تھا۔

تمام اہل مدینہ اس کے استقبال کے لئے نکلے اور اس کی آمد سے اور اسلام قبول کرنے سے مسرور ہوئے پھر وہ اشہر حج میں ادائیگی حج کے لئے حضرت عمر کے ساتھ حاضر ہوا پس وہ طواف کر رہا تھا کہ ایک فزاری کا پاؤں اس کے تہبند پر پڑ گیا جس کی وجہ سے اس کا تہبند کھل گیا جبلہ نے غیظ وغضب میں آ کر اتنے زور سے طمانچہ مارا کہ اس کی ناک ٹوٹ گئی اس نے حضرت عمرؓ سے دادرسی چاہی حضرت عمرؓ نے جبلہ سے کہا تو نے اپنے اسلامی بھائی کو طمانچہ کیوں مارا؟ جبلہ نے کہا کہ اس نے میرے تہبند پر پاؤں رکھا اگر بیت اللہ کا احترام نہ ہوتا تو میں اس کو قتل کر دیتا حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تو نے خود ہی اقرار کر لیا یا تو اس کو خوش کر وورنہ میں تجھ سے قصاص (بدلہ) لونگا۔ اس نے کہا کیا آپ مجھ سے اس بازاری (ذلیل) آدمی کا بدلہ لیں گے آپ نے فرمایا تم دونوں کو اسلام شامل ہے۔

جبلہ نے کہا تب تو میں نصرانی ہو جاؤں گا آپ نے فرمایا کہ اگر تو نصرانی ہو گیا تو میں تیری گردن ماروں گا جبلہ نے کہا امیر المؤمنین مجھے کل تک مہلت دیجئے آپ نے فرمایا تجھے اختیار ہے۔ پس جبلہ رات کی تاریکی میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ قسطنطنیہ چلا گیا اور نصرانی ہو گیا۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شاہ ہرقل کے پاس اسلام کی دعوت کے لیے اپنا قاصد بھیجا تو معلوم ہوا کہ جبلہ وہاں ہے اور ہرقل نے اس کو ہر قسم کے اموال اور مکانات بطور جاگیر نامزد کر دیئے۔

قاصد کہتا ہے کہ ہرقل نے کہا: اس سے ملئے پھر میرے پاس آیئے اور جواب لے جایئے

جب میں اس کے پاس گیا تو دیکھا وہ شیشہ کے تخت پر بیٹھا ہوا تھا مجھے دیکھتے ہی پہچان گیا اور اپنے ساتھ تخت پر بٹھالیا اور مسلمانوں کے متعلق پوچھ گچھ کرنے لگا پھر سونے کے دسترخوانوں کو چاندی کے پیالوں سے سجایا گیا پس جبلہ نے سونے چاندی کے برتنوں میں کھایا اور میں نے خدنگ کے برتن میں کھایا۔

پھر اس نے سونے کے برتن میں ہاتھ دھوئے اور میں نے پیتل کے برتن میں (کیونکہ سونا چاندی استعمال کرنا مسلمانوں کے لئے روانہیں) پھر خادموں نے دس دس کرسیاں اس کی دائیں اور بائیں جانب بچھادیں اس کے بعد دس کنیزیں آئین جو لمبے لمبے بالوں میں چھپی ہوئی تھیں اور ہر قسم کے نفیس کپڑوں اور زیورات سے لدی ہوئی تھی پس ان میں سے پانچ دائیں اور پانچ بائیں جانب بیٹھ گئیں پھر اس کے بعد ایک کنیز آئی جو آفتاب کی طرح حسین وجمیل تھی پھر جبلہ نے دائیں جانب والی کنیزوں سے کہا تم ہمیں ہنساؤ کنزیوں نے سارنگ پر گانا شروع کیا اس کے بعد ان کنیزوں سے کہا جو اسکی بائیں جانب بیٹھی تھیں کہ ہم کو رلاؤ جب وہ گانے سے فارغ ہوگئیں تو جبلہ اتنا رویا کہ اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی پھر اس نے خود اشعار پڑھنے شروع کئے جن میں سے دو یہ ہیں۔

تنصرت الاشراف من اجل لطمة
وما كان فيها لو صبرت بها ضرر
تكلفني فيها لجاج ونخوة
وبعت بها العين الصحيحة بالعور

(از نفحة العرب مع الاختصار)

''شرفاء ایک طمانچہ کے سبب نصرانی ہوگئے حالانکہ اگر میں صبر کرتا تو اس میں کوئی نقصان نہ تھا مجھے اس طمانچہ پر کبر اور خصومت نے مجبور کیا اور میں نے اس کی وجہ سے اچھی خاصی آنکھ (دین اسلام) کو کانی آنکھ (نصرانیت) کے عوض فروخت کر ڈالی''۔

یہ نتیجہ ہوا تکبر کا کہ اپنے کو بڑا سمجھا اور دوسرے کو حقیر جس کی وجہ سے ابدی خسران سے دامن نہ بچا سکا کس شوق وذوق سے اسلام قبول کیا اور کس شان وشوکت کے ساتھ مدینہ میں داخل ہوا کیسے والہانہ

استقبال کیا گیا مگر مرض کبر جب دل سے نہیں نکلا تھا تو کفر کی بیماری اگر چہ خارج ہوئی تھی لیکن کبر نے بالآخر اپنا اثر دکھایا۔

از تواضع خاک مردم می شود
نور نار از سرکشی گم می شود
علتے بدتر ز پندار کمال
نیست اندر جانت اے مغرور حال

''اپنے کو کامل سمجھنے کی بیماری سے بڑھ کر کوئی بیماری نہیں پس اے وہ شخص جو موجودہ حالت سے اپنے کو بڑا سمجھ رہا ہے اپنے انجام پر نظر کر کہ نہ جانے خاتمہ کیسا ہوگا۔''

علاج:۔

صوفیاء کا ایک قول ہے کہ مجاہدات وریاضات نفس کے باوجود رذائل نفس میں سب سے آخر میں جو رذیلہ بمشکل اور بدقت تمام نکلتا ہے وہ تکبر اور خود پسندی ہے اور اس کا بہترین علاج نفس کو خدمت پر آمادہ کرنا ہر شخص کی بھلائی چاہنا ہے اگر انسان نفس کو ان دو امور کا آہستہ آہستہ عادی بنالے تو اس مرض سے نجات پاسکتا ہے۔

اور ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے تکبر سے بچنے کے لئے دو باتوں کا مشورہ دیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ اس کا علاج ایسے شخص کے واسطے جس کو اللہ کی طرف سے توفیق ہو یہ ہے کہ ہمیشہ تکبر وحسد وریاکاری کی مذمت پیش نظر رکھے اور نفس کو آگاہ کرتا رہے کہ ان بدکاریوں کا عذاب دور نہ ہوگا بلکہ علم کے ساتھ دوگنا ہو جائے گا اور جس نے سلف صالحین اور علماء کاملین کے حالات پر نظر رکھی تو وہ ہر حالت میں اپنے نفس کو حقیر دیکھے گا۔

فصل نمبر ۱۴

قساوت قلبی:۔

جب کسی شے کی اصل فطرت یہ ہو کہ خارجی اثر کو قبول کرتی ہو اور انفعالی مادہ کی بدولت انجذاب کی صلاحیت رکھتی ہو مگر بعارض وہ اس فطرت اور خصلت کے مقتضیٰ پر پورا نہ اترے تو اس کو قسوۃ (سختی) کی طرف منسوب کر کے قاسی کہتے ہیں کیونکہ قبول کرنے کے لئے قابل کی لین (نرمی) اور لچک ضروری ہے۔

مذکورہ بالا قاعدہ تمام اجسام طبعیہ پر منطبق ہوتا ہے اور قلب بھی چونکہ ایک جسم ہے اس لئے اس ضابطے کا اطلاق اس پر بھی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس میں قبول اثر کی صلاحیت ودیعت فرمائی ہے مگر بعض قلوب اتنے قاسی ہوتے ہیں کہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوتے ہیں کہ پند و نصیحت قبول نہ کرنے میں پتھر کی مانند ہوتے ہیں بلکہ پتھر سے بھی بڑھ کر ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

ثم قست قلوبكم من بعد ذالك فهى كالحجارة او اشد قسوة ۔(الآية)

''پھر تمہارے دل سخت ہو گئے اس سبب کے بعد سو وہ ہو گئے جیسے پتھر یا ان سے بھی سخت۔''

قساوت کے اسباب:۔

قساوت کبھی تکوینی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی کبھی اپنی سنت جاریہ سے چند افراد کو ماہیت کے مقتضا سے مستثنیٰ کر دیتے ہیں تا کہ اس کے وجود اور وحدانیت کی واضح دلیل بنے جس کی کئی مثالیں ہیں مثلاً ہر انسانی بچے کی پیدائش فطرت اسلامی پر ہوتی ہے مگر جس بچے کو حضرت خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا کافر پیدا ہوا تھا۔

اسی طرح شہد کی مکھیوں کی خصلت یہ ہے کہ پھولوں کی تلاش کرتی رہتی ہیں مگر بعض ان میں سے گندگیوں پر بیٹھتی ہیں کھیرا فطرتاً میٹھا ہوتا ہے لیکن بعض نہایت کڑوا ہوتا ہے اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ بعض دل اللہ نے ابتداء ہی سے اتنے سخت پیدا کئے ہوں جن میں قبول حق کی کوئی صلاحیت نہ ہو مگر عام

طور پر اس کے اسباب اختراعی اور عارضی ہوتے ہیں کبھی تو کثرت معاصی کی وجہ سے دل ایسا سیاہ ہوجاتا ہے کہ اصل استعداد کالعدم ہوجاتی ہے جس کی تصریح قرآن وحدیث دونوں میں موجود ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

کلابل ران علی قلوبھم ماکانوا یکسبون 0

یعنی ان کے دلوں پر ان کے اعمال بد کا زنگ بیٹھ گیا ہے جس سے استعداد قبول حق فاسد ہوگئی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے اگر اس نے توبہ کرلی اور اس پر نادم ہوکر آگے اپنے عمل کو درست کرلیا تو یہ سیاہ نقطہ مٹ جاتا ہے اور دل اپنی اصلی حالت پر منور ہوجاتا ہے اور اگر اس نے توبہ نہ کی بلکہ اپنے گناہوں میں زیادتی کرتا چلا گیا تو یہ سیاہی اس کے سارے قلب میں چھاجاتی ہے اسی کا نام ران ہے جو آیت قرآن'' کلا بل ران علی قلوبھم ''میں مذکور ہے۔

(ترمذی ص:۱۷۱ ج:۲ ابواب التفسیر)

اور تجربہ بھی یہی ہے کہ گناہ کرنے سے پہلے وہ گناہ نہایت مشکل لگتا ہے مگر اس کے ایک دو مرتبہ ارتکاب سے اس کے انجام بد کا خطرہ دل سے نکل جاتا ہے۔

اسی طرح سخت اور صلب اشیاء کی صحبت سے بھی دل کی نورانیت اور صلاحیت میں غیر معمولی کمی واقع ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ گدھے اور اونٹ پالنے اور چرانے والا جفاکش اور سنگدل ہوتا ہے بخلاف بکریاں چرانے والے کے۔ اسی طرح اونٹ کا گوشت کھانے والا اور پتھریلی زمین کا رہنے والا اس مرض کا شکار ہوجاتا ہے اور یہی حال ان لوگوں کا بھی ہوتا ہے جو علم اور علماء سے دور رہتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

الاعراب اشد کفراً ونفاقاً واجدر الایعلموا حدود ماانزل اللّٰہ علی رسولہ ۔

''گنوار بہت سخت ہیں کفر میں اور نفاق میں اور اس لائق ہیں کہ نہ سیکھیں وہ قاعدے جو نازل

کئے اللہ نے اپنے رسول پر۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ من سکن البادیۃ جفا اور روایت ہے کہ کسی اعرابی (دیہاتی) نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ لوگ اپنے بچوں کا پیار لیتے ہیں خدا کی قسم میں نے کبھی اپنے اولاد کا پیار نہیں لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کیا کروں اگر خدا نے تیرے دل میں سے اپنی رحمت کو نکال لیا ہے۔

چونکہ ان کو ایسے مواقع دستیاب نہیں ہوتے کہ اہل علم وصلاح کی صحبت میں رہ کر دیانت وتہذیب کے وہ قانون اور قاعدے معلوم کریں جو خدا نے پیغمبر علیہ السلام پر نازل کئے اور علم ومعرفت ہی وہ چیز ہے جو انسان کے دل کو نرم کرتی اور مہذب بناتی ہے لہٰذا جو لوگ اس قدر جہالت میں غرق ہیں ضروری ہے کہ ان کے دل سخت ہوں اور کفر ونفاق کے جس راستہ پر پڑ جائیں بہائم اور درندوں کی طرح اندھا دھند بڑھے چلے جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

ازاں جملہ ایک کثرت ضحک بھی ہے کہ اس سے دل کی بصیرت ونورانیت ختم ہو جاتی ہے اور قلب اللہ کی صفات اور دین سماوی کی حقانیت میں غور خوض اور تفکرات سے غافل ہو جاتا ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: اقل الضحك فان كثرة الضحك تميت القلب۔ (الادب المفرد ص:۱۰۲)

''حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کم ہنسو کہ زیادہ ہنسنا قلب کو مار دیتا ہے۔''

اور ارشاد ہے۔

لاتكثروا الضحك فان كثرة الضحك تميت القلب ۔

(ایضاً ص:۱۰۲)

''زیادہ نہ ہنسا کرو کہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے۔''

مذکورہ بالا وجوہات اسباب اکثری ہیں ان کے علاوہ بھی بعض امور ایسے ہیں جن سے دل کی خداداد صلاحیت کالعدم ہو جاتی ہے۔

بہر حال اسباب کچھ بھی ہوں مگر اس میں شک نہیں کہ قساوت قلب ایسی بیماری ہے جس سے انسان اور چوپایوں کے درمیان واقع فاصلے ختم ہو جاتے ہیں اور دل روحانی کیفیات سے لاتعلق ہو کر کر فیضان حق سے محروم ہو جاتا ہے اور ہر آزمائش میں ناکام ہو کر مہر جباریت کا مستحق ہو جاتا ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔

لیجعل مایلقی الشیطان فتنة للذین فی قلوبهم مرض والقاسیة قلوبهم ۔

''اس واسطے کہ جو کچھ شیطان نے ملایا اس سے جانچے ان کو جن کے دل میں روگ ہیں اور جن کے دل سخت ہیں۔''

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لاتکثروا الکلام بغیر ذکر اللّٰہ فان کثرة الکلام بغیر ذکر اللّٰہ قسوة للقلب وان ابعد الناس من اللّٰہ القلب القاسی۔ (رواہ ترمذی)

''اللہ کے ذکر کے سوا زیادہ مت بولا کرو کہ اللہ کے ذکر کے سوا زیاد بولنا قساوت قلب (کا سبب) ہے اور بے شک لوگوں میں اللہ سے زیادہ دور سخت دل ہوتا ہے۔''

(رواہ الترمذی ص:۴۴ ج:۲ باب ماجاء فی حفظ اللسان ابواب الزہد)

علاج:۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قساوت قلبی کی شکایت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو اور مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔ (مسند احمد)

فائدہ:۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کو دو باتوں کی ہدایت فرمائی ایک یہ کہ یتیم کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا کرو اور دوسرے یہ کہ بھوکے فقیر مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بتلایا ہوا علاج علم النفس کے ایک خاص اصول پر مبنی ہے کہ اگر کسی

شخص کے نفس یا قلب میں کوئی خاص کیفیت نہ ہو اور وہ اس کو پیدا کرنا چاہے تو ایک تدبیر اس کی یہ بھی ہے کہ اس کیفیت کے آثار اور لوازم کو اختیار کرے ان شاء اللہ کچھ عرصہ کے بعد وہ کیفیت نصیب ہو جائے گی دل میں اللہ کی محبت پیدا کرنے کے لئے کثرت ذکر کا طریقہ جو حضرات صوفیاء کرام میں رائج ہے اس کی بنیاد بھی اسی اصول پر ہے۔ (معارف الحدیث)

اور مذکوہ بالا دونوں طریقے جذب رحم کے آثار اور لوازم میں سے ہیں لہٰذا اگر کسی کا دل اس جذبہ سے خالی ہو اور بتکلف ایسا کرنے لگے تو انشاء اللہ اس کے قلب میں بھی رحم اور نرمی کی کیفیت پیدا ہو جائے گی۔

یہاں ایک دوسرا ضابطہ بھی قابل ذکر ہے جو امالہ کے نام سے معروف ہے وہ یہ کہ اگر کسی رذیلہ کا ازالہ ممکن نہ ہو تو اس کو کسی ایسی جانب مائل کرنے کی کوشش کی جائے جس کی وجہ سے اس کے شر اور مہلک اثرات سے بچا جا سکے مثلاً اگر حب دنیا کا ازالہ قوت شہوانی میں افراط کی وجہ سے مشکل لگے تو بتکلف اس قوت کو مطالعہ کتب اولیاء اور مجالس صلحاء پر آمادہ کیا جائے تا کہ وہ دنیا کے بجائے آخرت کی طرف متوجہ اور مائل ہو جائے اسی طرح غضب کو باہمی جھگڑوں کی بجائے جہاد پر لگایا جائے تا کہ رذیلہ اور اخلاق سیئہ سے فضیلت اور اخلاق حمیدہ کی طرف مائل اور منتقل ہو۔

باب سوم

فضائل کے بیان میں

فصل نمبر ا

علم شرع کی اہمیت اور فضیلت:۔

خلیق بننے کے لئے جس طرح قلب کی جملہ اوصاف مذمومہ اور امراض مہلکہ سے تجرید اور تخلی ضروری ہے اسی طرح اس کو اوصاف حمیدہ سے آراستہ کرنا بھی ناگزیر ہے کہ فضائل سے معری ہونے کے

صورت میں اس کی افادیت اور مقصد اعلیٰ ختم ہو جاتا ہے اور اس کا فائدہ دوسرے اعضاء کی طرح جسمانی عنصریت اور جزئیت میں منحصر ہو جاتا ہے حالانکہ اس کا مقام اعضائے دیگر سے مختلف ہے کہ دوسرے اعضاء تو صرف جسمانی توازن برقرار رکھنے یا جسم کی مقررہ وقت تک بقا میں مدد دے سکتے ہیں بخلاف قلب کے کہ اس پر جسم کا دارمدار بھی دوسرے اعضاء سے بڑھ کر ہے اور یہ روح کے لئے اہم عنصر بھی ہے گویا قلب روح حیوانی اور روح انسانی دونوں کے لئے مرکب ہے بالفاظ دیگر قلب جسم اور روح دونوں کے لئے مرکزیت کی حیثیت رکھتا ہے اور دونوں کا قوام اور بقاء اسی پر مبنی ہے یہی وجہ ہے کہ قلب کے انقلاب سے دونوں میں انقلاب برپا ہو جاتا ہے اس واسطے اس کی غذا بھی دوسرے اعضاء سے مختلف ہے دوسرے اعضاء کی طرح یہ صرف خون وغیرہ مادی خوراک پر اکتفاء نہیں کرتا بلکہ اپنی حیات کی خاطر خون کے علاوہ روحانی غذا کا بھی مطالبہ کرتا ہے۔ چنانچہ فتح الموصلی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ لوگوں سے فرمایا۔

الیس المریض اذا منع منه الطعام والشراب والدواء یموت قالوا بلی قال کذالك القلب ذامنع منه الحکمة والعلم ثلاثة ایام یموت۔

(احیاء العلوم ص:۱۴ ج:۱)

''جب مریض کا کھانا پینا اور دوا بند کیا جائے تو کیا وہ مرے گا نہیں؟ لوگوں نے کہا بے شک وہ مرجائے گا فرمایا یہی حال دل کا ہے جب اس سے تین دن علم اور حکمت کو روک لیا جائے تو وہ مرجاتا ہے۔'' (احیاء العلوم ص:۱۴ ج:۱)

تاہم چونکہ دل محبت دنیا سے بے ہوش رہتا ہے اسلئے اس کو اس تکلیف کا احساس نہیں ہوتا جو روحانی غذا نہ ملنے کی صورت میں اسے پہنچتی ہے اس کا صحیح اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب اس کا تعلق دنیا سے کٹ جاتا ہے۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے بے ہوش کرنے والی دوا استعمال کی یا اسے شدید خوف درپیش آیا تو اسے الم جرح کا علم ہوش آنے کے بعد اور خوف چلے جانے کے بعد ہوتا ہے۔

اگرچہ بہت سے محققین ''قلب'' کا اطلاق گوشت کے اس ٹکڑے کی بجائے لطیفۂ ربانی پر کرتے ہیں لیکن میرے خیال میں اس لطیفۂ ربانی کا محل یہی دل ہے۔ واللہ اعلم

لہٰذا جسم اور روح دونوں کی ترقی دل کی درستگی میں مضمر ہے جس طرح جسمانی صحتمندی کا تعلق دل سے ہے اسی طرح روحانی ترقی قلب کے حال پر مبنی ہے اور جس طرح بدن کی نشوونما کے لئے مختلف غذاؤں کی ضرورت پڑتی ہے اسی طرح نفس ناطقہ کے عروج کے لئے مختلف مدارج اخلاق کی ضرورت ہے۔ازاں جملہ ایک علم وحکمت ہے۔

علم قلب کا نور ہے اس سے دل منور ہوجاتا ہے اس کی بدولت ظلمات جہل اور شیطانی دھوکہ سے نجات وحفاظت نصیب ہوجاتی ہے علم کے ذریعے آدمی کم عمل سے عالی درجات حاصل کرنے میں کامیاب ہوسکتا ہے جبکہ جہالت پر مبنی عمل کے انبار لغو ہوجاتے ہیں جہالت شیطان کے دل میں داخل ہونے کے لئے سب سے بڑا دروازہ ہے۔

چنانچہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ تلبیس ابلیس میں رقم طراز ہیں کہ سب سے بڑا دروازہ جس سے ابلیس لوگوں کے پاس آتا ہے وہ جہالت کا دروازہ ہے پس ابلیس جاہلوں کے یہاں بے کھٹکے داخل ہوتا ہے اور رہا عالم تو اس کے یہاں سوائے چوری کے کسی طرح نہیں آسکتا۔

ابلیس نے بہت سارے عابدوں پر یہ تلبیس اس لئے پھیلائی ہے کہ ان کو علم شریعت بہت کم تھا کیونکہ عابدوں میں اکثر یہی حالت ہوتی ہے کہ بدون علم پڑھے عبادت کے لئے گوشہ نشین ہوجاتے ہیں۔

ربیع بن خیثم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ پہلے علم حاصل کرو پھر گوشہ نشین ہو۔وہ مزید لکھتے ہیں کہ ابلیس نے عابدوں پر اول یہ تلبیس ڈالی کہ انہوں نے علم پر عبادت کو ترجیح دی حالانکہ نوافل سے علم افضل ہے۔

پس ابلیس نے ان کی رائے میں یہ جمایا کہ علم سے مقصود عمل ہے اور عمل سے یہی عمل سمجھے کہ جو جوارح سے حاصل ہوتا ہے او یہ نہ جانا کہ علم بھی قلبی عمل ہے اور قلبی عمل بہ نسبت ظاہری اعضاء کے اعمال سے افضل ہوتا ہے۔بلکہ جوارح کا کوئی عمل بدون قلبی عمل ایمان، اخلاص اور نیت وغیرہ کے درست ہی نہیں ہوتا علم فرائض میں سے ہے فرض کو ترک کرے نفل کے پیچھے پڑنا کونسی دانشمندی ہے بلکہ بعض

احکام کا علم تو ایمانیات میں سے ہے اس کے بغیر ایمان کی تکمیل ممکن ہی نہیں۔ چنانچہ ذات اور صفات کا علم اس زمرے میں داخل ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

وصفاته فی الازل غیر محدثة ولامخلوقة ومن قال انها مخلوقة اور محدثة اووقف اوشك فیها فهو كافر باللّٰه تعالیٰ۔

(الفقہ الاکبر ص:۱۴)

''اللہ کی جملہ صفات ازلی غیر حادث ہیں اور کسی کی مخلوق نہیں جس نے کہا کہ مخلوق ہیں یا حادث ہیں یا اس میں توقف کیا یا شک کیا تو وہ کافر ہو گیا۔'' (الفقہ الاکبر ص:۱۴)

اور اسی کتاب کے اخیر میں تحریر فرماتے ہیں۔

واذااشكل علی الانسان شیء من دقائق علم التوحید فانه ینبغی له ان یعتقد فی الحال ماهو الصواب عند اللّٰه تعالیٰ ولایسعه تاخیر الطلب ولایعذر بالوقف فیه ویكفر ان وقف۔ (ایضاً ص:۳۶)

''یعنی جب کسی انسان پر علم توحید کے دقیق مسائل میں سے کوئی مسئلہ مخفی ہو جائے تو اس کے لئے وقتی طور پر یہ کہنا جائز ہے کہ اللہ کے نزدیک جو صحیح ہے اس پر میرا ایمان ہے اور یہ گنجائش عالم ملنے اور اس سے سوال کرنے تک ہے اور تاخیر طلب کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور اس میں توقف کوئی عذر نہیں بلکہ توقف کرنے سے کافر ہو جاتا ہے۔'' (حوالہ بالا)

العقیدۃ الطحاویۃ اور دیگر کتب عقیدہ میں بھی اسی قسم کا مضمون وارد ہوا ہے بلکہ تجوید قرآن اور دیگر اہم مسائل کا علم بھی نہایت ضروری ہے اس کی طلب میں تاخیر کا کوئی عذر نہیں سنا جائے گا۔

مگر عابدوں اور زاہدوں نے اس ضرورت سے صرف نظر کر کے علم کی اہمیت یکسر ختم کر دی اور علم اور علماء کا اعلیٰ درجہ جس کی قرآن وسنت نے بارہا تصریح کی ہے اپنے درجے سے ادنیٰ سمجھتے ہیں۔

ایسے جاہل زاہدوں کے بارے میں ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ بزبان شکایت فرماتے ہیں کہ ابلیس کی تلبیس ان جاہل زاہدوں پر یہ بھی ہے کہ عالموں کی حقارت و مذمت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ علم کا مقصود یہی تھا کہ عمل کریں اور یہ نہیں سمجھتے کہ علم تو قلب کا نور ہے اگر یہ جاہل زاہد عالموں کا مرتبہ جانتے

کہ کیونکر اللہ تعالیٰ نے ان کی ذات سے شریعت کی حفاظت فرمائی ہے اور یہ انبیاء علیہم السلام کا مرتبہ ہے تو یہ زہاد ان کے سامنے اپنے آپ کو ایسا سمجھتے جیسے فصحاء کے سامنے گونگا اور آنکھوں والوں کے سامنے اندھا ہوتا ہے۔ علماء صحیح راستے کی دلیل ہیں اور سب خلق ان کے پیچھے ہیں۔

وہ زاہدوں کی اس غلطی پر مزید تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں زاہدوں پر ابلیس کی تلبیس میں سے ہے کہ زہد وعبادت کے پیچھے علم چھوڑ دیتے ہیں تو گویا انہوں نے بہتر وافضل چھوڑ کر حقیر وکمتر کو اختیار کر لیا اس کا بیان یہ ہے کہ زاہد کا نفع اس کے دروازے سے آگے نہیں بڑھتا اور عالم کا نفع دوسروں کو پہنچتا ہے اور حد سے تجاوز کرنے والوں کو عالم راہ راست پر پھیر لاتے ہیں۔ انتہیٰ

علم روشنی ہے اس کو حاصل کر کے چلنا بہت سے خطرات اور پھسلنے سے بچنے کا باعث ہوتا ہے جبکہ ظلمت جہالت میں مطلوب تک پہنچنا ضروری نہیں بلکہ بسا اوقات لغزش کا موجب بنتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اکثر جاہل عبادت گذار بجائے سنت وشریعت کے بدعات ومنکرات میں مبتلا ہو کر عبادت وضلالت میں فرق کرنے سے قاصر ہو جاتے ہیں اس طرح ان کی زندگی برائے نام عبادت میں گذر جاتی ہے۔

ویسے تو اس کی بہت ساری مثالیں ہیں مگر جس کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا وہ یہ ہے کہ تربت مکران کے ایک عابد کے متعلق وہاں کے مفتی صاحب نے بتایا کہ اس نے اپنی بیوی کو محض اس بناء پر طلاق دی کہ بقول اس کے شوہر ہونے کی حیثیت سے وہ پورا وقت اللہ کی راہ میں نہیں دے سکتا۔

اس افسوسناک خبر کے بعد جب میری ملاقات اس عابد سے ہوئی تو میں نے دیکھا کہ داڑھی کا بیشتر حصہ سفید تھا لامحالہ اس کی مطلقہ دوسرے نکاح سے بھی مایوس ہوگی مگر اس قاسی القلب نے اس کو مانند بیوہ اور بچوں کو یتیم سا بنا کر جہل اور ظلم کا ثبوت پیش کر دیا۔ حالانکہ یہ طریقہ ایمان بچانے ثواب کمانے اور جنت پانے کا نہیں بلکہ خلاف سنت وخلاف شریعت اور اخلاق سیئہ میں سے ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے اس سلسلہ میں ایک دوسرا واقعہ پر سنایا تھا جو انتہائی تعجب خیز ہے لیکن افسوس کہ انہوں نے عدم بیان کی شرط لگا دی تھی۔

حضرت عکافؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تمہاری زوجہ ہے؟ انہوں نے

عرض کیا نہیں پھر پوچھا کوئی شرعی لونڈی ہے کہا کہ نہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ تم صاحب وسعت ہو مراد یہ تھی کہ کیا تم نکاح کے لئے ضروری نفقات کا انتظام کر سکتے ہو جس کے جواب میں انہوں نے اقرار کیا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہماری سنت نکاح کرنا ہے تم میں بدترین آدمی وہ ہے جو بے نکاح ہوں اور تمہارے مردوں میں سب سے زیادہ رذیل وہ ہیں جو بے نکاح مر گئے۔ (معارف القرآن بحوالہ مسند احمد ص:۴۱۰ ج:۶)

مذکورہ بالا روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کو انبیاء علیہم السلام کی سنت قرار دیا اس لئے اس کی عبادت ہونے میں کسی کو کیا شبہ ہو سکتا ہے بلکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو نفلی عبادت میں لگنے سے افضل نکاح کرنا ہے حتی کہ بعض احادیث سے اس کا نصف ایمان ہونا ثابت ہے۔

مگر اس سنگدل و جاہل عابد نے عبادت کے لالچ میں نہ صرف اپنی پر لطف عبادت اور نصف ایمان کو ضائع کر دیا بلکہ اس کو تنہا کر کے ظلم و جور کو اپنا تقویٰ اور زہد قرار دیا جس کو جہل مرکب کہنا زیبا ہے۔

ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ ایسے زاہدوں کے زہد و تقوی پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ بعض زاہد ہمیشہ چپ رہنے کو لازم کر لیتے ہیں اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ ملنے سے جدا ہو جاتے ہیں گویا اس طرح اپنے قبیح اخلاق سے ان کو ایذاء پہنچاتے ہیں اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول بھول جاتے ہیں کہ تجھ پر تیرے اہل کا حق ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش طبعی فرماتے اور بچوں کو باتوں سے بہلاتے اور ازواج مطہرات سے دل بھلانے کی باتیں کرتے اور عائشہ کے ساتھ دوڑتے اور اسی طرح دیگر اخلاق لطیفہ مروی ہیں پھر اس زاہد جاہل کو دیکھو جس نے اپنی زوجہ کو بیوہ کی مانند بنا دیا اور بچوں کو یتیم سا بنا دیا اور برے اخلاق کا برتاؤ کیا اور الگ ہو بیٹھا اور یہ تاویل نکالی کہ ایسے امور اس کو شغل آخرت سے روکنے والے ہیں اور کم علمی سے یہ نہ جانا کہ اہل و عیال کے ساتھ کشادہ روئی سے زندگی بسر کرنا آخرت کے واسطے معین ہے۔

صحیحین میں ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تو نے کنواری لڑکی سے کیوں بیاہ نہ کیا جس سے تو کھیلتا اور وہ تجھ سے کھیلتی۔

اکثر اوقات اس جاہل زاہد پر خشکی غالب ہوجاتی ہے تو وہ زوجہ سے ملنا بالکل ترک کر دیتا ہے جس کا حق فرض تھا گویا نفل کے پیچھے فرض کھو دیتا ہے یہ ثواب کی بات نہیں۔ انتہیٰ

اللہ کے انعامات میں سے علم ایک عظیم نعمت ہے اس کی بدولت فرشتوں نے آدم علیہ السلام کی افضیلت کا اقرار کیا اور اس بناء پر انسان مکرم ہوا۔

صحیحین کی حدیث میں بروایت معاویہؓ آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جس کی بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین کا علم اور سمجھ بوجھ عطا فرما دیتے ہیں۔

اور طبرانی کی حدیث میں بروایت حضرت ثعلبہ بن الحکم رضی اللہ عنہ جس کی سند کو ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے جید کہا ہے علماء کے لئے بڑی بشارت مروی ہے۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول اللہ تعالیٰ للعلماء یوم القیامۃ اذاقعد علی کرسیہ لقضاء عبادہ انی لم اجعل علمی وحکمتی فیکم الا وانا ارید ان اغفرلکم علی ماکان منکم ولا ابالی۔

(معارف القرآن ص:۶۵ ج:۶ ابن کثیر ص:۱۴۶ ج:۳ عربی وص:۵۵ ج:۳ اردو)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال کا فیصلہ کرنے کے لئے اپنی کرسی پر تشریف فرما ہونگے تو علماء سے فرمائیں گے کہ میں نے اپنا علم وحکمت تمہارے سینوں میں صرف اس لیے رکھا تھا کہ میں تمہاری مغفرت کرنا چاہتا ہوں باوجود ان خطاؤں کے جو تم سے سرزد ہوئیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔''

(تفسیر ابن کثیر ص:۵۵ ج:۳)

اور صحیحین میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا کہ اگر تیری ذات سے اللہ تعالیٰ ایک شخص کو ہدایت دیدے تو تیرے واسطے سرخ اونٹوں کے گلہ سے بہتر ہے۔ (بخاری ص:۵۲۵ ج:۱)

اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادنکم (رواہ الترمذی ص:۹۸ ج:۲ وقال حسن صحیح)

''عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے سب سے کمتر شخص پر۔''

(ترمذی ص:۹۸ ج:۲)

اس کے بعد امام ترمذی نے فضیل بن عیاض سے نقل کیا ہے کہ:

"عالم معلم یدعی کبیراً فی ملکوت السموات"۔

''خیر بتلانے والا باعمل عالم ملکوت السمٰوات میں ''بڑا شخص'' پکارا جاتا ہے۔''

اور طبرانی میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔

ایک قبیلے کا مرجانا ایک عالم کے مرنے کے بہ نسبت آسان تر ہے اور حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ علماء کے درجات ایمانداروں کے اوپر سات سو درجے ہونگے اور دو درجوں کا فاصلہ پانچ سو برس کی راہ ہوگی۔ اور آپ رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری روایت ہے کہ علم کا تذکرہ تھوڑی سی رات میں میرے نزدیک تمام رات جاگنے سے اچھا ہے۔

اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

یوزن مداد العلماء بدم الشهداء فیرجح مداد العلماء بدم الشهداء ۔

''علماء کے قلم کی روشنائی اور شہیدوں کا خون تولا جائے گا تو سیاہی زیادہ ٹھہرے گی۔''

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرائض اور سنن کے بعد افضل عبادت میں اختلاف نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

فقال ابو حنیفة و مالك: ان الفضل التبحر فی علوم دینیة۔

(العرف الشذی علی الترمذی ص:۲۰۷ ج:۱)

''یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ دونوں حضرات اس پر متفق ہیں کہ فرضوں اور سنتوں کے بعد علم دین میں وسعت حاصل کرنا دیگر عبادات سے افضل و بہتر ہے۔''

(العرف الشذی علی الترمذی ص:۲۰۷ ج:۱)

اسی طرح مطرف بن عبداللہ کا قول ہے کہ زائد علم زائد عبادت سے بہتر ہے۔ یوسف بن اسباط نے فرمایا کہ علم کا ایک باب حاصل کرنا ستر غزوات سے افضل ہے۔

معاقی بن عمران رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ایک حدیث لکھنا مجھے تمام رات کی عبادت سے زیادہ محبوب ہے۔

البتہ یہ فضائل بظاہر ان علماء کے واسطے ہیں جن میں قرآنی علامت خشیت الٰہی یعنی خوف خدا موجود ہو۔ لہٰذا جن علماء میں یہ علامت نہ ہو وہ ان فضائل کے مستحق نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

فصل نمبر۲

زہد:۔

زہد کے معنی رغبت ترک کرنے کے ہیں اور اصطلاح میں عبادت کی خاطر دنیوی خواہشات ترک کرنے کو کہتے ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا بذات خود مذموم نہیں ہے اور ایسی چیز کیونکر مذموم ہوسکتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے احسان رکھا ہے اور جو آدمی کے باقی رہنے کے واسطے ضروری چیز ہے اور جس کے ذریعے سے آدمی علم وعبادت حاصل کرسکتا ہے جیسے کھانا پینا پہننا وغیرہ اور اسی میں مسجد ہے جس میں نماز پڑھتا ہے' بلکہ مذموم فقط یہ ہے کہ کوئی چیز بغیر حلت کے لے لے یا اسراف کے طور پر تصرف کرے جو مقدار حاجت سے زائد ہو اور نفس اس میں اپنی رعونت کے موافق بدون شرعی آداب کے تصرف کرے۔

یا اس کی محبت میں عبادات اور حقوق سے لاپرواہی اختیار کرے بعض جاہل لوگ قرآن وحدیث میں دنیا کی مذمت سنتے ہیں تو یہ جانتے ہیں کہ نجات یہ ہے کہ دنیا بالکل ترک کرے اور یہ نہیں جانتے کہ دنیا کیا چیز ہے؟

اور بعض تو اتنا غلو کرتے ہیں کہ اہل وعیال اور ماں باپ چھوڑ کر پہاڑوں کی طرف نکل جاتے ہیں جس کے نتیجے میں والدہ فراق میں روتی رہتی ہے بیوی معلقہ اور آویزاں رہتی ہے نماز باجماعت اور جمعہ وعلم سے محروم ہوجاتے ہیں یہ سب شیطانی دھوکہ ہے شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔

رہا یہ کہ بعض اسلاف نے بھی تو پہاڑوں کا رخ کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے ایسا کرنے

کی کئی وجوہات ہیں مثلاً ہوسکتا ہے کہ ان کے عیال اور والدین نہ ہوں یا اور کوئی باعث ہوگا کہ ملک میں فتنہ ہوگا جس سے تنگ آ کر انہوں نے ایسا کیا ہو یا وہ ایسے مقام پر نکل گئے ہوں کہ وہاں ان لوگوں نے مجتمع ہو کر عبادت کی ہو یا وہ مقام آبادی سے قریب تھا جیسے مکہ میں غار حرا ہے۔

اور جس شخص کے متعلق کوئی صحیح وجہ نہ ہو وہ خطا پر تھا خواہ کوئی بھی ہو بعض سلف نے بیان کیا ہے کہ ہم لوگ عبادت کے لئے پہاڑ میں چلے گئے تو سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ہمارے پاس آئے اور ہم کو واپس شہر لے گئے البتہ انسان چونکہ طبعی طور پر مالدار ہونے کے بعد اسراف اور دیگر معاصی سے محفوظ رہنے کی فکر چھوڑ دیتا ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ اکثر لوگ مالداری کے بعد ان جرائم میں مبتلا ہوتے ہیں جن سے آخرت تباہ ہو جاتی ہے اس لئے مال اور دولت سے دور رہنے کو محبوب سمجھا گیا ہے بقدر ضرورت تھوڑا بہت کمایا اور اللہ کا نام لیا اور مال کے حساب سے اپنی جان بچائی یہ پرانے بزرگوں کا طرز تھا۔

دور حاضر میں لوگوں میں دین وایمان کی اہمیت زیادہ نہیں ہے دنیوی ساز وسامان کی طرف زیادہ متوجہ ہوتے ہیں اور معمولی سی تکلیف ہی نہیں بلکہ ظاہری فیشن کے خلاف ورزی ہو جانے پر دین چھوڑنے کو تیار ہو جاتے ہیں اس لئے ایسے لوگوں کے لئے مال حلال کمانے کی اور محفوظ رکھنے کی رخصت اور اجازت ہے اسی طرح کے لوگوں کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

کادالفقر ان یکون کفراً۔ (مشکوٰۃ)

''یعنی تنگدستی انسان کو بعض اوقات کافر بنا سکتی ہے۔'' (مشکوٰۃ ص:۴۲۹ بحوالہ بیہقی)

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا۔

یعنی زمانہ سابقہ میں مال کو پاس رکھنا اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا لیکن آج یہ مال مؤمن کی ڈھال ہے مگر شرط یہ ہے کہ یہ مال انسان کے لئے راہ راست سے انحراف اور گمراہی کا باعث نہ بنے عسر اور یسر دونوں میں اس کے اخلاق کریمانہ رہیں اور تقوی اختیار کیا جائے دل محبت دنیا کا محور نہ بنے بلکہ اس کو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے طیب خاطر بلکہ طیب نفس سے خرچ بھی کر سکتا ہو تو ایسی دولت ہرگز مذموم نہیں بلکہ اس کی حفاظت بھی باعث ثواب ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

نعما بالمال الصالح للرجل الصالح (مشکوٰۃ)

''نیک آدمی کے لئے اسکا اچھا اور پاکیزہ مال بہترین متاع حیات ہے۔

(مشکوٰۃ ص:۴۵۱)

اور ارشاد ہے۔

لا بأس بالغنی لمن اتقی اللّٰہ عزوجل۔ (مشکوٰۃ ص:۴۵۱)

''جو شخص اللہ عزوجل سے ڈرتا ہو اس کی مالداری میں دین کا کوئی حرج نہیں۔(مشکوٰۃ ص:۴۵۱)

نیز ارشاد ہے۔

من قتل دون ماله فهو شهید۔ (بخاری ومسلم)

''اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے جو شخص مقتول ہو جائے وہ شہید ہے۔''

(ترمذی ص:۲۶۱ ابواب الدیات)

یعنی ثواب کے اعتبار سے شہیدوں میں شمار ہے۔

مذکورہ احادیث سے یہ بات آشکارا ہوگئی کہ نفس مال معیوب نہیں ہے بلکہ اس کی حفاظت ضروری امر ہے اور اس کو ضائع کرنا گناہ ہے اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے کوئی شخص قتل کیا جائے تو شہید ہے۔

ان احادیث کی روشنی میں دور حاضر میں جبکہ اکثر لوگوں کا ایمان خودغرضی پر مبنی ہے کسی کو ترک دنیا کا مشورہ دینا خطرناک نتیجے کا موجب بن سکتا ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

من کان فی یده من هذه شئ فلیصلحه فانه زمان ان احتاج کان اول من یبذل دینه۔ (مشکوٰۃ ص:۴۵۱)

''جس کے پاس دراہم ودنانیر میں سے کچھ موجود ہو اسے چاہئے کہ اس مال کو مناسب طریقہ پر کام میں لائے کیونکہ یہ وہ زمانہ ہے کہ اگر کچھ حاجت پیش آ گئی تو انسان سب سے پہلے حاجت

پوری کرنے کے لئے اپنے دین ہی کو خرچ کرے گا۔'' (مشکوٰۃ ص:۴۵۱)

مطلب یہ ہے کہ حاجت پوری کرنے کی اہمیت دین پر چلنے سے زیادہ ہوگئی تاہم مال ودولت کے شوق میں طمع کی مکھی بن کر گندگیوں کے پاس جانا بہرحال مذموم ہے جیسا کہ اکثر لوگوں کا معمول ہے کہ پاکیزہ اور حرام مال میں تمیز کی پرواہ کئے بغیر دنیا کے پیچھے بھاگتے رہتے ہیں اور جب مالدر بن جاتے ہیں تو مالداری کو اپنا کمال سمجھ کر عجب تکبر وغیرہ امراض میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور بعض دین کے احکام بجالانے میں دلچسپی ورغبت چھوڑ لیتے ہیں جبکہ بعض لوگ تو دین اسلام کے باغی بن کر اہل یورپ کے نقش قدم پر چلنے لگ جاتے ہیں اور پھر اس مال کو سامان تعیش میں خرچ کرتے ہوئے حقوق اللہ وحقوق العباد کی ادائیگی سے غافل ہوجاتے ہیں یہی چیز محبت دنیا کہلاتی ہے جس کی مذمت کا بیان گذر چکا ہے۔

ایں جہاں دام است ودانہ ش آرزو
در گریز از دانہائے دام او

''یہ دنیا جال ہے اور دانہ آرزو ہے پس اس جال کے دانوں سے تو اپنے کو دور رکھ۔''

چنانچہ تجربہ شاہد ہے کہ جو جتنے زیادہ مال کا مالک بنتا ہے وہ اتنا ہی گناہوں کی لپیٹ میں آجاتا ہے گویا یہ مال اس کے لئے استدراج کی حیثیت رکھتا ہے۔

ہرچہ غیر اوست استدراج ست
گرچہ تخت وملک تست وتاج تست

''جو نعمت بھی تجھے منعم حقیقی (اللہ تعالیٰ) سے غافل کرکے صرف اپنا ہی بنالے تو وہ نعمت نہیں استدراج ہے اگرچہ تخت وتاج سلطنت کیوں نہ ہو۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

سنستدرجھم من حیث لایعلمون ۔

''ہم ان کفار کو بتدریج لئے جارہے ہیں اس طور پر کہ ان کو خبر نہیں۔''

یعنی نافرمانی کے باوجود نعمتوں کی فراوانی نعمت نہیں بلکہ عذاب الٰہی کے لئے ایک قسم کی ڈھیل ہوتی ہے اکثر لوگوں کو یہ دھوکہ ہوجاتا ہے کہ ہمارا حال اگر اللہ کو پسند نہ ہوتا تو ہمیں اتنا زیادہ مال عنایت نہ

فرماتا اور یہ نہیں سوچتے کہ ہماری دولت ہمیں کس منزل کی راہ پر لئے جارہی ہے ایسے مال کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنہ قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ ہر امت کے لئے ایک خاص فتنہ ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔ (ترمذی)

لہٰذا جس مال کے ساتھ غلط قسم کے اغراض ومقاصد وابستہ ہوں وہ بہر حال مذموم ہے جبکہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے مال کمانا اور اسکی حفاظت کرنا دونوں طریقے معیوب نہیں بشرطیکہ حصول مال کے بعد گناہوں سے اپنا دامن بچانے کا یقین ہو مگر دور حاضر میں جس طرح غربت وفقر خطرے سے خالی نہیں اسی طرح دولت مندی بھی ایمانیات اور اخلاقیات کے لئے تباہ کن ثابت ہوسکتی ہے کیونکہ مالداری کے سبب آدمی فقراء کی معیت سے نکل کر امرا کا ہم نشین بن جاتا ہے جس کی بناء پر بادل ناخواستہ ہی کیوں نہ ہو مگر ان کے نقش قدم پر چلنا پڑتا ہے اور پھر بتدریج مزاج میں تبدیلی سے آدمی کے لئے دوسرے گناہوں کے علاوہ تکبر سے دامن بچانا ناممکن ہوجاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج بھی دین کے جملہ شعبوں میں فقراء کی تعداد بنسبت اغنیاء کے زیادہ ہے اور مساکین ہی کی جماعت اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی میں پیش پیش نظر آتی ہے جس کے پیش نگاہ ہمارے لئے یہ فیصلہ آسان ہوجاتا ہے کہ دین کے حق میں زہد مالداری سے بہتر ہے اور عزیمت کا راستہ ہے جس نے اس کو اختیار کر کے اس کے مصائب پر صبر کیا اور لوگوں کے پاس جو کچھ سامان تعیش موجود ہے اس سے لاپرواہی کی تو اسے ایک روز اپنے زہد اور عزیمت پر چلنے اور صبر کرنے کا شیریں پھل ضرور ملے گا۔

حکایت:۔

روایت ہے کہ ایک دفعہ داؤد علیہ السلام پہاڑوں کی طرف سیر کرنے کی غرض سے نکلے اثناء سیاحت ان کی نگاہ ایک دراز قد آدمی کی لاش پر پڑی جو ایک غار کے اندر رکھی ہوئی تھی اس کے سر کے نیچے ایک پتھر پر لکھا ہوا تھا کہ میں بادشاہ تھا ہزار سال بادشاہت کی ہزار شہر فتح کئے ہزار لشکروں کو میں نے شکست دی اور ہزار شہزادیوں سے میں نے شادیاں کیں اب میرا حال تمہارے سامنے ہے کہ مٹی میرا بچھونا ہے اور پتھر میرا تکیہ ہے پس جو بھی مجھے دیکھے تو اسے چاہئے کہ دنیا میری طرح اس کو دھوکا نہ دے۔

حکایت:۔

وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے اصحاب کے ہمراہ سفر پر جارہے تھے کہ ان کا گذر ایک کھیت پر ہوا تو ساتھیوں نے بھوک کا اظہار کرتے ہوئے آپ سے کھیت کے پھل وغیرہ کھانے کی اجازت طلب کی پس اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی نازل فرمائی کہ ان کو اجازت دیں چنانچہ وہ لوگ کھیت میں ادھر ادھر پھیل گئے دریں اثناء زمیندار ادھر پہنچ گیا اور ان کو ملامت کرنا شروع کیا اور بآواز بلند بولنے لگا کہ میرے باپ دادا کی زمین میں بغیر اجازت کیوں داخل ہوئے ہو؟

یہ سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ محی الموتی میں دست عرض پھیلائے کہ اے اللہ آدم علیہ السلام سے اب تک تمام مالکان زمین کو دوبارہ زندہ فرما چنانچہ اللہ نے آپ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور وہ سارے لوگ جن کا اس زمین پر قبضہ رہ چکا تھا اس کھیت میں حاضر ہوکر باہم لڑنے لگے اور ہر ایک اس کے مالکانہ حقوق کا دعویٰ ظاہر کرنے لگا یہ ماجرا دیکھ کر مالک زمین بھاگنے لگا کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حلیہ سے نہیں پہچانتا تھا مگر جب کسی نے بتایا کہ یہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں تو وہ معذرت خواہ ہوکر آپ کے پاس آیا اور شرمندگی اور ندامت کا لب ولہجہ بنا کر نہایت عاجزی کے ساتھ اپنی صفائی پیش کرنے لگا اور کہنے لگا کہ میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا ورنہ میرا مال آپ کے لئے حلال ہے یہ سنکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام رونے لگے اور فرمایا کہ یہ سب تمہاری طرح اس زمین کے مالک بنے تھے مگر بالآخر یکے بعد دیگرے رحلت کر گئے اور تو بھی جانے والا ہے۔

حکایت:۔

عمرو بن میمون رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ہم نے فارس کا ایک شہر فتح کیا تو وہاں ہم کو ایک غار میں لے جایا گیا جس کے اندر ایک کمرہ بنا ہوا تھا اس کمرے کے اندر سونے کی ایک چارپائی پر ایک لاش رکھی ہوئی تھی اس کے سرہانے ایک تختی پر تحریر تھا میں بہرام ہوں فارس کا بادشاہ، میں سب سے زیادہ طاقتور پہلون اور سنگدل وحریص تھا اور سب سے زیادہ لمبی امیدیں رکھتا تھا میں نے کئی شہروں پر غلبہ حاصل کیا اور کئی بادشاہوں کو قتل کر دیا اور کئی لشکروں کو شکست دیدی اور بڑے بڑے سرکشوں کو رسوا

اور ذلیل کیا اور اتنا مال جمع کیا جتنا مجھ سے پہلے کسی نے نہیں کمایا تھا مگر جب موت آئی تو میں اپنے مال سے اس کو تھوڑی دیر کے لئے بھی مؤخر نہ کر سکا۔ (مذکورہ بالا حکایتیں ''المستطرف'' سے لی گئی ہیں ص:۳۱۲ ج:۲)

یہ ہے حال دنیا کا کہ آدمی اس پر کتنا ناز کرتا ہے اور وہ اس کے ساتھ کیا معاملہ کرتی ہے؟

بعض حکماء کا کہنا ہے کہ دنیا نمکین پانی کی مانند ہے جتنا زیادہ پیا جائے اتنی ہی زیادہ پیاس بڑھے گی۔ اور یا اس گلاس کی طرح ہے جس میں شہد ہو اور اس کے نیچے زہر ہو پس اس سے کھانے والے کو لذت تو محسوس ہوتی ہے مگر اس کے نیچے موت ہے۔ لہٰذا عاقل کو چاہئے کہ دنیا کے حصول میں اتنی زحمت اٹھائے جتنی اسے درکار ہے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق کتاب احیاء العلوم میں رقمطراز ہیں کہ مال کی مثال سانپ کی سی ہے کہ منتر والا تو اس واسطے پکڑتا ہے کہ اس میں سے زہر مہرہ نکالے اور غافل اگر پکڑ لیتا ہے تو اس کے زہر سے اس طرح ہلاک ہو جاتا ہے کہ اس کو خبر بھی نہیں ہوتی اور مال کے زہر سے کوئی شخص بچ نہیں سکتا الا یہ کہ مندرجہ ذیل پانچ باتوں کو مدنظر رکھے۔

اول یہ کہ مال کے مقصود کو پہچانے کہ یہ کس واسطے پیدا ہوا اور اس کی ضرورت کیوں پڑی؟

دوم یہ کہ ذرائع آمد کو ملحوظ رکھے کہ جو حرام ہو یا جس پر غلبہ حرام کا ہو اس سے اجتناب کرے او رجو مکروہ یا مشتبہ ہو اس سے بھی پرہیز کرے۔

سوم یہ کہ مقدار معیشت کا خیال رکھے کہ مقدار واجب سے کم نہ کمائے اور نہ زیادہ' مقدارِ واجب حاجت کا نام ہے اور حاجت تین چیزوں کی ہوتی ہے خوراک' پوشاک اور مکان اور ہر ایک کے تین درجے ہیں اعلیٰ ادنیٰ اور درمیانہ پس چاہئے کہ اعلیٰ سے پرہیز کیا جائے۔

چہارم مقامات صرف کا لحاظ رکھتے ہوئے خرچ میں میانہ روی کرے کہ اسراف نہ ہو اور نہ حد سے زیادہ تنگی۔

پنجم یہ کہ حصول مال اور ترک مال اور امساک میں نیت درست رکھے یعنی حصول مال اور امساک میں نیت صرف عبادت پر استعانت کی ہو اور ترک مال میں نیت زہد اور حقارت دنیا کی ہو۔

پس جو بھی ان شرائط کے مطابق چلے گا مال کے ضرر سے محفوظ رہے گا۔ اس لئے حضرت علی رضی

اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر آدمی تمام زمین کی چیزوں کو لے لے اور نیت خدا ہی کی خاطر کی ہو تو زاہد ہی رہے گا۔

اور زمین کی تمام چیزیں چھوڑ دے مگر نیت خدا کے واسطے کی نہ ہو تو زاہد نہیں ہوگا۔ زاہد بن کر آخرت کے لئے تیاری میں مصروف عمل رہنا عقلمندی کا نتیجہ ہے اور اس کے برعکس آخرت سے لاپرواہ ہوکر اپنی خواہشات کے بت کو معبود بنانا اور اپنی تمام تر توانائی دنیا پر صرف کرنا نادانی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ جبرائیل علیہ السلام نے آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔

ان اللّٰہ یقرئك السلام ویقول لك: اتحب ان اجعل هذه الجبال ذهباً وتكون معك حيث ماكنت؟ فاطرق ساعة ثم قال :ياجبرئيل ان الدنيا دار من لادار له ومال من لامال له قد يجمعها من لاعقل له۔ (الشفاء ص:۱۴۱ ج:۱)

''اللہ تجھے سلام کہتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو میں یہ پہاڑ سونا بنادوں اور آپ جہاں ہونگے تو یہ آپ کے ساتھ ہونگے آپ نے تھوڑی دیر گردن جھکائی اور پھر فرمانے لگے کہ جبرائیل! دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو اور اس کا مال ہے جس کا کوئی اور مال نہ ہو اور اس کو وہی شخص جمع کرتا ہے جس کی عقل نہ ہو۔ (الشفاء ص:۱۴۱ ج:۱)

مطلب یہ ہے کہ دنیا کے حصول اور لذتوں کی تکمیل پر وہ شخص زور لگاتا ہے جو آخرت سے مایوس ہوکر آخرت کو اپنا گھر نہ سمجھے ورنہ عقل کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس دار فانی کو اپنا مستقل گھر نہ سمجھا جائے بلکہ ضرورت کے مطابق کمائے۔

فصل نمبر۳

قناعت واستغناء:۔

جن اخلاق کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کا محبوب اور اس دنیا میں بہت بلند ہو جاتا ہے اور دل کی بے چینی اور کڑھن کے سخت عذاب سے بھی اس کو نجات مل جاتی ہے ان میں سے ایک قناعت واستغناء بھی ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ کو جو کچھ ملے اس پر وہ راضی اور مطمئن ہو کر صبر کرے اور زیادہ حرص اور لالچ نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کو قناعت کی یہ دولت عطا فرمائے بلاشبہ اس کو بڑی دولت عطا ہوئی اور بڑی نعمت سے نوازا گیا۔

اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

عن عبداللّٰہ بن عمرو رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قدافلح من اسلم ورزق کفافاً وقنعہ اللّٰہ بماآتاہ۔ (رواہ مسلم)

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کامیاب اور بامراد ہوا وہ بندہ جس کو حقیقت اسلام نصیب ہوئی اور اس کو روزی بھی بقدر کفاف ملی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اس قدر قلیل روزی پر قانع بھی بنا دیا۔'' (مشکوٰۃ ص:۴۴۰ بحوالہ صحیح مسلم)

بلاشبہ جس بندہ کو ایمان کی دولت نصیب ہو اور ساتھ ہی اس دنیا میں گذارے کا کچھ ضروری سامان بھی ہو اور پھر اللہ تعالیٰ اس کے دل کو قناعت اور طمانیت کی دولت بھی نصیب فرمادے تو اس کی زندگی بڑی مبارک اور بڑی خوشگوار ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا ہی فضل ہے۔

آدمی کے پاس اگر دولت کے ڈھیر ہوں لیکن اس میں اور بھی زیادہ کی طمع اور حرص ہو اور وہ اس میں اضافہ ہی کی فکر اور کوشش میں لگا رہے اور ہل من مزید ہی کے پھیر میں پڑا رہے تو اسے کبھی قلبی سکون نصیب نہ ہوگا اور وہ دل کا فقیر ہی رہے گا۔

برخلاف اس کے اگر آدمی کے پاس جینے کا مختصر سامان ہو مگر وہ اس پر مطمئن اور قانع ہو تو فقر اور افلاس کے باوجود وہ دل کا غنی رہے گا اور اس کی زندگی اطمینان اور آسودگی کی زندگی ہوگی۔

اس حقیقت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری حدیث میں ان الفاظ میں ارشاد فرمایا۔

عن ابی هریرة رضی اللّٰه عنه عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: لیس الغنی عن کثرة العروض ولکن الغنی غنی النفس۔

(بخاری ص:۹۵۴ ج:۲)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دولت مندی مال واسباب سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اصل دولت مندی دل کی بے نیازی ہے۔

(صحیح بخاری ص:۹۵۴ ج:۲)

حقیقت یہی ہے کہ تونگری اور محتاجی، خوش حالی اور بدحالی کا تعلق روپیہ اور پیسہ سے زیادہ آدمی کے دل سے ہے اگر دل غنی اور بے نیاز ہے تو آدمی خوش حال ہے اور اگر دل حرص وطمع کی زنجیروں میں گرفتار ہے تو دولت کے ڈھیر کے باوجود وہ خوش حالی سے محروم محتاج و پریشان حال ہے۔

تونگری بدل ست نہ بہ مال

بعض حکماء سے کسی نے پوچھا کہ غنا کیا چیز ہے؟ کہا کہ کم کرنا تمنا کا اور مقدار کفایت پر راضی وقانع ہونا۔ محمد بن واسع خشک روٹی پانی میں تر کر کے کھاتے اور فرماتے کہ جو اس پر قناعت کرے اس کو کسی کی پرواہ نہیں۔ حضرت سفیان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہارے لئے دنیا جب ہی اچھی ہے جب تک اس میں مبتلا نہ ہو اور تمہارے مبتلا ہونے کی چیز بہتر اس قدر ہے جو تمہارے ہاتھوں سے نکل جائے یعنی مال دنیاوی میں سے بہتر وہ ہے جو خیرات میں صرف ہو۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر روز ایک فرشتہ پکارتا ہے اے آدم زاد تجھ کو تھوڑا بقدر کفایت ملنا اس سے بہتر ہے کہ بہت ملے اور سرکشی میں ڈالے۔ شمیط بن عجلان فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم! تیرا شکم بالشت یکسر ہے پھر تجھ کو دوزخ میں کیوں ڈالتا ہے؟ (احیاء العلوم)

جس طرح رذائل اخلاق کا منبع چار صفات ہیں جو عمارت رذیلہ کے چار ستون سمجھنے چاہئیں جہل ،ظلم، شہوت، غضب اسی طرح اخلاق فاضلہ کا دارومدار بھی چار ارکان پر ہے صبر وعفت، شجاعت، حکمت اور عدل اگر کوئی آدمی آخر الذکر چار بنیادی خوبیوں سے محروم رہا تو وہ اخلاق کریمانہ سے بہرہ مند نہیں ہوسکتا ہے۔(صبر قناعت کے لئے بمنزلہ جنس کے ہے) لہٰذا قدر کفایت پر قناعت اور اس پر مرتب تکلیف پر صبر کرنا اخلاق حسنہ کا جز ہے یعنی جب آدمی کے پاس دوسروں سے کم مال ہو اور دوسروں کے عیش کو دیکھ کر اس کے دل میں تمنی کی جو تکلیف گردش کر رہی ہے مگر اس کے باوجود اس پر صبر کرتا ہے اور اپنی اس محرومی کا اظہار کسی سے نہیں کرتا بلکہ اس سے لاپرواہو کر اپنے آپ کو محتاجی سے بچائے تو سمجھنا چاہئے کہ یہ آدمی ایک عظیم نعمت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

چنانچہ ایسے شخص کے بارے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ومن یستعف یُعَفّه اللّٰه ومن یستغن یغنه اللّٰه ومن یتصبر یصبره اللّٰه وماأعطی احدمن عطاء اوسع من الصبر۔

(رواہ ابوداؤد ص:۲۳۲ ج:۱)

''جو کوئی خود عفیف بننا چاہتا ہے (یعنی دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے اپنے آپ کو بچانا چاہتا ہے) تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتا ہے اور جو کوئی بندوں کے سامنے اپنی محتاجی ظاہر کرنے سے بچنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بندوں سے بے نیاز کر دیتا ہے اور جو کوئی کسی کٹھن موقع پر اپنی طبیعت کو مضبوط کر کے صبر کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو صبر کی توفیق دیتا ہے اور کسی بندہ کو کبھی صبر سے زیادہ وسیع نعمت کوئی عطا نہیں ہوئی۔''

(سنن ابوداؤد ص:۲۳۲ ج:۱)

سلف صالحین کے اخلاق میں سے ایک یہ ہے کہ وہ مصائب وحوادث پر نہایت صبر کرتے اور تقدیر الٰہی پر خفا نہ ہوتے اور فرماتے کہ جس کو صبر نہ آئے وہ بتکلف صبر کرے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص تکلف سے صبر کرے گا اللہ تعالیٰ اُسے صابر بنادے گا پس معلوم ہوا کہ جو شخص دنیا کی فضولیات مثلاً زیادہ کھانا، پینا، سونا گفتگو کرنا وغیرہ سے صبر نہیں کرتا اس کو قیامت میں ملائکہ ''سلام

علیکم بماصبرتم" تمہارے صبر کے باعث تم پر سلام ہو نہ کہیں گے بلکہ وہ اس دن نہایت رنج وغم اور بے امنی میں ہوگا برخلاف اس شخص کے جس کو ملائکہ سلام کہیں گے پس وہ بالکل امن میں ہوگا اور رنج وغم اس سے دور ہوگا اور آخر کار وہ فرحت وسرور وامن حاصل کرے گا۔

احنف بن قیس رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے چچا سے دانت کے درد کی شکایت کی تو انہوں نے کہا اے احنف! تو ایک ہی رات میں درد کی شکایت کرتا ہے واللہ مجھے یہ درد تقریباً تیس سال سے ہے مگر تیرے سوا کسی اور کو معلوم نہیں۔

فصل نمبر ۴

قصرِ امل (کوتاہ امیدیں):۔

اخبار متواترہ اور صفحات تاریخ پر نظر ڈالنے سے یہ بات آشکارا ہو جاتی ہے کہ دنیا کی بیشتر اشیاء میں غیر معمولی تبدیلیاں رونما ہوئیں ہیں۔ مثلاً ذرائع نقل وحمل کی بدولت مہینوں کی مساحت بلکہ سالوں کی مسافت چند گھنٹوں یا چند دنوں میں طے کرنا حتی کہ مواصلاتی آلات کی وجہ سے دنیا ایک خانہ کا منظر پیش کر رہی ہے انسان کے قد وقامت میں کافی کمی واقع ہوئی ہے اور آدم زاد کی عمر بتدریج گھٹ رہی ہے حتی کہ دور حاضر میں ایک بھی آدمی ایسا نہیں جس کی عمر دو سو سال ہو جس کی دلیل یہ ہے کہ آج دنیا میں معمولی سی بات اخبارات وجرائد اور دیگر ذرائع ابلاغ کی بدولت بڑی جلد شہرت پا لیتی ہے مگر اس کی خبر اب تک کسی نے نہیں دی اسی طرح عورتوں کی بہ نسبت مردوں کی پیداوار کم ہوگئی۔

ان میں بعض تبدیلیاں بلاشبہ حیرت کن ہیں تاہم سب سے زیادہ حیرت انگیز تبدیلی امیدوں کا انقلاب ہے کہ اموات کی شرح میں اضافہ اور اسباب موت کی کثرت کا تقاضا تو یہ ہے کہ امیدیں مختصر ہوں تمنائیں محدود ہوں اور زندگی کے منصوبے قلیل ہوں لیکن آج کے انسان کا معاملہ اس کے برعکس ہے اس کی حالت سامان سو برس کا پل کی خبر نہیں کی تصویر ہے۔

سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے بزرگ صحابی کو دیکھنے والے حضرات کسی لمحہ بھی موت سے

غافل نہ ہوئے بلکہ ہمہ وقت اٹھتے بیٹھتے موت کو ملحوظ رکھتے حتی کہ بعض کا معمول یہ تھا کہ سونے سے قبل وصیت نامہ تحریر کر کے سرہانے کے نیچے رکھتے تھے کہ ان کو صبح تک زندہ رہنے کا یقین نہ تھا اس کے برعکس اس یقین کے باوجود کہ اب انسان کی عمر اوسطاً ساٹھ ستر سال سے زائد نہیں ہماری امیدوں میں اختصار کے آثار نظر نہیں آتے ہیں۔

اس کی وجہ نفس اور شیطان کے دھوکے کے علاوہ ایک نادانی پر مبنی ہے وہ یہ کہ ہر بے وقوف اور نادان انسان کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جب بھی اس کی طبیعت کسی چیز کو گوارا نہیں کرتی اس سے صرف نظر کرتا ہے اگر چہ اس چیز کا واقع ہونا امر تکوینی کے مطابق لازمی ہو حالانکہ یہ ہرگز دانشمندی کی بات نہیں عقلمندی تو یہ ہے کہ اگر ناگوار خاطر چیز کا سد باب ممکن نہ ہو تو پھر اس کے ضرر سے محفوظ رہنے کے ذرائع تلاش کرنے چاہئے اسی قاعدہ کے مطابق جب دنیا نے اپنا پر رونق چہرہ لوگوں کو دکھایا اور زیب وزینت کے پر لطف باغات میں بلبل بہار کی سریلی آوازوں اور نقش ونگار سے آراستہ وپیراستہ عمدہ محلوں میں لذیذ کھانوں کی فراوانی اور دلکش زیور ولباسوں میں ملبوس لڑکیوں نے مصنوعی حسن وجمال کے ذریعے ان لذتوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں غیر معمولی کردار ادا کیا تو طبعیت انسانی میں ایک نوع طرب اور ہیجان پیدا ہوا کہ ان لذتوں سے لطف اندوز ہونا چاہئے۔

مگر اس خوشی کی تکمیل کی راہ میں موت ایک رکاوٹ ہے جو پریشانی اور زوال نعمت کا باعث بنتی ہے اسلئے اہل دنیا موت سے صرف نظر کر کے اپنے آپ کو اس خوش فہمی میں مبتلا کرتے ہیں کہ موت ابھی دور ہے۔ حالانکہ جو چیز یقینی ہو اسے کبھی دور نہیں سمجھنا چاہئے چنانچہ بعض اکابر کہتے ہیں کہ میں ایسا ہوں جیسے کوئی شخص اپنی گردن پھیلائے ہو اور اس کے سر پر تلوار ہو انتظار کرتا ہو کہ کب اڑائی جاوے گی۔

حضرت داؤد طائی کہتے ہیں کہ اگر میں اتنی امید کروں کہ مہینہ بھر جیئوں تو جانوں کہ مرتکب گناہ کبیرہ کا ہوا۔ اور عبداللہ بن سمیط رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا کہ کہتے تھے اے وہ شخص جو کہ اپنے زیادہ تندرست رہنے سے مغالطہ میں ہے کیا تو نے کسی کو بدون بیماری مرتے نہیں دیکھا اے وہ شخص کہ بہت سی مہلت پانے سے مغالطہ میں ہے کیا تو نے کبھی کسی گرفتار کو نہیں دیکھا کہ

بدون سامان پکڑا گیا ہوا گر تو اپنی عمر کی زیادتی میں فکر کرے اپنی پہلی سب لذتیں بھول جاؤ گے بھلا تم لوگ تندرستی سے مغالطہ میں پڑے ہوئے ہو یا بہت دنوں آرام سے گذرنے پر اکڑے ہو یا موت سے نڈر ہو یا ملک الموت پر دلیر ہو ملک الموت جب آوے گا تو اس سے تم کو نہ تمھاری ثروت بچائے گی نہ کثرت جمعیت' تم کو معلوم نہیں کہ موت کا وقت سختیوں اور غصوں اور قصور پر پشیمانی کی گھڑی ہے اور ابوزکریا تیمی کہتے ہیں کہ سلمان بن عبدالملک مسجد حرام میں بیٹھے تھے کہ اتنے میں ایک پتھر جس پر کچھ کندہ تھا کوئی ان کے سامنے لایا اس کے پڑھنے کے لئے وہب بن منبہ بلائے گئے دیکھا تو اس میں یہ لکھا تھا کہ اے آدمی اگر تو اپنی موت کے وقت کی نزدیکی دیکھ پائے تو اپنی طول امل کو چھوڑ دے اور عمر زیادہ کرنے کا حریص ہو اور طمع اور حیلے کم کردے اور توکل پشیمانی اٹھائے گا اگر تیرا قدم لغزش کرے گا اور تیرے گھر والے اور نوکر چاکر تجھے قبر کے حوالے کردیں گے اور باپ اور رشتہ دار تجھ سے جدا ہوں گے اور بیٹا اور داماد تجھے چھوڑ دیں گے تو پھر دنیا میں نہ پھرے گا نہ اپنے عمل میں زیادتی پائے گا پس قیامت کے لئے حسرت اور ندامت سے پیشتر کچھ کرلے اس کو سن کر خلیفہ سلیمان بہت روئے۔

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے خطبے میں فرمایا کرتے کہاں گئے وہ لوگ جن کے منہ خوبصورت چمک دمک کے ساتھ تھے اور اپنی جوانی پر شیخی کیا کرتے تھے کہاں ہیں وہ لوگ جنہوں نے شہر بنائے اور شہر پناہوں سے اس کو مضبوط کیا کہاں ہیں وہ بہادر کہ لڑائی میں بڑھ چڑھ کر رہا کرتے تھے زمانے نے ان کو زیر کردیا قبروں کے اندھیروں میں جا پڑے تم جلدی اور شتابی کرو اور اپنی جانوں کے لئے نجات کی صورت ڈھونڈو۔ (احیاء علوم الدین ص:۴۴۱ ج:۴)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک دن) کھجور کی چٹائی پر سوئے پھر جب سو کر اٹھے تو جسم مبارک پر اس چٹائی کی بناوٹ کے نشانات پڑے ہوئے تھے اس حالت کو دیکھ کر ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اگر حضور فرمادیں تو ہم حضرت کیلئے بستر کا انتظام کردیں اور کچھ بنائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے دنیا سے کیا تعلق ہے؟ میرا تعلق بس دنیا کے ساتھ ایسا ہے جیسا کہ کوئی سوار مسافر کچھ دیر سایہ لینے کے لئے کسی درخت کے نیچے

ٹھہرا اور پھر اس کو چھوڑ کے اپنی منزل کی طرف چلدیا۔ (مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ ص:۳۱۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح یہ مسافر درخت کے نیچے ٹھہرنے کے لئے تھوڑے سے وقت کے لئے راحتوں کے انتظامات کرنا ضروری نہیں سمجھتا اور منزل مقصود پر پہنچنے کے سوا اس کی کوئی فکر نہیں ہوتی بس یہی میرا حال ہے۔ اور حق یہ ہے کہ دنیا اور آخرت کی حقیقت جس پر پوری طرح منکشف ہو جائے تو اس کا حال اس کے سوا کچھ اور ہو بھی نہیں سکتا اس کو دنیا میں راحتوں کے بڑے بڑے انتظامات کی فکر کرنا اور اس کے لئے اپنے وقت اور اپنی صلاحیتوں کا صرف کرنا ایسا ہی کار حماقت معلوم ہوگا کہ درخت کے سایہ میں تھوڑی دیر کے لئے ٹھہرنے والے مسافر کا ذرا سے وقت کے لئے بڑے بڑے انتظامات میں مشغول ہونا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصیحت فرمائی کہ دنیا میں ایسا رہو جیسے تم مسافر ہو یا راہ گیر ہو اور خود کو اہل قبور میں سے شمار کرو! تو (راوی کہتا ہے) ابن عمر نے مجھے کہا صبح ہو تو شام کی فکر نہ کرو اور شام ہو تو صبح کا خیال نہ لاؤ (اور دنیا میں آئے ہو تو) زندگی میں موت کا سامان اور تندرستی میں موت کی فکر کرو کیونکہ اے عبداللہ! کیا خبر ہے کل کو تمہارا کیا نام ہوگا۔ (یعنی زندہ ہوگے یا مردہ؟) (ترمذی ص:۵۹ ج:۲)

افسوس کہ ہم موت جیسی ہولناک چیز سے غافل ہیں اس زمین پر کہ جس کو ہم پاؤں سے روند رہے ہیں ہم سے پہلے سینکڑوں آئے اور چل دیئے مگر ہم سمجھتے ہیں کہ ہمیشہ یہیں رہیں گے موت کا خطرناک سفر درپیش ہے مگر ہمیں کچھ پرواہ نہیں حالانکہ جس شے کے آنے کا کوئی وقت مقرر نہیں اس کی فکر تو ہر وقت ہونی چاہئے پس اپنی امیدوں پر خاک ڈالو اور آرزوؤں کو بڑھنے نہ دو خدا جانے گھنٹہ بھر بعد کیا ہوتا ہے۔

الموت قدح کل نفس شاربوها

والقبر باب کل نفس داخلوها

''موت کا پیالہ ہر شخص کو پینا پڑے گا اور قبر کے دروازے سے ہر ایک کو داخل ہونا پڑے گا۔''

فصل نمبر ۵

سخاوت:۔

امید واثق ہے کہ سابقہ مباحث کا بغور اور اصلاح نفس کی غرض سے مطالعہ کرنے سے طبعیت میں اتنی تبدیلی ضرور آ چکی ہوگی کہ مال کی زیادہ محبت اور حرص باقی نہ ہوگی اور اگر کچھ اثرات ہنوز باقی بھی ہوں تو ان سے تجنب اور گریز کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی اور ہر دو حالوں میں اعتدال کا پہلو اختیار کرنے کا جذبہ اجاگر ہوا ہوگا یعنی اگر آدمی کے پاس مال نہ ہو یا کم ہو تو قانع اور کم حرص رہنا چاہئے اور اگر ہو تو ایثار و سخاوت اور حسن سلوک کرنے میں کوتاہی نہ ہونی چاہئے اور یہ کہ خرچ کرنے میں میانہ روی مدنظر ہونی چاہئے کہ بخل و امساک اور اسراف سے کوسوں دور رہنا چاہئے کیونکہ سخاوت نام ہے ضرورت کے مواضع میں طیب خاطر کے ساتھ خرچ کرنے کا پس سخاوت نام ہوا بخل اور اسراف کے مابین اور وسط کا پس اگر ضرورت کے باوجود امساک کیا جائے یا صرف تو کرے مگر بلا مروت اور بلا وجہ خرچ کرے تو یہ دونوں ممنوع ہیں جیسا کہ ارشاد ہے۔

والذین اذاانفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذالك قواماً ۔

''اور وہ کہ جب خرچ کرنے لگیں نہ اڑادیں اور نہ تنگی کریں اور ہے اس کے بیچ ایک سیدھی گذران۔''

اور ارشاد ہے۔

ولاتجعل یدك مغلولة الی عنقك ولاتبسطها کل البسط۔

''اور نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا ہوا اپنی گردن کے ساتھ اور نہ کھول دے اس کو بالکل کھول دینا۔''

البتہ ضرورت مند کو ضرورت سے زیادہ دینا اسراف نہیں بلکہ جود اور کمال سخا ہے رہی یہ بات کہ ضرورت کے مواضع کونسے ہیں تو اس کی تفصیل بخل کے بیان میں گذر چکی ہے البتہ اجمالاً یہاں بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جہاں شرع خرچ کرنے کا حکم دے یا مروت اس کا تقاضا کرے ان مواضع میں خرچ کرنا سخاوت ہے پس سخی وہی ہوگا جو اپنے مال کو نہ واجبات شرعی سے روکے اور نہ ضروریات و مروت سے پھر

حقوق بھی عام ہیں چاہے حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد ہم خانہ کے ہوں یا ہمسایہ کے اقارب کے ہوں یا اجانب کے دفع مضرت اور جلب منفعت اس میں ہو یا نہ ہو۔

سخاوت کی فضیلت:۔

سخاوت انبیاء علیہم السلام کے اخلاق میں سے ہے اور نجات کا اصل اصول بھی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ اعمال میں سے افضل کونسا عمل ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ صبر اور سخاوت۔ (بیہقی)

وروی المقدام بن شریح عن ابیه عن جده قال قلت: یارسول اللّٰه !دلنی علی عمل یدخلنی الجنة قال: ان من موجبات المغفرة بذل الطعام وافشاء السلام وحسن الکلام۔ (طبرانی بالفاظ مختلفۃ)

''اور مقدام بن شریح رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے والد سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھ کو کوئی ایسا عمل بتایئے جس سے جنت میں جاؤں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مغفرت کی موجبات میں سے ہے کھانا دینا اور اسلام کا پھیلانا اور اچھی طرح سے کلام کرنا۔''

اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

طعام الجواد دواء وطعام البخیل داء ۔

''سخی کا کھانا دوا ہے اور بخیل کا کھانا مرض ہے۔''

طعام الجواد دواء وطعام البخیل داء (ابن عدی دارقطنی فی غرائب مالك وابوعلی الصدفی فی عوالیه وقال: رجاله ثقات ائمة قال ابن القطان: وانهم لمشاهیر ثقات' الامقداد بن داؤد فان اهل مصر تکلموا فیه)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سخی اللہ سے اور جنت سے اور لوگوں سے قریب رہتا ہے اور دوزخ سے دور' اور بخیل اللہ اور جنت اور لوگوں

سے دور رہتا ہے اور دوزخ کے قریب' اور جاہل سخی خدا کے نزدیک عابد بخیل کی بہ نسبت زیادہ محبوب ہے۔
(ترمذی ج:۲ص:۷ اودار قطنی)

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کس کو اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال پسند ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یا رسول اللہ سب کو اپنا مال محبوب ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کا اپنا مال وہی ہے جو اس نے آگے بھیجا اور اس کے وارث کا مال وہ ہے جو پیچھے رکھا۔ (بخاری ص:۹۵۳ ج:۲)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر صبح کو دو فرشتے اترتے ہیں ایک کہتا ہے کہ اللہ خرچ کرنے والوں کو نعم البدل عطا فرما' دوسرا کہتا ہے کہ اے اللہ بخیل کو تباہ و برباد کر۔ (بخاری و مسلم)

اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کے سوال پر نہیں کا لفظ نہیں فرمایا۔ (مسلم ص:۲۵۳ ج:۲)

اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جس کسی نے اسلام پر کچھ مانگا وہی اس کو دیا یہاں تک کہ ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کی بکریوں سے دو پہاڑوں کے درمیان جتنی بکریاں عنایت فرمائیں وہ شخص اپنی قوم میں آکر کہنے لگا کہ لوگوں مسلمان ہو جاؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح دیتے ہیں جیسے کسی کو فاقہ کا خوف نہیں ہوتا۔ (مسلم ص:۲۵۳ ج:۲)

حکایت:۔

ایک شخص نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں کسی مطلب کے لئے رقعہ پیش کیا آپ نے بدون پڑھے فرمایا کہ تیری حاجت پوری کی جائے گی کسی نے عرض کیا کہ اے نواسۂ رسول آپ نے اس کا رقعہ ملاحظہ کر کے ہی جواب دیا ہوتا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جتنی دیر میں اس کو پڑھتا وہ میرے سامنے ذلیل کھڑا رہتا مجھ سے خدا تعالیٰ فرماتا کہ تم نے سائل کو اتنی دیر کیوں ذلیل

کھڑا رکھا۔(احیاء علوم الدین ص:۲۴۱ ج:۳)

حکایت:۔

ابوالحسن مدائینی کہتے ہیں کہ ایک بار حضرت حسن وحضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن جعفر حج کے لئے روانہ ہوئے راہ میں بار برداری سے بچھڑ گئے تو بھوک اور پیاس لگی اثناء راہ میں ایک بڑھیا اپنی جھونپڑی میں بیٹھی ہوئی تھی تینوں صاحبزادوں کا گذر اس پر ہوا پوچھا کہ تیرے پاس کچھ پانی ہے؟ کہا کہ ہے یہ سن کر تینوں حضرات سواریوں سے اتر پڑھے اور اس کے پاس ایک چھوٹی سی بکری الگ بندھی ہوئی تھی کہا کہ اس کا دودھ نکال کر پی لو جب دودھ نکال کر پی لیا پوچھا کہ کچھ کھانے کو بھی ہے؟ اس نے عرض کیا کہ میرے پاس سوائے اس بکری کے اور کچھ نہیں اگر تم میں سے کوئی ذبح کر کے صاف کر دے تو میں پکادوں صاحبزادوں میں سے ایک نے اس کی تعمیل کی بڑھیا نے کھانا تیار کیا صاحبزادوں نے کھا پی کر سیر ہوئے اور سہ پہر کے وقت تک ٹھہرے رہے جب چلنے لگے بڑھیا سے کہا کہ ہم لوگ قریشی ہیں اب حج کو جاتے ہیں وہاں سے اگر بسلامت واپس ہوئے تو ہمارے پاس آئیو ہم تجھ سے سلوک کریں گے یہ کہہ کر تشریف لے گئے جب اس عورت کا خاوند آیا تو اس نے ماجرا سنایا وہ سن کر غصہ ہوا کہ میری بکری کیا جانے کس کو کھلا دی پھر کہتی ہے کہ وہ قریش کے لوگ تھے پھر کچھ مدت کے بعد میاں بیوی کو مدینہ منورہ میں آنے کی ضرورت پیش آئی وہاں پہنچ کر اونٹ کی مینگنیاں جمع کرتے اور ان کو بیچ کر اپنا گذران کرتے اتفاقاً ایک روز بڑھیا اس طرف جا نکلی جہاں حضرت حسن اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے آپ نے بڑھیا کو پہچانا مگر اس نے آپ کو نہ پہچانا آپ نے اپنے خادم کو بھیج کر اس کو بلایا اور پوچھا کہ مجھے پہچانتی ہے؟ اس نے کہا نہیں آپ نے فرمایا میں وہ ہوں جو فلاں روز تیرے یہاں مہمان ہوا تھا اس نے عرض کیا میرے باپ اور ماں آپ پر فدا ہوں آپ وہ ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں پھر آپنے ایک ہزار بکریاں اور ہزار دینار بڑھیا کو دیکر اپنے خادم کے ہمراہ حضرت حسین کے پاس بھیج دیا انہوں نے پوچھا کہ میرے بھائی نے تجھے کیا دیا؟ اس نے عرض کیا کہ ہزار دینار اور ہزار بکریاں آپ نے بھی اسی قدر اس کو دلوایا اور اپنے خادم کے ساتھ حضرت عبداللہ بن جعفر کے پاس روانہ کر دیا۔ انہوں نے پوچھا کہ حسنین

نے تجھ کو کیا دیا؟ انہوں کے کہا کہ دو ہزار دینار اور دو ہزار بکریاں دیں انہوں نے دو ہزار دینار او دو ہزار بکریاں اپنے پاس سے دیں اور فرمایا کہ اگر تو پہلے میرے پاس آتی تو میں اتنا دیتا کہ حسنین کو دینا بڑا مشکل پڑتا غرض یہ کہ بڑھیا چار ہزار دینار اور اتنی بکریاں لے کر خاوند کے پاس آئی اور کہا کہ یہ کہ عوض ایک بکری کا ہے جس کو سرداران قریش نے کھایا تھا۔ (احیاء العلوم ص:۲۳ ج:۳)

حکایت:۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بار اپنی لمبی بیماری کے بعد صحت یاب ہوئے تو اپنی اہلیہ سے کہا کہ مجھے تو مچھلی کھانے کا شوق ایک مدت سے ہے اگر بازار میں مل جائے تو بنالو بیوی نے کہا کہ آپ نے اپنے شوق کا اظہار اتنی دیر سے کیوں کیا؟ فرمایا کہ تم میری بیماری میں کافی دردمند اور پریشان تھیں تم پر مزید باورچی کا بار کیوں ڈالتا؟ لیکن اب فرصت ہے مچھلی پکالو! اہلیہ نے غلام کو بازار میں بھیجا مگر مچھلی نہ مل سکی کئی دن تک مسلسل تلاش رہی ایک دن مدینہ کے بازار میں بہت اچھی تازہ مچھلی مل گئی اہلیہ نے خوب اچھا سالن پکا کر ان کی خدمت میں پیش کیا جیسے ہی کھانے کا سامان آپ کے سامنے رکھا گیا ایک سائل نے صدا لگادی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھانے کا پورا سامان اٹھا کر سائل کے پاس بھجوانے کا عزم کیا اہلیہ محترمہ (جو پس پردہ کھڑی تھیں) کہنے لگیں کہ مچھلی تو آپ کو بے حد پسند و مرغوب ہے آپ اسے کھایئے ہم سائل کو اس پورے کھانے کے عوض پوری قیمت دے دیں گے فرمایا ہاں جو اس کی لاگت و قیمت ہو وہ لے آؤ اب جب رقم آ گئی تو دسترخوان کا کھانا اور رقم خادمہ کے حوالہ کرتے ہوئے فرمایا ''ادفعیہ جمیعاً الی السائل'' یعنی قیمت اور کھانا سب سائل کو دے آؤ بیوی نے کہا کم از کم آپ مچھلی تو کھا لیتے جس کے کھانے کے لئے آپ بے حد مشتاق تھے حضرت عبداللہ بن عمر نے جواب دیا کہ قران پاک میں حکم ہے۔

لن تنالوا البر حتٰی تنفقوا مما تحبون۔ (ال عمران)

''یعنی نیکی ملنے کا مدار اپنے محبوب ترین مال کے خرچ کرنے پر ہے۔''

آج عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سب سے زیادہ محبوب چیز مچھلی تھی اس لئے میں نے

محبوب مال راہ خدا میں خرچ کر دیا۔ (صفوۃ الصفوۃ لابن جوزی وطبقات ابن سعد ص:۱۶۵ ج:۴ بالفاظ مختلفۃ)

حکایت:۔

اور قیس بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے اپنے آپ سے کسی کو زیادہ سخی پایا؟ فرمایا ہاں! ایک مرتبہ ہمیں صحراء میں ایک عورت کے گھر میں بارش کی وجہ سے ٹھہرنا پڑا جب اس کا شوہر آیا تو اس نے اسے بتایا کہ ہمارے ہاں دو مہمان آئے ہوئے ہیں چنانچہ وہ گیا اور ایک اونٹ کو لا کر کے ذبح کیا پھر اس میں سے پکا کر ہمارے سامنے پیش کیا اور ہمیں شروع کرنے کو کہا جب دوسرے دن صبح ہوئی تو اس نے دوسرا اونٹ ذبح کیا اور کل کی طرح ہمارے سامنے رکھ کر کہا شروع کریں ہم نے عرض کیا کہ کل کا گوشت ابھی تک ثابت رکھا ہوا ہے تو دوسرا اونٹ ذبح کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس نے کہا کہ میں اپنے مہمانوں کو باسی گوشت نہیں کھلاتا ہوں قیس فرماتے ہیں کہ بارش کی وجہ سے ہم کئی دن یہاں ٹھہرے اور صاحب خانہ یہ عمل روزانہ کرتا رہا بالآخر جب ہم نے یہاں سے رخت سفر باندھا تو سو دینار اس کی بیوی کو یہ کہتے ہوئے دیئے کہ میزبان سے ہماری طرف سے معذرت کر لو جب ہم کافی آگے چلے گئے تو دیکھا کہ پیچھے سے کوئی آدمی یہ کہتا ہوا ہماری طرف تیزی کے ساتھ آرہا ہے کہ اے نکمو تم مجھے مہمان نوازی کا عوض دیتے ہو جب وہ ہمارے قریب آپہنچا تو کہنے لگا اپنے پیسے لے لو ورنہ اس نیزہ سے تمہیں جان سے مار دونگا چنانچہ ہم نے وہ رقم لی ورآگے چلے۔ (المستطرف ص:۱۵۶ ج:۱)

انقلاب زمانہ اور انسانی مزاج کی تبدیلی پر نظر رکھنے والے حضرات کے لئے ان واقعات کے تناظر میں اس سوال کا جواب دنیا مشکل نہیں کہ دنیا کی محبت وحرص مال اور بخل نے انسان کے دل پر کتنا قبضہ جمایا ہے اور اس میں دوستوں ومہمانوں اور دیگر مستحقوں کے احساس حقوق اور سخاوایثار کے لئے کتنی جگہ چھوڑی ہے؟

اس میں شک نہیں کہ انسانوں کے آپس میں تعلقات کا زیادہ تر دارومدار حق دہی، سخاوت اور ایثار پر ہے جب تک یہ اوصاف نوع انسانی اور ملت اسلامیہ کے افراد میں مستقر تھے تو باوجود اختلاف رنگ ونسل اور لسان کے (جزوی امثلہ کے علاوہ) وہ ایک دوسرے کے شر سے محفوظ تھے بلکہ اپنے آرام کی بجائے

دوسروں کے سکھ کا زیادہ خیال رکھتے اور دوسروں کے دکھ پر اپنی تکلیف مقدم رکھتے جس کی ہزار ہا مثالیں موجود ہیں آج ترقی کے اس دور میں حالات میں ایسی تبدیلیاں رونما ہوگئی کہ دوسرے جرائم کے علاوہ سب ایک دوسرے سے دست وگریبان ہیں یہ محض اس بناء پر کہ ہر ایک دوسرے کا حق ہضم کرنے کی فکر میں ہے حالانکہ یہ انسانی شان اور منصب کے بالکل خلاف ہے انسانیت اور عقل کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہم معاشرتی امور میں بھی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نقش قدم پر چلتے جنہوں نے سخاوت پر ایثار کو ترجیح دیکر ہمارے لئے مکمل ضابطہ حیات وضع کر کے امن اور بھائی چارے کی لاثانی مثال قائم کی ہے چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میں بڑا دکھی فقیر ہوں مجھے بھوک بہت ستا رہی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعض ازواج مطہرات کے پاس کہلا بھیجا وہاں سے جواب ملا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ بھیجا ہے ہمارے ہاں اس وقت کھانے پینے کی کوئی چیز پانی کے سوا نہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کسی دوسرے گھر کہلا بھیجا وہاں سے بھی یہی جواب ملا پھر ان سب کی طرف سے یہی جواب ملا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین مجلس کو مخاطب کر کے فرمایا تم میں سے کون اس بندہ کو اپنا مہمان بنا سکتا ہے؟ اور اس پر اللہ کی خاص رحمت ہوگی انصار میں سے ابوطلحہ نامی ایک شخص کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کو میں اپنا مہمان بناتا ہوں چنانچہ وہ اس حاجت مند شخص کو اپنے گھر لے گئے اور بیوی سے کہا کیا تمہارے ہاں کچھ ہے؟ بیوی نے جواب دیا کہ بس اپنے بچوں کا کھانا ہے اس کے سوا کچھ نہیں ابوطلحہ نے کہا تو پھر ایسا کرو کہ ان بچوں کو کسی چیز سے بہلا کے سلا دو اور جب ہمارا مہمان گھر میں آ جائے تو اس پر یہ ظاہر کیجیؤ اور ایسا دکھائیو کہ ہم بھی کھائیں گے پھر جب وہ کھانے کے لئے ہاتھ بڑھائے تم چراغ ٹھیک کرنے کے بہانے چراغ کے پاس جائیو اور اس کو گل کر دیجیؤ چنانچہ بیوی نے ایسا ہی کیا پس بیٹھے تو سب لیکن کھانا صرف مہمان نے کھایا اور ان دونوں میاں بیوی نے بھوکے رہ کر رات گذار ای پھر جب صبح ہوئی تو ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا اور ان کی بیوی کا نام لے کر ان کو خوشخبری سنائی۔

لقد عجب اللّٰہ او ضحك اللّٰہ من فلان وفلانة ۔

''یعنی اللہ تعالےٰ کو اپنے فلاں بندے اور فلاں بندی کا یہ عمل بہت پسند آیا۔''

(ریاض الصالحین ص:۳۰۳ بحوالہ بخاری)

ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصة۔ (الآیة)

چو یاد آمدت عہد شاہاں پیش
ہمیں نقش برخواں پس از عہد خویش

فصل نمبر ۶

اخلاص:۔

اچھے اعمال کی فہرست تو بہت طویل وعریض ہے مگر ان میں سے اخلاق حسنہ کا مصداق صرف وہ عادتیں ہیں جو فطرت سلیم مروت اور شریعت کے اصولوں کے عین مطابق ہوں لہٰذا اگر کسی سے خلاف شرع کوئی کام سرزد ہو جائے تو اسے عمدہ اخلاق سے موسوم کرنا زیبا نہیں اگر چہ لوگوں کی نگاہوں میں اچھا کیوں نہ ہو۔

چنانچہ بہت سے مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں اور خصوصاً اہل یورپ وامریکہ میں بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اچھے کاموں میں گہری دلچسپی لیتے ہیں اور ایسے ایسے کارنامے انجام دیتے ہیں جن کو آدمی دیکھ کر متاثر ہو جاتا ہے تاہم مذکورہ شرط کے فقدان کی بناء پر انہیں اخلاق حسنہ نہیں کہا جائے گا۔

من جملہ ان اصول میں سے اخلاص اور تصحیح نیت ہے اس کا بیان یہ ہے کہ ہر انسان کا اختیاری عمل کسی نیت اور عزم کے بغیر نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کے لئے ضرور کوئی نہ کوئی علت غائی ہوتی ہے جو عامل، کارکنندہ کو اس کام پر آمادہ کرتی ہے اور یہ امر بھی طے شدہ ہے کہ ہر کام پر کچھ نہ کچھ اثرات ضرور مرتب ہوتے ہیں اور یہ اعتقاد بھی ضروری ہے کہ دنیاوی زندگی کے بعد ایک ابدی اور دائمی زندگی سے مخلص ممکن نہیں۔

پس اگر عامل کی نیت خالص اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی ہوگی تو ایسے عمل پر

دنیوی ثمرات کے علاوہ آخرت میں جو اجر وثواب مرتب ہوگا اس کے بارے میں عقل کی سوچ نا کافی ہے اور اس کے بالکل برعکس اگر کسی عمل کرنے سے مراد یہ ہو کہ دنیا میں لوگ مجھے اچھا کہیں میری عزت کریں اور اس امر کی بدولت میری شہرت ہو اور جاہ منزلت اور اقبال میں اضافہ ہو تو ایسا عمل حسی اعتبار سے تو موجود ہو جائے گا لیکن شرعی اعتبار سے وہ کالعدم ہوتا ہے اور اخروی جزا وانعام سے بالکل معری ومجرد رہتا ہے بلکہ بجائے جزا کے سزا کا موجب بنتا ہے۔

اخلاص کی ماہیت:۔

اخلاص کی ماہیت یہ ہے کہ نیت صرف ایک شے کی ہو یعنی عمل کا محرک یا صرف ریا ہو اور یا محض رضائے حق ان دونوں پر اخلاص کے لغوی معنی صادق آتے ہیں کیونکہ خالص اس شی کو کہتے ہیں جس میں کسی دوسری جنس کی آمیزش نہ ہو مگر اصطلاح شرع میں اخلاص کے معنی یہ ہیں کہ محض حق تعالیٰ کی ذات مقصود ہو کیونکہ ماسوا کی جانب میلان اور قصد کرنے پر شرعاً اخلاص کا اطلاق نہیں ہوتا جس طرح الحاد کے معنی مطلق میلان کے ہیں خواہ بھلائی کی جانب ہو یا برائی کی طرف مگر شرعاً صرف باطل کی طرف مائل ہونے کا نام الحاد ہے اسی طرح اگر عبادت سے مقصود محض عبادت ہو تب تو اخلاص کہلائے گا اور اگر اس میں ریا دکھلاوے کی آمیزش ہو یا عبادت کے ضمن میں دنیا کے کسی فائدے کا بھی ارادہ شامل ہو تو اس کو اخلاص نہیں کہیں گے۔

مثلاً روزہ رکھنے سے مقصود یہ بھی ہو کہ روزہ رکھنا عبادت ہے اور یہ بھی مقصود ہو کہ کھانے پینے سے پرہیز کرنے سے صحت کو بھی نفع ہوگا پس ایک کام میں دو نیتیں شامل ہوئیں تو اس کو اخلاص نہیں کہیں گے یا مثلاً حج سے یہ بھی مقصود ہو کہ وہ نیک کام اور عنداللہ محبوب ہے اور یہ بھی نیت ہو کہ حج کرنے سے سفر میں حرکت ہوگی اور حرکت سے مزاج صحت واعتدال پر آجائے گا یا لوگ حاجی کہیں گے یا دشمنوں کی ایذاؤں سے نجات حاصل ہوگی یا ایک جگہ رہتے رہتے دل اکتا گیا ہے پس سفر میں دل بھی بہل جائے گا یا سیر وتفریح بھی ہو جائے گی وغیرہ یا مثلاً اعتکاف کیا تا کہ اس بہانے نوکری سے چھٹی لے کر چند دن آرام کیا جائے یا بیمار کی عیادت کی مگر اس نیت سے کہ تمہارے بیمار ہونے پر وہ تمہاری عیادت کو آئے

یا مثلاً فقیر کو اس نیت سے کچھ دیا کہ وہ غل مچا رہا تھا پس اس کا شور رفع ہو جائے گا یا تا کہ لوگ مجھے بخیل نہ کہیں وغیرہ ذالک۔ یہ سب خیالات اخلاص کے منافی ہیں اور ان کا رفع ہونا دشواری سے خالی نہیں اس لئے بعض اہل بصیرت کا قول ہے کہ اگر ایک ساعت بھی اخلاص حاصل ہو جائے تو نجات مل جائے۔

حضرت سلمان دارانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مبارک ہو اس کو جس کا ایک قدم بھی ایسا اٹھا جس سے مقصود خدا ہی کی ذات ہو اور حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے نفس کو مارتے اور فرمایا کرتے تھے کہ اے نفس اخلاص پیدا کرتا کہ خلاصی حاصل ہو۔

مگر ہاں یہ ضرور سمجھ لینا چاہئے کہ ان نیتوں کی آمیزش کئی طرح سے ہوا کرتی ہے یعنی کبھی تو یہ نیتیں عبادت کی نیت پر غالب آ جاتی ہیں اور کبھی مغلوب رہتی ہیں اور کبھی مساوی رہتی ہیں پس اگر مباح کاموں میں رضائے حق تعالیٰ شانہ کا قصد کچھ بھی شامل ہو جائے تو اس کا بھی ضرور ثواب ملے گا۔

مگر عبادت کے اندر اخلاص کا حکم ہے لہٰذا یہاں عبادت کی نیت کے ساتھ اگر دوسرے مقصود کی کچھ بھی آمیزش ہوگی تو اخلاص باطل ہو جائے گا اور اگر وہ آمیزش غالب اور قصد عبادت مغلوب ہے تو عبادت بالکل ہی باطل اور بے کار ہے۔

اخلاص شرعی عمل کی روح ہے جس طرح بغیر جان کے کوئی جاندار نہیں ہوتا اسی طرح بغیر اخلاص کے کوئی عمل شرعاً معتبر نہیں۔ یہی مضمون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصر مگر نہایت جامع الفاظ میں اس طرح بیان فرمایا ہے کہ:

انماالاعمال بالنیات وانما لامرء مانوی الخ۔

یعنی تمام شرعی اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے ہر آدمی کو اس کے عمل سے وہ مقصد حاصل ہوگا جس کی اس نے نیت کی ہو اگر نیت دنیوی غرض کی ہو تو صرف وہ حاصل ہوگی اور اگر رضائے الٰہی کی ہو تو وہ نصیب ہوگی۔

اس کو دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کا ثواب جو اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کا اصل صلہ اور نتیجہ ہے اور جو انسانوں کا اصل مطلوب و مقصود ہونا چاہئے وہ

صرف اعمال واخلاق پر نہیں ملتا بلکہ تب ملتا ہے جب ان اعمال واخلاق سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اخروی ثواب کاارادہ بھی کیا گیا ہواور وہی ان کے لئے اصل محرک ہو بصورت دیگروہ اعمال چاہے کتنے بڑے اور شاق کیوں نہ ہومگر آخرت میں بے نتیجہ اور بے فائدہ ثابت ہونگے اس کی تصدیق وتائیداس آیت سے بھی ہوتی ہے۔

من كان يريد العاجلة عجلنا له فيها مانشاء لمن نريد ثم جعلنا له جهنم يصلها مذموماً مدحوراً 0ومن اراد الآخرة وسعى لهاسعيها وهو مؤمن فاولئك كان سعيهم مشكوراً 0

''جو کوئی چاہتا ہو پہلا گھر (دنیا کا نفع) جلد دے دیں ہم اس کو اسی میں جتنا چاہیں جس کو چاہیں پھر ٹھہرایا ہے ہم نے اس کے واسطے دوزخ داخل ہوگا اس میں اپنی برائی سن کر دھکیلا جا کر اور جس نے چاہا پچھلا گھر (یعنی اپنے اعمال سے ثواب آخرت) اور دوڑ کی اس کے واسطے جو اس کی دوڑ ہے اور وہ شخص مؤمن بھی ہو سو ایسے لوگوں کی یہ سعی مقبول ہوگی۔''

اس سے یہ معلوم ہوا کہ عمل کی قبولیت کے لئے جس طرح ایمان اور موافقت شرع ضروری ہے اسی طرح اخلاص نیت بھی لازمی ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ علم بیج ہے عمل فصل اور اخلاص پانی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ان اللّٰه لاينظر الى صوركم واموالكم ولكن ينظر الى قلوبكم واعمالكم۔

''اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا لیکن تمہارے دلوں اور تمہارے عملوں کو دیکھتا ہے۔'' (صحیح مسلم ص: ۳۱۷ ج: ۲)

اور اس حدیث کی بعض روایتوں میں یہ الفاظ ہیں۔

ان اللّٰه لاينظر الى اجسادكم ولاالى صوركم واعمالكم ولكن ينظر الى قلوبكم ۔

''اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں اور تمہاری صورتوں کو اور تمہارے (صرف ظاہری) اعمال کو نہیں

دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔‘‘

(معارف الحدیث ص:۳۲۳ ج:۲ جمع الفوائد ص:۱۶۰ ج:۲)

یہ الفاظ اس حقیقت کے ادا کرنے کے لئے زیادہ واضح اور زیادہ صریح ہیں کہ مقبولیت کا اصل دارومدار دل کے رخ کی صحت یعنی نیت کی درستی پر ہے۔ پس اگر کسی کا عمل بظاہر اچھے سے اچھا ہو لیکن اس کا دل اخلاص سے خالی ہو اور اس کی نیت درست نہ ہو تو وہ عمل ہرگز قبول نہ ہوگا۔

علامات اخلاص:۔

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اخلاص کی علامات تین ہیں اول یہ کہ صاحب اخلاص کے لئے لوگوں کی تعریف اور مذمت یکساں ہو (یعنی وہ اپنے حق میں لوگوں کی تعریف اور مذمت کو یکساں خیال کرے) دوم اعمال میں اعمال کے مشاہدہ سے بے نیاز ہو جائے یعنی عمل کرنے کے بعد ان اعمال کو بھول جائے۔

سوم اس بات کا خواستگار نہ ہو کہ آخرت میں اس کے اعمال کا اس کو اجر ملے گا یعنی اعمال صالحہ کا مقصد صرف رضائے الٰہی ہو۔ (عوارف لمعارف ص:۲۱۳)

اخلاص کی برکت اور اس ضمن میں ایک حکایت:۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تین آدمی کہیں چلے جا رہے تھے کہ ان کو مینہ (بارش) نے آلیا وہ پہاڑ کے ایک غار میں گھس گئے پہاڑ کے منہ پر ایک پتھر کی چٹان آپڑی اور غار کو بند کر دیا تینوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا اپنے ان نیک عملوں پر نظر ڈالو جو خاص طور پر خدا کے لئے کئے ہوں اور اس عمل کے وسیلہ سے دعا مانگو امید ہے کہ خداوند تعالیٰ اس پتھر یا اس مصیبت کو دور کر دے ایک نے ان میں سے کہا کہ اے اللہ میرے ماں باپ بہت بوڑھے تھے اور میرے کئی چھوٹے بچے تھے میں بکریاں وغیرہ چرایا کرتا تھا تا کہ ان کا دودھ ان سب کو پلاؤں جب شام ہو جاتی تو میں گھر آتا دودھ دوہتا اور سب سے پہلے اپنے ماں باپ کو پلاتا پھر بچوں کو دیتا ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ چراہ گاہ کے درخت مجھ کو دور لے گئے یعنی بکریوں کو چراتا چراتا میں دور نکل

گیا اور وقت پر میں گھر واپس نہ آ سکا یہاں تک کہ شام ہوگئی جب گھر پہنچا تو دیکھا کہ میرے ماں باپ دونوں سو گئے ہیں میں نے حسب معمول دودھ دوہا پھر دودھ کا برتن لے کر ماں باپ کے پاس پہنچا اور ان کے سرہانے کھڑا ہو گیا مجھ کو ان کو جگانا بھی برا معلوم ہوا اور یہ بھی کہ ماں باپ سے پہلے بچوں کو دودھ پلا دوں' بچے میرے پاؤں کے پاس پڑے بھوک سے روتے اور چلاتے تھے اور میں دودھ لئے کھڑا تھا صبح تک یہی کیفیت رہی یعنی دودھ لئے کھڑا تھا اور بچے روتے رہے اور ماں باپ پڑے سوتے رہے۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام محض تیری رضامندی اور خوشنودی کے لئے کیا تھا تو اس پتھر کو اتنا کھول دے کہ ہم آسمان کو دیکھ سکیں۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ نے پتھر کو اتنا ہٹایا کہ آسمان نظر آنے لگا۔

دوسرے شخص نے کہا کہ اے اللہ! میرے چچا کی ایک بیٹی تھی میں اس سے انتہائی محبت رکھتا تھا جیسی محبت جیسے کسی مرد کو کسی عورت کے ساتھ زیادہ سے زیادہ ہوسکتی ہے میں نے اس سے جماع کی خواہش ظاہر کی اس نے کہا جب تک سو اشرفی نہ دو گے ایسا نہیں ہوسکتا میں نے کوشش شروع کی اور سو اشرفیاں جمع کر لیں اور ان کو لے کر اس کے پاس پہنچا پھر جب میں اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھ گیا (یعنی جماع کے لئے) تو اس نے کہا کہ اے خدا کے بندے خدا سے ڈر اور مہر کو نہ توڑ! میں خدا کے خوف سے فوراً اٹھ کھڑا ہوا (یعنی اس سے جماع نہیں کیا) اے اللہ اگر تیرے نزدیک میرا یہ فعل محض تیری رضامندی اور خوشنودی کے لئے تھا تو اس پتھر کو ہٹا دے اور ہمارے لئے راستہ کھول دے۔ خداوند تعالیٰ نے پتھر کو تھوڑا سا اور ہٹایا۔

تیسرے شخص نے کہا کہ اے اللہ! میں نے ایک شخص کو مزدوری پر لگایا تھا ایک فرق (پیمانہ) چاول کے معاوضہ پر جب وہ شخص اپنا کام ختم کر چکا تو کہا کہ میری مزدوری مجھ کو دلوایئے میں اس کی مزدوری دینے لگا تو وہ اس کو چھوڑ کر چلا گیا اور پھر اپنے حق کو لینے کے لئے نہ آیا تو میں نے اس کی مزدوری کے چاول سے کاشت شروع کر دی اور ہمیشہ کاشت کرتا رہا یہاں تک کہ ان چاولوں کی قیمت سے میں نے بہت سے بیل گائے اور ان کے چرواہے جمع کر لئے پھر مدت کے بعد وہ مزدور میرے پاس آیا اور کہا خدا سے ڈر مجھ پر ظلم نہ کر اور میرا حق میرے حوالہ کر میں نے کہا کہ ان بیلوں اور چرواہوں کو لے جا

کہ وہ تیرا حق ہے اس نے کہا بندے خدا سے ڈر اور مجھ سے مذاق نہ کر میں نے کہا میں تجھ سے مذاق نہیں کرتا ان بیلوں اور چرواہوں کو لے جا یہ سب تیرے ہی ہیں چنانچہ اس نے ان سب کو جمع کیا اور لے کر چلا گیا۔ اے اللہ! اگر تیرے نزدیک میرا یہ فعل محض تیری خوشنودی اور رضامندی کے لئے تھا تو تو اس پتھر کو بالکل ہٹا دے چنانچہ خداوند تعالیٰ نے پتھر کو ہٹا دیا اور راستہ کھول دیا۔

(صحیح مسلم ص:۳۵۳ ج:۲)

اس واقعہ میں ان بندگان خدا نے اپنے جن اعمال کو خدا کے حضور پیش کر کے اس سے دعا کی ہے تو ان میں مجاہدۂ نفس کے تذکرہ کے بعد اپنے اخلاص نیت کو بطور شرط ذکر کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انعام کا ترتب اخلاص پر مبنی ہے۔

دانہ بے مغز کے گردد نہال
صورت بے جاں نباشد جز خیال

''دانہ بے مغز کب سرسبز و شاداب ہوتا ہے اور صورت بغیر روح کے بے حقیقت اور محض خیال ہوتا ہے۔''

فصل نمبر ۷

عفت، ضبط نفس:۔

عفت ان چار ستونوں میں سے ایک ہے جن پر اخلاق فاضلہ کا دارومدار ہے عیش اور لذتوں کی جانب رجحان میں اعتدال اور عقل کی اثر پذیری کا نام عفت اور ضبط نفس ہے۔

عفت کا اطلاق صرف جسمانی لذتوں تک ہی محدود نہیں بلکہ نفسیاتی لذتوں یعنی رجحانات وتاثرات نفسانی کو بھی شامل ہے۔ لہٰذا کسی شخص کو ضابط نفس تب ہی کہہ سکتے ہیں کہ وہ جسمانی لذات مثلاً خورد ونوش اور حظ نفس اور نفسانی رجحانات مثلاً رنج ومسرت جیسے امور میں بھی اعتدال سے کام لیتا ہو اس کو ہر ناگوار بات پر غضب آلود اور ہر معاملہ میں عجلت کے ساتھ اپنے تاثرات کا مطیع نہ ہونا چاہئے مثلاً وطن سے دور ہے تو وطن میں پہنچنے کا ہر لحظہ ایسا عشق جو ادائے فرض سے بھی غافل کر دے یا اپنے کسی عزیز کے گم

ہونے پر حد سے زیادہ حزن وملال جو قوی اور ملکات تک کو تباہ کردے ضبط نفس کے خلاف ہے اور اکثر رذائل مثلاً لالچ، فسق وفجور، فضول خرچی، بے جا غصہ، فضول گوئی، مے خوری اور تنگ مزاجی وغیرہ ضبط نفس سے محرومی کے نتائج ہیں۔

ضبط نفس کا یہ مطلب نہیں کہ خواہشات ورغبات کا قلع قمع کیا جائے بلکہ اس سے ان کی تہذیب اور ان میں اعتدال پیدا کرنا مقصد ہے اور یہ کہ وہ عقل کے زیر فرمان رہیں پس خواہشات اور رغبات کا خاتمہ دراصل شخص ونوع انسانی کا خاتمہ ہے اور ان میں اعتدال دونوں کی سعادت وفلاح کا موجب وسبب ہے۔ ضبط نفس کی فضیلت کا عظیم الشان فائدہ یہ ہے کہ انسان نفس کا آقا رہتا ہے نفس کا بندہ نہیں بن جاتا کہ جس طرف وہ حکم دے اس کی تعمیل اپنا فرض سمجھے اور ہونا بھی یہی چاہئے کہ انسان نفس کا غلام نہ ہو کیونکہ حالات کا مقابلہ تب ہی ممکن ہے کہ انسان ضابط نفس ہو اگر اس میں تکالیف برداشت کرنے کی تاب نہ ہو اور مصائب پر صبر کرنے کی صلاحیت نہ ہو تو عین ممکن ہے کہ وہ آنے والے امتحانات اور آزمائشوں میں بری طرح ناکام ہو جائے مثلاً اگر کسی میں فاقہ کشی اور پیاس کی برداشت کی قوت نہ ہو تو وہ روزہ کیسے رکھے گا؟ جہاد کیسے کرے گا؟ اور غربت وہجرت میں تکالیف پر صبر کیسے کریگا؟ اور دشمن کے قید خانہ میں اذیت ناک وتکلیف دہ سزاؤں کی صورت میں اپنے موقف پر کیسے ڈٹا رہے گا؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

کاد الفقر ان یکون کفراً۔

''یعنی تنگدستی انسان کو بعض اوقات کافر بنا سکتی ہے۔'' (مشکوٰۃ ص:۴۲۹)

یہ ارشاد ایسے ہی لوگوں کے لئے ہے جو ہمیشہ آرام کی زندگی گذارنے کے متلاشی رہتے ہیں اور پیٹ کا بندہ بن کر نفس کے تقاضوں کو پورا کرتے رہتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے ہیں کہ اس طرح نفس کی سلطنت ہمارے لئے آئندہ چل کر تباہی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

اسی طرح ضابطہ وقاعدہ تمام طاعات کا ہے کہ ان میں تھوڑا بہت نفس کی خواہش کے خلاف چلنا پڑتا ہے حتی کہ شادی اور کھانے پینے میں بھی محض نفس کو خوش کرنے کی نیت نہیں کرنی چاہئے ورنہ اس کا

ثواب ختم ہوجاتا ہے۔ کیونکہ کامل عبودیت یہی ہے کہ عبد کی جملہ حرکات وسکنات آقا کی مرضی کے مطابق ہوں۔

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

فصل نمبر ۸

شجاعت:۔

مذکورہ فضائل قوت شہوانیہ کے اعتدال سے متعلق تھے جس کو پارسائی کہتے ہیں اور اب قوت غضبیہ کے اعتدال کی طرف چلتے ہیں اور اس کو شجاعت کہا جاتا ہے شجاعت سے بردباری' استقلال' نرمی' ملاطفت' اور غصہ کے ضبط کا مادہ اور ہر کام میں دوور اندیشی اور وقار پیدا ہوتا ہے۔

ضرورت اور حاجت کے وقت مصائب وخطرات میں ثبات قدمی کے ساتھ مقابلہ شجاعت کہلاتا ہے اور بعض لوگوں نے جو یہ سمجھ لیا ہے کہ شجاعت بے خوفی کا نام ہے یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ جو شخص نتائج پر نگاہ رکھے اور ان کے پیش آنے سے خوف زدہ ہو مگر جب وہ سامنے آجائیں تو ثابت قدمی سے ان کا مقابلہ کرے تو وہ مرد بہادر ہے اور جب بھی کوئی شخص موقع اور محل کے مناسب بہترین کارگزار ثابت ہو وہ شجاع سمجھا جائے گا کہ نتیجہ پر نگاہ رکھنے کے بعد وہ یہ فیصلہ کرے کہ اس خطرہ کے موقع سے بچنا ہی بہتر طریقہ کار ہے۔

اور اگر اس نے موقع ومحل کی مناسب راہ کو چھوڑ دیا یعنی جس جگہ اس کو قرار کرنا چاہے تھا وہاں قرار نہ کیا یا جس جگہ مقابلہ کرنا چاہئے تھا وہاں سے بھاگ نکلا تو ان صورتوں میں وہ شخص ڈرپوک اور بزدل کہلائے گا لہٰذا شجاعت نہ اقدام وجوش پر موقوف ہے اور نہ خوف وعدم خوف پر بلکہ اس کا مدار ضبط نفس اور موقع کے مناسب عمل پر ہے کیونکہ کسی شخص کا خطرہ سے بے پرواہ اور خوف سے نڈر ہو کر ضبط نفس اور موقع کے مناسب عمل کے لئے اقدام کرنا ہی شجاعت ہے۔

بالفاظ دیگر شجاعت اور بہادری یہ ہے کہ قوت غضبیہ عقل کی تابع اور منقاد ہو اور عقل ہر قسم کے خطرے کے مقابلے کا مشورہ کبھی نہیں دیتی ہے بلکہ نظر عقل یہ ہے کہ جس تکلیف میں فائدہ نہیں اس سے دور رہنا چاہئے مثلاً ناحق اور غلط بات پر ڈٹا رہنا اور اس کے ضمن میں تکالیف برداشت کرنا کوئی کمال کی بات نہیں کیونکہ یہ تو کوئی خوبی کی بات نہیں کہ انسان ہر قسم کے خوف سے بے پرواہ ہو جائے اور بالکل ہی بے باک بن جائے ہاں اگر کوئی ایسا خطرہ درپیش آ جائے جس کا مقابلہ کرنا ناگزیر ہو یا خاطر خواہ فائدے اور ابدی فلاح سے خالی نہ ہو وہاں سے فرار معیوب ہے مثلاً میدان جہاد میں جم کر مقابلہ کرنا عین شجاعت ہے نبی الملاحم صلی اللہ علیہ وسلم میدان جہاد میں تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے پیش پیش ہوتے تھے او رجب جنگ کے شعلے خوب بھڑک اٹھنے لگتے تو اکثر صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو جاتے تھے بلکہ حنین کے موقع پر جب ہوازن نے اچانک حملہ کر دیا اور مسلمانوں کی جماعت بے تحاشا پلٹی آدمی پر آدمی اور اونٹ پر اونٹ گرنے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داہنے رخ پلٹے اور کہا کہ لوگو! کہاں او رکدھر جا رہے ہو؟ میری طرف آؤ میں خدا کا رسول ہوں میں خدا کا پیغمبر ہوں میں محمد بن عبد المطلب ہوں۔

مگر کیفیت یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف چند مہاجر اور اہل بیت رہ گئے باقی پورا میدان دشمنون نے گھیر لیا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قدم بھی پیچھے نہ ہوئے۔

اسی طرح غزوہ احد کے موقع پر جب مدینہ میں قریش کی خبر پہنچی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے یہ تھی کہ ہم لوگ مدینہ سے باہر نہ نکلیں کفار شہر پر حملہ کریں تو شہر ہی میں مرد سامنے مقابلہ کریں اور عورتیں مکانوں کے اوپر سے پتھر پھینک کر کفار کو پریشان کریں یہی رائے عبداللہ بن ابی کی بھی تھی اور کفار کی کثرت تعداد کی وجہ سے یہی رائے مناسب تھی۔ مگر بہت سے جلیل القدر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس رائے کے خلاف ہو گئے خصوصاً وہ حضرات جو غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے ان کو بہت جوش تھا تو کہنے لگے کہ ہم نکل کر مقابلہ کریں گے شہر میں بیٹھ کر رہنا بزدلی کی علامت ہے اور بالآخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بادل نخواستہ مکان میں تشریف

لے گئے اور مسلح ہو کر باہر نکلے تو مخلص اصحاب کو اپنے اصرار پر پشیمانی ہوئی انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ہم نے بیجا اصرار کیا ہے آپ کے نزدیک نکلنا مناسب نہیں ہے تو یہیں ٹھہریئے اور جس طرح مناسب ہو کیجیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبی جب سلاح پہن لے تو جائز نہیں کہ دشمن سے فیصلہ کئے بغیر سلاح اتارے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہادری میں اپنی مثال آپ تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق پر روشنی ڈالنے کی فرمائش کی گئی تو آپ نے جواب میں فرمایا قرآن مجید ہی آپ کا اخلاق ہے یعنی جہاں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے غصے اور ناراضگی کا حکم دیا ہے وہیں آپ اس کا اظہار فرماتے اور اس کی رضا کے لئے کسی سے رضا و محبت اختیار فرماتے۔ حرمات اللہ کی بے حرمتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غضب ناک کر دیتی (چونکہ یہ) غصہ (بھی خالصتاً لوجہ اللہ تھا اس لئے اس غصہ) کی کوئی بھی تاب نہ لاسکتا تھا۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ غصے اور طاقت کا بے جا استعمال اور ہر قسم کے خطرات سے بے خوف ہونا کوئی کمال کی بات نہیں اسی طرح تدبیر بھی شجاعت کے منافی نہیں بلکہ موقع کی مناسبت سے کبھی کبھی خوف ہی فضیلت بن جاتا ہے اور بے باکی رذیلہ سمجھی جاتی ہے لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ شجاعت بے خوفی کا نام ہے۔ مثلاً ہتک عزت یا ناموس کے بارہ میں خوف زدہ ہونا عین فضیلت ہے اور یہ کوئی بہادری نہیں کہ محارم کو ہر قید سے آزاد کر کے انجام بد اور ہتک محارم سے بے خوف ہو جائے یا بلا جھجک شراب خانہ میں شراب پینے پہنچ جائے اور شارع عام پر بے دھڑک جوا کھیلنے لگے یہ دراصل شعور دماغی کا فتور سمجھا جاتا ہے نہ کہ شجاعت۔

درحقیقت قابل مذمت بزدلی یا ذلیل قسم کا خوف یہ ہے کہ انسان اعتدال سے گذر کر پستی کی جانب چلا جائے یا خوف دلانے والی شے کے متعلق دل میں ہول بیٹھ جائے مثلاً ایک شخص دیکھتا ہے کہ اس کے مکان میں آگ لگ رہی ہے یا چور اس کے گھر میں گھسے ہوئے ہیں یا ریل سے ایک آدمی عنقریب کٹ جانے والا ہے یا کشتی عنقریب ڈوب جانے والی ہے سو اگر ان حالات میں اس کی عقل گم

ہوگئی اور اس کے حواس مختل ہو گئے اس کی قوت صوابدید جاتی رہی آنکھیں حیران رہ گئیں اور وہ یہ نہ سمجھ سکا کہ کیا کرے تو وہ شخص بزدل ہے اور اگر وہ اپنے نفس پر قابو یافتہ اور مطمئن رہا اور ان امور میں بہتر طریق کار کو عمل میں لایا تو یہ شخص بلاشبہ بہادر اور شجاع ہے اس لئے کہ بہادر وہی ہے کہ جب اس پر سخت وقت آئے تو اپنے اطمینان اور بیداری حواس کو نہ کھو بیٹھے بلکہ قابلیت اور ثبات قلبی سے اس کا مقابلہ کرے اور ذہنی بیداری اور اطمینان عقل کے ساتھ اس کو انجام دے۔

اس سلسلہ میں عبدالملک بن مروان کی ایک حکایت مشہور ہے ایک دن اس کے پاس ابن زیاد کے قتل اور اس کے لشکر کی شکست کی اطلاع پہنچی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فلسطین پر قبضہ کرلیا اور دمشق نے بھی اس کے خلاف بغاوت کردی اور روم کا بادشاہ بھی شام کی طرف روانہ ہوگیا۔

ان تمام وحشت ناک اطلاعات کے باوجود نہ اس کا دل مضطرب ہوا اور نہ اس کے حواس پر اثر پڑا اور اس پورے دن میں وہ مطمئن قلب اور خوش چہرہ پایا گیا۔

پھر روم کے بادشاہ کو تو ادائے خراج میں مشغول کروایا اور فلسطین پر لشکر بھیج کر دوبارہ قبضہ کرلیا اور خود دمشق پہنچ کر اپنے مخالفین کو شکست دیدی۔

(اخلاق اور فلسفہ اخلاق ص:۳۴۶)

شجاعت ادبیہ:۔

انسان جبکہ تمدن میں بہت آگے بڑھ گئے ہیں تو اب ان کو جسمانی شجاعت کی اتنی ضرورت باقی نہیں رہی جتنی کی غیر متمدن زمانہ میں تھی اس لئے اس زمانہ میں شجاعت کے ایک نئے معنی پیدا ہوگئے ہیں جس کا نام شجاعت ادبیہ ہے۔

اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ ایک شخص ایسے وقت میں کہ جبکہ لوگ اس سے بدظن ہوں اور اس پر جھوٹی تہمتیں تراشتے ہوں اور جبکہ اس کا سچ کہنا اس پر بہت غیظ وغضب کا طوفان لاتا ہو یا حاکم کی انتہائی ناراضگی کا باعث ہوتا ہو اپنی جس رائے کو حق سمجھتا ہے اس کو علانیہ ظاہر کرے اور رائے کے اظہار

واشاعت کی راہ میں جس قدر مصائب وآلام سے بھی دوچار ہوان کوصبر وتحمل کے ساتھ برداشت کرے پس اگراس کی رائے علماء وقت یا اپنے گردوپیش عامۃ الناس کی رائے سے الگ ہو یا حاکم وبادشاہ یا کسی لیڈر اور رہنما کے خلاف ہوتو اس کو چاہئے کہ پیش آمدہ مصائب اور ہولناک تکالیف سے چشم پوشی کرتے ہوئے اپنی رائے کوعلی الاعلان بیان کردے۔

اس کو چاہئے کہ جس بات کوحق سمجھتا ہے اسکومہذب طریق پر واضح کردے اگر چہ اس سے لوگوں کواذیت ہی کیوں نہ پہنچے اور جس چیز کوخطا اور غلط سمجھتا ہے اس کا اقرار واعتراف کرے خواہ اسکی وجہ سے اسے مصیبت ہی اٹھانی پڑے اور اس غلط عمل کوفوراً ترک کرکے صحیح چیز کواختیار کرے ایسے بہادر انسانوں سے دنیا کی تاریخ بھری پڑی ہے جنہوں نے قول حق اور نصرت حق کی خاطر اپنی جان اور اپنے مال سب کوقربان کردیا ہے اور اس ضمن میں ہرقسم کے مصائب کو برداشت کیا ہے اور طرح طرح کے عذاب کی تلخیوں کوشہد کے گھونٹ کی طرح پیا ہے اس لئے کہ ان کوحق اور سچائی اپنی جان سے زیادہ عزیز تھی اس جماعت میں سب سے پہلا اور سب سے اونچا مقام انبیاء علیہم السلام کا ہے اور اس کے بعد شہدا اور علماء دین کا ہے ان کوامر حق کے سلسلہ میں سخت سے سخت تکالیف دی گئیں اور انہوں نے ان کونہایت صبر واستقامت کے ساتھ برداشت کیا اور اس کی بہتری کے لئے اپنی جان ومال تک کوتج دیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ جب ان کے چچا ابوطالب نے قریش کی قاتلانہ دھمکیوں سے تنگ آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کونصیحت کی کہ لوگوں کواپنی دعوت وتبلیغ کا پیغام نہ سناؤ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اے چچا بخدا اگر وہ (مشرکین) میرے داہنے ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیں اور یہ چاہیں کہ میں اس تبلیغ کو چھوڑ دوں تو جب تک حق تعالیٰ اسکو غالب نہ کردے یا میں اس تبلیغ حق میں جاں بحق نہ ہوجاؤں ہرگز اس کونہیں چھوڑ سکتا۔

امر حق کے جانباز بہادروں کی فہرست بہت لمبی ہے تاہم عرب کی تاریخ میں اس کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔ابن رشد رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ

اللہ تعالیٰ نے اظہار حق میں سلاطین وعلماء وقت اور مخالفت عوام کی پرواہ کئے بغیر ہر ممکن کوشش کی۔
(فلسفہ اخلاق ص:۳۴۷)

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم افضل الجھاد من قال کلمۃ حق عندسلطان جائر۔ (ترمذی)

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے بلند جہاد اس شخص کا ہے جس نے ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہا۔'' (ترمذی شریف)

حقیقت یہ ہے کہ اگر علماء میں سے ایک جماعت ایسی نہ ہوتی جو برملا اظہار حق کے لئے برابر جان ومال کی قربانی کرتی رہی تو آج ہم پر حق مشتبہ ہوتا اور علم کی روشنی اور تمدن کی فراوانی جس طرح نظر آرہی ہے ہرگز نظر نہ آتی۔

مٹادے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہو
کہ دانہ خاک میں مل کر گل گلزار ہوتا ہے

حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سولی پر چڑھتے ہوئے دشمنون کے حملہ کے وقت یہ شعر پڑھے تھے۔

ولست ابالی حین اقتل مسلماً
علی ایّ شق کان للّٰہ مصرعی
وذالك فی ذات الالہ وان یشاء
یبارك فی اوصال شلو ممزع

(صحیح بخاری ص:۴۲۸ ج:۱)

''اور میں جس وقت مسلمان ہونے کی حالت میں شہید کر دیا جاؤں اس وقت کچھ پرواہ نہیں کرتا کہ کس جانب پر میرا پچھاڑا جانا ہو۔ اور یہ قتل ہونا اللہ کی ذات کے بارے میں ہے یعنی اس کی رضا کے لئے اور اگر وہ چاہئے تو ٹکڑے کئے ہوئے جسم کے اعضاء میں برکت دیدیگا۔''

فصل نمبر ۹

کظم غیظ (غصہ پی جانا) عفو و نرمی اور حلم :۔

کظم غیظ (غصہ پی جانا) کی اعلیٰ قسم کا نام حلم ہے یعنی غیظ و غضب کے جوش کے وقت صبر کرنا اور ایسے اسباب کے پیدا ہونے کے وقت جن سے غضب میں ہیجان پیدا ہو سکتا ہو اس پر قابو پانے کا نام کظم غیظ ہے۔

اور یہی صفت جب نفس انسانی کی عادت اور ملکہ بن جائے تو اس صفت کو حلم کہا جاتا ہے گویا کظم غیظ اس فضیلت کی ابتداء کا نام ہے اور حلم انتہاء کا۔

غصہ کی حالت میں اپنے نفس کو قابو کرنا اور خلاف شرع امر کے ارتکاب سے گریز کرنا ہمت کے ان کاموں میں سے ہے جن پر بلند درجات ملتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین۔ (آل عمران)

خذ العفوا وامر بالعرف واعرض عن الجاهلين۔(سورۃاعراف)

ولاتستوی الحسنة ولاالسیئة ادفع بالتی هی احسن فاذالذی بینك وبینه عداوة كانه ولی حمیم ومایلقاها الاالذین صبروا ومایلقاها الاذوحظ عظیم۔ (حم سجدہ)

ولمن صبر وغفر ان ذالك لمن عزم الامور۔ (شوری)

فاصفح الصفح الجمیل۔ (حجر)

ولیعفوا ولیصفحوا الاتحبون ان یغفر اللّٰہ لکم۔ (سورۃ نور)

''غصے کو ضبط کرنے والے اور لوگوں سے درگذر کرنے والے اللہ ایسے نیکو کاروں کو محبوب رکھتا ہے۔'' (آل عمران)

''معافی اختیار کرو نیکی کا حکم دو اور جاہلوں سے اعراض کرو۔'' (اعراف)

''اور نیکی بدی برابر نہیں ہوتی نیک برتاؤ سے بدی کو ٹال دو پھر یکا یک تم میں اور جس شخص میں

عداوت تھی وہ ایسا ہو جائے گا جیسا کوئی دلی دوست ہوتا ہے اور یہ بات انہیں لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور ان کو جو بڑے صاحب نصیب ہوتے ہیں۔'' (حم سجدہ)

''اور جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے یہ البتہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔'' (سورہ شوریٰ)

''سو تم خوبی کے ساتھ درگذر کرو۔'' (حجر)

''اور چاہئے کہ معاف کر دو اور درگزر کرو کیا تم یہ بات نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف کر دے۔'' (سورہ نور)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشج عبدالقیس سے فرمایا تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے بردباری اور سکون و سنجیدگی۔ (مسلم و ترمذی ص:۲۱ ج:۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ اللہ تعالیٰ نرم ہے اور نرمی کو پسند کرتا ہے اور جو نرمی پر عطا فرماتا ہے وہ سختی اور اس کے علاوہ کسی اور چیز پر نہیں عطا فرماتا۔ (مسلم ص:۳۲۲ ج:۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک اور روایت ہے کہ جس چیز میں نرمی ہوتی ہے وہ اس کو زینت دیتی ہے اور جس چیز سے نکل جاتی ہے اس کو برا کر دیتی ہے۔ (مسلم ص:۳۲۲ ج:۲)

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو خبر دیتا ہوں اس کی جو آگ پر حرام ہوگا یا جن پر آگ حرام ہوگی ہر غریب بے آزار، نرم خو، نرم رو۔ (مشکوٰۃ ص:۴۳۲ ج:۲ بحوالہ ترمذی)

اور حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو نرمی سے محروم رہا وہ ہر بھلائی سے محروم رہا۔

(مسلم ص:۳۲۲ ج:۲)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا مجھے وصیت کیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غصہ نہ کرو اس نے کئی بار یہی کہا کہ مجھے

وصیت کیجئے اور آپ بار بار یہی فرماتے رہے کہ غصہ مت کرو۔ (بخاری ص:۹۰۲ ج:۲)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک دوسری روایت ہے کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے قرابت دار ہیں میں ان سے رشتہ جوڑتا ہوں وہ کاٹتے ہیں میں ان کے ساتھ بھلائی کرتا ہوں وہ میرے ساتھ برائی کرتے ہیں میں بردباری کرتا ہوں وہ مجھ پر سختی کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کچھ کہتے ہو اگر یہ صحیح ہے تو تم ان کے منہ میں خاک ڈالتے ہو جب تک تمہارا یہ رویہ رہے گا اللہ کی مدد تمہارے ساتھ رہے گی۔

(مسلم ص:۳۱۵ ج:۲)

اور آپ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے۔ (بخاری و مسلم ص:۳۲۶ ج:۲)

اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم موٹے کنارے کی نجرانی چادر اوڑھے ہوئے تھے ایک دیہاتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا اور چادر پکڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑے زور سے کھینچا میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاندھے پر چادر کے کھینچنے سے نشان پڑ گئے تھے بولا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اس مال میں سے دیجئے جو آپ کو اللہ نے دیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا اور مسکرائے پھر اسکو دینے کا حکم دیا۔ (مشکوٰۃ ص:۵۱۸ ج:۲ بحوالہ مسلم و بخاری)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا نہ کسی عورت کو اور نہ غلام کو سوائے اس کے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کسی سے تکلیف پہنچتی تو تکلیف پہنچانے والے سے بدلہ نہ لیتے مگر ہاں جب اللہ کی حرمتوں میں سے کوئی بے حرمتی کرتا تو آپ اللہ کے لئے بدلہ لیتے۔ (مشکوٰۃ ص:۵۱۹ ج:۲ بحوالہ مسلم)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ پر احد کے دن سے زیادہ سخت کوئی دن گذرا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے تمہاری قوم سے بہت کچھ

برداشت کرنا پڑا ہے سب سے زیادہ عقبہ کا دن تھا میں نے عبد یالیل بن عبد کلال کو دعوت اسلام دی اس نے میری بات قبول نہیں کی میں اپنے حال میں اس فکر اور رنج میں چلا جا رہا تھا قرن ثعالب میں پہنچ کر مجھے احساس ہوا کہ میں کہاں ہوں سر اٹھایا تو ایک بادل تھا جو مجھ پر سایہ کئے ہوئے تھا میں نے جو نظر ڈالی تو اس میں جبرائیل نظر آئے مجھے پکارا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا فرمانا سنا اور آپ کی قوم کا جواب سنا تو آپ کی طرف پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے اب آپ جو چاہیں انہیں حکم دیں پھر پہاڑوں کے فرشتہ نے مجھے پکارا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ نے آپ کا سوال سنا اور آپ کی قوم کا جواب سنا میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں مجھے میرے پروردگار نے بھیجا ہے اب آپ اپنے معاملہ پر جو چاہیں حکم دیں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہو تو میں ان دو پہاڑوں کے درمیان ان کو پیس دوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان میں ایسے لوگ پیدا کرے گا جو اس کی عبادت کریں گے اور اس کا شریک نہ ٹھہرائیں گے۔

(بخاری و مسلم)

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک نبی کی حکایت بیان فرما رہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کرنے کا منظر اس وقت بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے ان پر اللہ کا درود و سلام ہو فرمایا ان کی قوم ان کو اس قدر مارتی تھی کہ خون آلود کر دیتی تھی اور اپنے چہرے سے خون پونچھتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے اے اللہ! ان کو بخش دے یہ جانتے نہیں۔

(بخاری و مسلم)

مندرجہ بالا آیات و احادیث میں نرمی و ملاطفت پر زور دیا گیا ہے جس سے اس کی محمودیت اور پسندیدگی ظاہر ہو جاتی ہے۔ یعنی نرمی میں بھی اخلاق دیگر کی طرح درجہ اوسط محمود ہے یعنی نہ اتنا غضبناک رہنا چاہئے کہ ہر چھوٹی موٹی بات پر اخلاقی ضوابط، شرعی حدود اور مروت کے تقاضوں کو پامال کرتا رہے او رنہ اتنا نرم بننا چاہئے کہ شجاعت و بہادری کی صفت سے خارج ہو کر بزدلی کے دائرہ میں داخل ہو جائے۔ مثلاً اگر ہتک محارم کے موقع پر بھی انسان نرمی دکھا کر تحفظ عزت کے لئے آمادہ نہ ہو تو یہ وصف ہرگز محمود نہیں ہو سکتا بلکہ یہ نہایت قبیح صفت دنائت اور رذیلہ ہے جو سخت قابل مذمت اور باعث حقارت ہے اور

یہی حکم حیاء کا بھی ہے کہ ہر قبیح کی جرأت اور لاپرواہی بھی مذموم ہے اور ہر کام سے دور بھاگنا بھی معیوب ہے بلکہ ان دونوں کی درمیانی حالت محمود ہے کہ خلاف شرع اور خلاف مروت کام سے آدمی شہوت نفسانی کا مقابلہ کر کے اپنے نفس کو بچائے اور جہاں اقدام کی ضرورت ہو تو وہاں شرمندگی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ثابت قدم رہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ درشتی اور نرمی میں اوسط درجہ محمود ہے۔

البتہ چونکہ انسان کی طبعیت درشتی کی طرف زیادہ مائل ہے اس لئے غایت درجہ رفق کی ترغیب ضروری ہے اور یہی وجہ ہے کہ شرع میں نرمی کی مدح بہت سی ہے اور درشتی کی نہیں پائی جاتی ہے گو اپنے اپنے موقع پر حسب مصلحت دونوں اچھی ہیں مگر جس جگہ درشتی ضروری ہوئی ہے وہاں حق بات ہوائے نفسانی میں مل جاتی ہے اور شہد سے بھی زیادہ میٹھی معلوم ہوتی ہے پس کامل آدمی تو وہی ہے جو نرمی و درشتی کا موقع پہچانے اور ہر ایک کام میں جو مناسب ہے وہ بجالائے۔

لیکن اگر کسی کی بصیرت میں قصور ہو یا معلوم نہ ہو کہ فلاں محل و موقع میں کیا کرنا چاہئے؟ تو اسے چاہئے کہ رفق و نرمی ہی کی طرف میل کرے اس لئے کہ غالباً فلاح اسی میں ہوتی ہے۔

حکایت:۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس اثناء کہ ایک آدمی راستہ میں چلا جا رہا تھا اسے سخت پیاس لگی چلتے چلتے اسے ایک کنواں ملا وہ اس کے اندر اترا اور پانی پی کر باہر نکل آیا کنوئیں کے اندر سے نکل کر اس نے دیکھا کہ ایک کتا ہے جس کی زبان باہر نکلی ہوئی ہے اور پیاس کی شدت سے وہ کیچڑ چاٹ رہا ہے اس آدمی نے دل میں کہا کہ اس کتے کو بھی پیاس کی ایسی ہی تکلیف ہے جیسے کہ مجھے تھی اور وہ اس کتے پر رحم کھا کر پھر اس کنوئیں میں اترا اور اپنے چمڑے کے موزے میں پانی بھر کر اس نے اس کو اپنے منہ سے تھاما اور کنوئیں سے نکل آیا اور اس کتے کو وہ پانی پلا دیا اللہ تعالیٰ نے اس کی اس رحمدلی اور اس محنت کی قدر فرمائی اور اسی عمل پر اس کی بخشش کا فیصلہ فرما دیا۔

بعض صحابہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ سن کر دریافت کیا کہ یا رسول اللہ کیا جانور کی تکلیف دور کرنے میں بھی ہمارے لئے اجر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ہر زندہ اور تر جگر رکھنے

والے جانور کی تکلیف دور کرنے میں ثواب ہے۔(بخاری ص:۸۸۸ ج:۲)

فصل نمبر ۱۰

خیر خواہی:۔

عن تمیم الداری ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال الدین النصیحۃ ثلاثاً قلنا لمن؟ قال للّٰہ ولکتابہ ولرسولہ ولائمۃ المسلمین وعامتھم ۔

(رواہ مسلم ص:۵۴ ج:۱)

''تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا کہ خیر خواہی کرنا دین کا خلاصہ ہے ہم نے عرض کیا کس کی؟ فرمایا اللہ کی' اس کی کتاب کی اس کے رسول کی ائمہ مسلمین کی اور سب مسلمانوں کی۔''

ابن ظریف لکھتے ہیں کہ نصح قلب الانسان اس وقت بولتے ہیں جب دل میں کوئی کھوٹ باقی نہ رہے۔اس بناء پر نصیحت کے معنی یہ ہے کہ بندہ اپنے اور خدا کے مابین کوئی کھوٹے کا معاملہ نہ رکھے یعنی کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائے اس کی صفات جلال و جمال کا پوری تنزیہ کے ساتھ اعتراف کرے اور اس کے اوامر و نواہی میں پوری مستعدی کا اظہار کرے۔

کتاب اللہ کی نصیحت کے معنی یہ ہیں کہ پورے آداب کے ساتھ اس کی تلاوت کی جائے بدل وجان اس کے معانی کی تصدیق کی جائے اس کے علوم کی نشر واشاعت کی جائے اس کی پیروی کی تمام عالم کو دعوت دی جائے اور اس کے ہر ہر امر و نہی کے سامنے اعتراف وتسلیم کا سر خم کر دیا جائے۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت یہ ہے کہ آپ کی رسالت کی تصدیق کی جائے جو دین وہ لے کر آئے ہیں اس کا ایک ایک حرف مانا جائے ہر موقع پر اس کی نصرت کے لئے سر بکف حاضر رہے اور آپ کے اہل بیت اور اصحاب کی محبت اور ان کا ادب پورے طور پر ملحوظ رہے۔

ائمہ مسلمین کی نصیحت یہ ہے کہ ہر حق معاملے میں ان کی اعانت کی جائے ان کے ساتھ جہاد میں شرکت کی جائے اور بلا وجہ ان کی مخالفت سے گریز کیا جائے۔

عام مسلمانوں کی نصیحت یہ ہے کہ دنیوی اور اخروی سب راہیں ان کو بتادی جائیں ان کو ایذاء نہ دی جائے ان کے عیوب کی پردہ پوشی کی جائے اور خیر خواہی میں ان کو اپنے نفس کے برابر سمجھا جائے۔

مطلب یہ ہے کہ بادشاہ سے لے کر رعایا تک فریضہ خیر خواہی میں سب شریک ہوں اگر رعایا میں سے کوئی شخص اس میں غفلت اختیار کرتا ہے تو وہ قصوروار ہے اور اگر حاکم وقت اس میں غفلت کرتا ہے تو وہ قصوروار ہے مگر افسوس کہ جس مذہب میں باہم خیر خواہی کرنا اتنا اہم فرض ہے آج وہی قوم خیر خواہی سے اتنی خالی ہے کہ کوئی کسی کا خیر خواہ نظر نہیں آتا۔ اکثریت کے سینے کینہ، بغض اور حسد سے لبریز ہیں خود غرضی کی بیماری اور محبت دنیا کے ناسور نے آپس کی محبتیں نفرتوں میں بدل دیں۔

آج حکمرانوں کا یہ حال ہے کہ اگر ان کے دلوں میں کوئی خیر خواہی کا جذبہ ہے بھی تو وہ صرف اپنی خوراک، پوشاک اور تعمیرات اور آلات تعیش تک محدود ہے صدر اور وزیر اعظم سے لے کر ایک ادنی سپاہی تک حکومت کا پورا ڈھانچہ بیمار ہے جس کے علاج و معالجہ کی نہ کسی کو فکر ہے اور نہ امید کی جاسکتی ہے کہ کوئی صحت مند حاکمیت قائم کی جاسکے گی تقریباً ہر لیڈر نے اپنے لئے مسلمانوں کے بدخواہ غیر مسلم معاشرے کے کسی فرد کو آقا بنا رکھا ہے جس کے اشارے کے بغیر اس کو چلنا گوارا نہیں رعایا کا دنیوی اور دینی فائدہ کچھ بھی ہو مگر وہ کرے گا وہی جس کا حکم واذن اسکے آقا نے دیا ہو یہ بیماری بالاستیعاب تمام حکمرانوں میں ہے چاہے وہ کسی بھی رنگ و نسل اور ملک والے ہوں الا ماشاء اللہ وقلیل ماہم جب کہ رعایا کا حال بھی ان سے کم نہیں آج حسد کینہ اور بغض نے ہمارے دلوں پر ایسا قبضہ جما رکھا ہے کہ اب ان کے تسلط سے دل کا آزاد ہونا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے کیونکہ یہ بیماریاں اب مزاج انسانی کا حصہ بن چکی ہیں حالانکہ دل جب تک ان موذی اور مہلک امراض کی زد میں رہتا ہے تب تک قلب اپنا صحیح کردار ادا کرنے سے قاصر رہتا ہے پھر نہ کوئی پند و نصیحت کارگر ثابت ہوسکتی ہے اور نہ کسی کی موت و تکلیف سے دل نرم ہوتا ہے بلکہ حسد و کینہ کی بناء پر مسلمان بھائی کی مصیبت پر خوشی کا برملا اظہار کیا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج کثرتِ مواعظ کے باوجود دل سیاہ سے سیاہ تر ہوتے چلے جارہے ہیں جس کی دلیل اعمال کی بدلتی ہوئی صورتحال ہے کہ ابتداءً ہر برے عمل کی کچھ نہ کچھ تاویل کرکے فساق لوگ اسے جائز کرنے کی

کوشش کرتے ہیں اور جب وہ عام ہو جائے تو پھر اسے گناہ کہنا جرم شمار کیا جاتا ہے۔

آج احکام الٰہی اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور حقوق المسلمین کے دلوں میں کتنی قدر اور کتنی خیر خواہی ہے یہ سوال اگر انہیں پامال کرنے والوں سے پوچھا جائے تو بلا جھجک یہی جواب دیں گے کہ ہمارا دل صاف ہے یا کوئی تاویل بار دکر کے اپنے لئے راستہ نکال لیں گے گویا ان کو اپنے دل کی بیماری کا علم تک نہیں اس کا ازالہ تو درکنار۔

یہ امر طے شدہ ہے کہ جیسا بیج ہوتا ہے ویسا ہی پھل ہوتا ہے پس اگر دل صاف ہے اور اللہ اور سول صلی اللہ علیہ وسلم اور عامۃ المسلمین کی خیر خواہی دل میں ہے تو پھر اعمال کیوں سیاہ ہیں؟

مندرجہ ذیل ارشادات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر خواہی کو ایمان اور اسلام کا جز قرار دیا ہے لہٰذا جس میں خیر خواہی نہ ہو اس کا ایمان ناقص ہے اسے چاہئے کہ اپنے ایمان کی تکمیل اس عنصر سے ضرور کرے۔

چنانچہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

من لایهتم بامر المسلمین فلیس منهم ومن لم یمس ویصبح ناصحاً للّٰه ولرسوله ولکتابه ولامامه ولعامة المسلمین فلیس منهم۔ (اخرجہ الطبرانی)

''جو شخص مسلمانوں کے معاملات کی کوئی پرواہ نہیں کرتا اس کا مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں اور جس شخص نے صبح سے شام یا شام سے صبح تک خدائے تعالیٰ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اسکی کتاب اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی سے غفلت اختیار کی اس کا بھی مسلمانوں سے کوئی رشتہ نہیں۔ (طبرانی)

اور ارشاد ہے۔

مامن عبد یسترعیه اللّٰه رعیة ثم لم یحطها بنصیحة الالم یدخل الجنة۔ (متفق علیه)

''کوئی بندہ ایسا نہیں جس کے ذمہ اللہ تعالیٰ نے کسی قسم نگرانی سپرد کی ہو پھر وہ اس میں پوری پوری خیر خواہی کا لحاظ نہ رکھے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل نہیں کریگا۔

(صحیح مسلم و بخاری ص:۱۰۵۸ ج:۲)

عن ابی هریرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال لایؤمن احدکم حتی یحب لاخیه مایحب لنفسه ۔ (رواہ الخمسۃ الاابوداؤد بخاری ص:۶ ج:۱)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کوئی شخص اس وقت تک پورا مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی بات پسند نہ کرنے لگے جو اپنے نفس کے لئے پسند کرتا ہے۔'' (بخاری ص:۶ ج:۱)

عن ابی هریرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: من یاخذ عنی هؤلاء الکلمات فیعمل بهن او یعلم من یعمل بهن؟ قلت انا یارسول اللّٰہ فأخذ بیدی فعد خمساً فقال اتق المحارم تکن اعبدالناس ،وارض بماقسم اللّٰہ لك تکن اغنی الناس، واحسن الی جارك تکن مؤمناً، واحب للناس ماتحب لنفسك تکن مسلماً ،ولاتکثر الضحك فان کثرة الضحك تمیت القلب ۔

(رواہ احمد والترمذی وقال ہٰذا حدیث غریب ص:۵۶ ج:۲)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی ہے ایسا شخص جو ان باتوں پر عمل کرے یا کم از کم ان لوگوں ہی کو بتادے جو ان پر عمل کریں میں بولا یارسول اللہ میں حاضر ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور یہ پانچ باتیں شمار کرائیں فرمایا حرام باتوں سے دور رہنا بڑے عبادت گذار بندے شمار ہوگے اللہ تعالیٰ جو تمہاری تقدیر میں لکھ چکا ہے اس پر راضی رہنا بڑے بے نیاز بندوں میں ہوجاؤ گے اپنے پڑوسی سے اچھا سلوک کرتے رہنا مؤمن بن جاؤ گے اور جو بات اپنے لئے چاہتے ہو وہی دوسروں کے لئے پسند کرنا کامل مسلمان بن جاؤ گے اور بہت قہقہے نہ لگانا کیونکہ یہ دل کو مردہ بنادیتا ہے۔''

(مسند احمد وترمذی ص:۵۶ ج:۲)

اور حضرت یزید بن اسید کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا تم کو جنت پسند ہے میں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا اچھا جو بات اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی اپنے مسلمان بھائی کے لئے پسند کیا کرو۔ (مسند احمد وتاریخ کبیر بخاری سنن اربعہ)

اور حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اسلامی آئین میں) ایک مسلمان کے ذمہ دوسرے مسلمان کے چھ حقوق ہیں جب ملاقات ہو اس کو سلام کرنا جب بلائے اس کے یہاں چلا جانا جب چھینکے اور الحمدللہ کہے اس کے جواب پر یرحمک اللہ کہنا جب بیمار پڑے تو اس کی عیادت کرنا جب مرجائے تو اس کے جنازہ کے ساتھ ساتھ جانا اور جو بات اپنے لئے پسند کرتا ہے وہی اپنے بھائی کے لئے پسند کرنا۔

(ترمذی دارمی ترجمان السنۃ ص: ۱۹۵ تا ص: ۲۰۲ ج: ۲)

فصل نمبر ۱۱

تواضع:۔

انسان اگر خدا کی معرفت و رضا یا مخلوق پر رحم و کرم کی خاطر اپنے اصل درجہ اور مرتبہ سے کم پر راضی ہو جائے یا خود کو پست کر دے اس فضیلت کا نام تواضع ہے اور تواضع سے ادنی اور نیچے ذلت ہے تاہم تواضع اور ذلت میں بڑا فرق ہے ماہیت و حقیقت کے اعتبار سے بھی اور حکم کے اعتبار سے بھی ذلت ایسی کیفیت کا نام ہے جس میں انسان اپنے حظ نفس کی خاطر اپنی رسوائی اور نفس کی اہانت پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

جس طرح اول الذکر ایک فضیلت ہے اسی طرح ثانی الذکر بہت بڑا رذیلہ ہے یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ تواضع میں صرف اپنے نفس کا برا جاننا کافی نہیں کیونکہ بعض اوقات آدمی اپنے نفس کو برا تو جانتا ہے مگر دوسروں کو اپنے آپ سے بھی زیادہ کمتر سمجھتا ہے اور نہ ہی دوسرے کو افضل جاننا تواضع ہے کیونکہ بسا اوقات آدمی خود کو اس سے اولیٰ اور بہتر سمجھتا ہے۔ بلکہ تواضع یہ ہے کہ آدمی اپنا مرتبہ سمجھے اور غیر کا مرتبہ بھی جانے اور اپنا مرتبہ غیر کے مرتبے سے حقیر سمجھے۔

حضرت حسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تواضع یہ ہے کہ آدمی جب گھر سے نکلے تو جو مسلمان راستے میں ملے تو اس کو یہ سمجھے کہ یہ مجھ سے افضل ہے۔

شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ نے تواضع کی تعریف یوں کی ہے۔ تواضع کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی پستی اور خواری اپنی نظر میں اسی درجہ ہو کہ اپنی رفعت شان یا کسی منصب وجاہ کا وسوسہ تک بھی نہ ہو سر سے پا تک اپنے آپ کو خوار وذلیل سمجھے اور جس کا یہ حال ہوگا وہ کبھی دعوی کسی چیز کا نہ کرے گا نہ تواضع کا اور نہ کسی صفت محمود کا اسلئے کہ دعوی جب کبھی ہوتا ہے وہ اپنی رفعت کے مشاہدہ سے ہوتا ہے۔

حقیقت میں تواضع وہ نہیں ہے کہ جب کوئی تواضع کا کام کرے تو اپنے آپ کو بلند وبالاتر سمجھے بلکہ متواضع وہ ہے کہ جب تواضع کرے تو اپنے آپ کو اس سے کمتر اور پست خیال کرے عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو شخص عجز وانکساری اور تواضع کا کام کرے وہ متواضع ہے جیسے کوئی امیر آدمی اپنے ہاتھ سے کسی غریب کی خدمت کرے تو اس کو کہتے ہیں بیچارے بڑے منکسر المزاج ہیں حالانکہ بعض مرتبہ اس شخص کے اندر تواضع شمہ برابر بھی نہیں ہوتی۔

اکمال الشیم ص: ۹۵ میں لکھا ہے جس نے اپنے لئے تواضع کو ثابت کیا وہ بے شک متکبر ہے کیونکہ تواضع کا دعوی تو اپنی رفعت قدر کے مشاہدہ کے بعد ہوگا پھر جب تواضع کا اپنے لئے دعوی کیا گیا تو گویا اپنے مرتبہ کی بلندی کا مشاہدہ کیا تو متکبر ہوا۔ لہٰذا متواضع درحقیقت وہ نہیں ہے کہ جب وہ کوئی تواضع کا کام کرے تو اپنے آپ کو یہ سمجھے کہ میں اس کام سے بلند وبالاتر ہوں مثلاً کرسی چھوڑ کر فرش پر بیٹھ گیا تو فرش پر بیٹھنے کو اپنی قدر ومنزلت سے پست سمجھے اور اپنے مرتبہ کو بلند جانے اور یہ خیال کرے کہ میں لائق تو اسی کا تھا کہ کرسی پر بیٹھوں لیکن میں نے تواضع اختیار کی ہے اور بہت اچھا کام کیا تو یہ شخص متکبر ہے کہ اس کے دل میں اپنی قدر ومنزلت ہے بلکہ متواضع وہ ہے کہ وہ تواضع کا کام کر کے اس کام سے اپنے آپ کو پست اور ذلیل جانے مثلاً فرش پر بیٹھا اور یہ جانے کہ میں تو ایسا خوار ہوں کہ اس فرش پر بیٹھنے کی بھی لیاقت نہیں رکھتا خالی زمین پر بیٹھنے کے لائق ہوں یا کسی غریب کی خدمت کی اور قلب کی یہ کیفیت ہو کہ اس غریب کی خدمت قبول کر لینے کو اپنا فخر سمجھے اور اپنے آپ کو اس کا اہل نہ جانے۔

(انتہیٰ شریعت وطریقت کا تلازم ص: ۲۲۳)

تاہم بتکلف تواضع کرنا اگر اس نیت سے ہو تا کہ تواضع کی عادت پڑ جائے اور تواضع مزاج کا

حصہ بنے اور طبعیت منکسر ہو جائے تو ایسا کرنا اگرچہ تواضع نہیں مگر اچھا ہے اور اگر یہ نیت نہ ہو تو ریا' ذلت یا تکبر ہے جس سے اجتناب ضروری ہے۔

تواضع کی فضیلت :۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

وماتواضع احدللّٰہ الارفعہ اللّٰہ۔ (مسلم ص:۳۲۱ ج:۲)

''اور تواضع نہیں کی کسی نے اللہ کی رضا کے لئے مگر اونچا کیا اسکو اللہ نے۔''

(ترمذی ص:۲۳ ج:۲ ومسلم ص:۳۲۱ ج:۲)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ کسی کا مال نہیں گھٹاتا اور جب بندہ کسی کی خطا معاف کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت بڑھا دیتا ہے اور تواضع کرنے سے درجہ بلند کرتا ہے۔

(مسلم ص:۳۲۱ ج:۲)

اور ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جس کے قلب میں رائی کے دانہ کے برابر تکبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا۔ (مسلم وابن ماجہ ص:۷) جو لوگ باوجود صاحب عزت اور مال ہونے کے تواضع کرتے ہیں اور عاجزی وانکساری کے ساتھ لوگوں سے ملتے ہیں ان کو مبارک ہو کہ ان کے بڑے درجے ہیں ان کی دنیا میں بھی عزت بڑھتی ہے اور آخرت میں بھی۔

تواضع انبیاء علیہم السلام کے اخلاق میں سے ہے اور کامیابی کی اصل اصول بھی یہی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم باوجود سید المرسلین وافضل المخلوقات ہونے کے کتنے متواضع تھے اس کا اندازہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت سے ہوتا ہے کہ مدینہ کی کوئی لونڈی آتی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک پکڑ کر جہاں چاہتی لے جاتی۔ (بخاری)

اور حضرت اسود بن یزید سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کیا کرتے تھے انہوں نے کہا گھر والوں کی خدمت میں لگے

رہتے تھے اور جب نماز کا وقت آتا تو تشریف لے جاتے۔ (بخاری)

اور حضرت تمیم بن اسید سے روایت ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ پہنچا آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ فرما رہے تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں ایک مسافر آدمی ہوں دین کے متعلق کچھ سوال کرنے آیا ہوں اور میں دین کے متعلق کچھ نہیں جانتا پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ چھوڑ دیا اور میرے پاس تشریف لے آئے آپ کے لئے ایک کرسی لائی گئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر تشریف فرما ہوئے اور مجھے وہی سکھلانے لگے جو اللہ نے سکھلایا تھا پھر خطبہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کو پورا کیا۔ (مسلم)

آثار:۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ تم افضل عبادت سے غافل ہو وہ تواضع ہے اور یوسف بن اسباط رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ بہت سے عمل سے تھوڑا ورع کافی ہے۔ اور بہت سی کوشش اور مجاہدہ سے تھوڑی سی فروتنی بس ہے۔

اور حضرت کعب کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو جو نعمت دنیا میں دیتا ہے اور وہ اس کا شکر گذار ہوتا ہے اور خدا کے واسطے اس نعمت سے فروتنی کرتا ہے تو اللہ اسکا نفع اسکو دنیا میں بھی عنایت فرماتا ہے اور آخرت میں اس کا رتبہ بلند کرتا ہے عبداللہ بن مروان سے کسی نے پوچھا کہ مردوں میں بہتر کون ہے انہوں نے فرمایا کہ جو شخص باوجود قدرت کے تواضع کرے اور باوجود رغبت کے زہد کرے اور قابو پا کر انتقام نہ لے۔

اور ابن سماک ہارون الرشید کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ اس بزرگی اور شرف کے ساتھ آپ کا تواضع کرنا آپ کے خود شرف سے بہتر ہے ہارون الرشید نے کہا کیا خوب آپ نے فرمایا پھر انہوں نے کہا کے اے امیر المؤمنین اگر خدائے تعالیٰ کسی کو جمال اور شرافت حسب اور مال عنایت کرے اور وہ اپنے جمال میں عفیف رہے اور مال سے لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرے اور حسب میں تواضع کرے تو اللہ کے دفتر میں ولی اللہ کے نام سے لکھا جائے گا۔ ہارون الرشید نے کاغذ و قلم منگا کر اپنے

ہاتھ سے ان کا قول لکھ دیا۔

حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کا دستور تھا کہ جب صبح ہوتی تو رئیس تو انگروں اور شریفوں کو دیکھا کرتے یہاں تک کہ ان سے فارغ ہو کر مساکین میں آتے اور ان کے پاس بیٹھ جاتے اور فرماتے کہ مسکین کا گذر مسکینوں ہی میں ہے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ جب نوح علیہ السلام کی قوم کو غرق کیا گیا تو ہر پہاڑ آپس میں ایک دوسرے سے بڑا اونچا ہونے لگا اور جودی نے فروتنی کی اللہ تعالیٰ نے اس کو بلند مرتبہ دیا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی اس پر پڑی۔

عروہ بن الورد فرماتے ہیں کہ تواضع حصول شرف کا ایک جال ہے اور آدمی کی سوائے تواضع کے سب نعمتوں پر حسد کیا جاتا ہے۔

یحی بن خالد کا قول ہے کہ شریف جب عابد ہوتا ہے تو تواضع کرنے لگتا ہے اور احمق عابد ہوتا ہے تو اپنے اپ کو بزرگ سمجھنے لگتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے کرم کو تقوی میں پایا اور غنا کو یقین میں اور شرف کو تواضع میں۔(احیاء العلوم)

ذلت سے بچنا ضروری ہے:۔

اللہ کے نزدیک درجہ اوسط ہر چیز کا محبوب ہوتا ہے لہٰذا تواضع بھی ایک درجہ اوسط کا نام ہے یعنی تکبر اور ذلت کے درمیان پس جس طرح تکبر قبیح ہے اسی طرح ذلت بھی مذموم ہے مثلاً ایک شخص اپنے اپ کو اپنے ہمسروں سے بڑا اور بہتر جانے تو وہ متکبر ہوگا اور اگر ان سے خود کو چھوٹا اور کمتر سمجھے تو وہ متواضع ہے اگر چہ درحقیقت وہ ان سے افضل ہو کیونکہ تواضع وضع سے مشتق ہے جس کے معنی رکھنے کے ہیں لہٰذا متواضع وہ ہوا جو اپنی قدر واجبی سے کسی قدر رکھ دینے والا ہو اور اگر وہ اپنی قدر بالکل ختم کر دے تو یہ ذلت کہلائے گی مثلاً ایک عالم اگر کسی موچی کے واسطے اپنی جگہ چھوڑ دے اور پھر اٹھتے وقت اس کی جوتیاں سیدھی کرے اور دروازہ تک پہنچانے جائے اور اس عمل کی کوئی معقول وجہ نہ ہو مثلاً مہمان نوازی وغیرہ تو

یہ کام ذلت اور خست کا ہے اور اسی طرح کسی مالدار اور غنی شخص کے لئے جھکنا اس کی ہر بات پر لبیک کہنا عالم اور علم کی شان کے خلاف ہونے کی بناء پر تواضع نہیں بلکہ ذلت اور حقارت ہے۔

چنانچہ حضرت یحیٰ معاذ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے مال سے تجھ پر تکبر کرے اس پر تیرا تکبر کرنا ہی تواضع ہے۔

اور بشر حافی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ دنیاداروں کے لئے یہی سلام ہے کہ ان کو سلام نہ کرو۔

من تواضع لغنی لاجل غناه ذهب ثلثا دينه ۔

(الحدیث رواہ البیہقی فی الشعب)

''جس نے کسی غنی کی بوجہ مالداری تواضع کی تو اس کا دو تہائی دین چلا گیا۔''

ومن دخل علی غنی فتضعضع له ذهب ثلثادينه وقال فی کل منهما اسناد ضعيف ثم روی سنده عن وهب بن منبه قال: وقرات فی التوراة فذکر نحوه۔

(الدرر المنتثرۃ ص:۱۵۷)

وروی عن ابن عمر رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم انه قال: اذا رايتيم المتواضعين فتواضعوا لهم واذارايتيم المتكبرين فتكبروا عليهم فان ذالك لهم صغار ومذلة ولكم بذالك صدقة ۔

(تنبیہ الغافلین ص:۶۹)

''حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم تواضع کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے سامنے تواضع کرو اور جب تکبر کرنے والوں کو دیکھو تو ان پر تکبر کرو کہ اس میں ان کی رسوائی اور ذلت ہے اور تمہارے لئے صدقہ ہے۔'' (تنبیہ الغافلین ص:۶۹)

تاہم عاجزی کرنے والا اگر کسی کی نگاہ میں ذلیل نہ بنے یا بدون تخصیص امیر کے سب کے سامنے برابر کی تواضع اختیار کرے یا تواضع مال کی وجہ سے نہ ہو بلکہ کسی دینی شرف مثلاً علم تقوی وغیرہ کی بناء پر ہو یا اپنے تکبر کو ختم کرنا مقصود ہو یا اس عمل سے اس شخص کے تکبر میں واقع ہونے کا خطرہ نہ ہو یا کسی

اور مصلحت کی بنیاد پر ہو تو یہ صورتیں تواضع کی ہیں۔ گویا تواضع اور ذلت امور اضافیہ اور نسبیہ میں سے ہیں ہر ایک قرینہ مقام سے پہچانا جاسکتا ہے کہ کوئی ایسی حد دونوں کے لئے مقرر نہیں جس کے اندر دونوں کو محدود کیا جاسکے لہٰذا یہ ممکن ہے کہ ایک کام بہ نسبت ایک شخص اور مقام کے ذلت ہو اور دوسرے شخص اور مقام کے اعتبار سے تواضع ہو۔

متواضع کی مثال بیج کی سی ہے کہ جب تک یہ عاجزی وفروتنی کو اختیار نہ کرے تو گل گلزار نہیں بن سکتا۔

حضرت زیاد نمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ جس زاہد میں تواضع نہ ہو وہ درخت بے پھل ہے۔

حکایت:۔

یہ ۱۹۳۹ء کی بات ہے کہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ لاہور مجلس احرار الاسلام کے دفتر میں تشریف لائے جب وہ نیچے سے اوپر آنے لگے تو بھنگی اوپر سے گندگی لے کر نیچے آرہا تھا۔ سیڑھیوں کے درمیان دونوں میں مڈبھیڑ ہوگئی بھنگی سمٹ کر دیوار کے ساتھ لگ گیا کہ شاہ جی آسانی سے گذر سکیں جب اللہ کے ولی کی نظر بھنگی پر پڑی تو اس سے کہا یہ ٹوکری نیچے رکھ کر اوپر آجاؤ میری ایک بات سن جاؤ۔ بھنگی ٹوکری نیچے رکھ کر اوپر چلا آیا اور شاہ جی سے کہا میرے لئے کیا حکم ہے؟ شاہ جی نے فرمایا یہ صابن لو اور منہ ہاتھ دھو کر میرے پاس آجاؤ اس نے ایسے ہی کیا شاہ جی نے اسے اپنے پاس بٹھالیا کھانا منگوایا اور لقمہ توڑ کر سالن میں ڈبولیا اور اس کے منہ میں ڈال دیا اور پھر اس سے کہا میاں ایک لقمہ تم توڑ کر سالن میں لگاؤ اور میرے منہ میں ڈال دو وہ بھنگی بڑی حیرانگی سے شاہ جی کی طرف دیکھنے لگا۔

شاہ جی نے اس سے کہا بھائی انسان ہونے کے ناطے آپ میں اور مجھ میں کیا فرق ہے گندگی اٹھانا تمہارا کام ہے تم اس مکان کی گندگی صاف کررہے ہو جب کہ میں پوری قوم کی گندگی صاف کررہا ہوں اس نے لقمہ اٹھایا اور شاہ جی کے منہ میں ڈال دیا اور کہا شاہ جی یہیں بیٹھے رہو وہ گھر گیا اور بیوی بچوں کو ساتھ لے کر آیا اور کہنے لگا یہی اسلام ہے تو پھر ہم سب کو مسلمان کردو۔ شاہ جی نے سب کو کلمہ

پڑھایا اور مسلمان کیا جب یہ مرا تو اس کا جنازہ بھی دفتر سے اٹھایا گیا اخلاق حقیقتاً اتنا بڑا ہتھیار ہے کہ جس کو چاہیں اپنا بنالیں۔

(تحریک کشمیر سے تحریک ختم نبوت تک ص:۴۳)

فصل نمبر۱۲

حکمت:۔

عقل کو حکم شرع کے ساتھ مقید کرنے اور تابع شرع بنانے کا نام ہے ''حکمت'' اور قوت عاقلہ کے اعتدال سے بھی یہی معنی مراد ہے۔ کیونکہ اگر عقل کو بالکل آوارہ اور بے لگام چھوڑا جائے تو اس کا نتیجہ گمراہی کے سوا کچھ نہیں نکلے گا۔ اس کا بیان ہے کہ اسباب علم تین ہیں حواس سلیمہ عقل اور سچی خبر یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر یا پھر متواتر خبران میں سے اول الذکر دونوں سببوں کا دائرہ نہایت محدود ہے مثلاً آنکھ کا کام صرف دیکھنا ہے کان کا سننا ہے وغیرہ ان میں سے اگر کوئی حس دوسری حس کا عمل سرانجام دینا چاہے تو اس کو اس مقصد میں ہرگز کامیابی نصیب نہ ہوگی اور یہ کوشش ناکامی کے علاوہ ایک عظیم غلطی بھی ہوگی۔ عقل کا دائرہ حواس سے کچھ وسیع تر ہے کہ بہت ساری چیزیں جن کا ادراک ہم حواس کے ذریعے نہیں کر سکتے ہیں عقل سے ان کو پہچانا جا سکتا ہے۔ مثلاً انسانی بدن میں روح کا وجود حواس کے ادراک سے بالاتر ہے مگر عقل اس کا انکار نہیں کر سکتی ہے۔

تاہم عقل کا دائرہ علم بھی محدود اور متعین ہے پس اگر اس کو ان اشیاء کے ادراک کی اجازت مل جائے جو اس کے دائرہ علم میں نہیں آتیں تو اس کو اس سمت پر کبھی بھی صحیح نتیجہ نہیں ملے گا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

یاتی الشیطان احدکم فیقول: من خلق کذا من خلق کذا حتی یقول من خلق ربك؟ فاذابلغه فلیستعذ باللّٰه ولینته ۔ (متفق علیہ)

''یعنی شیطان آدمی کو ایسی باتوں کی سوچ میں مبتلا کرنا چاہتا ہے جہاں تک عقل کی رسائی ممکن نہ ہوتا کہ اس کو گمراہ کردے لہٰذا اس سے کہتا ہے کہ اس کو کس نے پیدا کیا اس کو کس نے پیدا کیا

جب انسان سب کا درست جواب دیتا ہے اور ان کو اللہ کی طرف منسوب کرتا ہے تو پھر کہتا ہے کہ اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ اب چونکہ یہ سوال محاط عقل نہیں لہٰذا عقل کو واپس ہونا چاہئے۔''

اسی طرح انسان کو تقدیر میں بحث ومباحثہ سے روکا گیا کہ یہ سب امور شرع سے متعلق ہیں نہ کہ عقل سے اور یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے شرعی مسائل کے لئے عقل کو معیار بنایا ہے وہ گمراہی سے اپنا دامن نہ بچا سکیں۔

شرع کا احاطہ حواس اور عقل دونوں سے بالاتر ہے منتہائے عقل سے شرع کی ابتداء ہے جیسا کہ منتہائے حس سے عقل کی ابتداء ہوتی ہے لہٰذا شرع کو عقل سے جانچنا اور عقل کا دائرۂ شرع میں مداخلت کرنا ایک عظیم غلطی ہے اس کی تحقیق یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کے بدن میں دو قسم کی روحیں پیدا کی ہیں ایک روح حیوانی دوم روح انسانی۔

روح حیوانی کی مناسبت نفس سے ہے جبکہ روح انسانی کا تعلق عقل سے ہے اور یہ امر طے شدہ ہے کہ شے کا میلان اپنے مثل کی طرف ہوتا ہے۔ لہٰذا حواس کا زیادہ تر میلان نفس کی طرف ہے بعنوان دیگر حواس اور نفس میں باہمی امتزاج کی بناء پر گہرا تعلق پایا جاتا ہے مگر چونکہ دونوں کا دائرۂ علم نہایت محدود اور دائرہ کار لامحدود ہے اس لئے عقل حواس کو نفس کے تسلط سے بچانا چاہتی ہے تاکہ عاقبت نااندیشی کی وجہ سے انجام بد سے بچا جا سکے۔

مگر چونکہ حواس کا جھکاؤ زیادہ تر نفس کی طرف ہے اس لئے عقل بجائے اس کے کہ حواس کو نفس کی حاکمیت سے آزادی دلائے اکثر خود نفس کے قبضے میں آجاتی ہے اسی طرح عقل اور نفس دونوں مل کر خواہشات کی تکمیل میں سرگرم عمل ہو جاتے ہیں جس کے نتیجے میں تباہی سے بچنے کی امید ختم ہو جاتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے شریعت نازل فرمائی تاکہ عقل کو گمراہی سے بچا کر صحیح سمت پر ڈالا جائے اور جن باتوں میں توہمات نفسانی اس کو دھوکہ دے سکتے ہیں ان کا سدباب کیا جائے لہٰذا عقل جب تک شرع کے تسلط میں رہ کر نفس کے دھوکہ سے خود کو بچائے گی تو یہ اس کا کمال ہوگا اور صحیح رخ پر منزل مقصود کی طرف گامزن رہے گی۔

پھر یہاں مزید مخفی دو قوتیں اور ہیں جو عقل اور نفس کے پیچھے کارفرما ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کا ارشاد ہے۔

ما منکم من احد الا وقد وکل بہ قرینہ من الجن وقرینہ من الملائکۃ۔ (مشکوٰۃ شریف بحوالہ مسلم ص:۱۸)

''یعنی ہر بنی آدم پر ایک شیطان اور ایک فرشتہ مقرر ہے فرشتہ جس کا نام ملہم ہے خیر کا مشورہ دیتا ہے اور شیطان جس کو اہرمن کہتے ہیں شر پر اکساتا رہتا ہے۔'' (مشکوٰۃ شریف ص:۱۸ بحوالہ مسلم)

پس اگر عقل غالب آ جائے تو نفس جو کہ برائی کا حکم دیتا تھا وہ عقل کا فرمانبردار ہو جاتا ہے حتی کہ اگر انسان سے غیر شرعی امر صادر ہو تو اس پر ناراضگی کا اظہار کرتا ہے یہی حالت نفس لوامہ کی ہے اور پھر دونوں کے باہم اتفاق کی وجہ سے اس کو اطمینان حاصل ہوتا ہے جو کہ کامیابی کا اعلیٰ درجہ ہے۔

اور اس کے برعکس اگر نفس کو غلبہ حاصل ہو تو عقل ہر چیز کو حتی کہ شریعت کو بھی نفسانی خواہشات کے مطابق بنانے کی کوشش کرتی ہے اور جہاں یہ خواہش پوری نہ ہو سکے اس سے اعراض کرتی ہے گویا کہ نفس اور عقل کے درمیان یہ اصول طے شدہ ہیں کہ دونوں میں سے جو غالب آئے دوسرے کو اسکا ساتھ دینا ہوگا چنانچہ بہت سارے عقلاء اس ضابطے کے تحت گمراہ ہوئے اور یہی ضابطہ غیر مسلموں کی مادی ترقی کا راز ہے کیونکہ جب ان پر نفس نے غلبہ حاصل کیا اور ان کی عقلیں نفس کی تابع ہو گئیں تو نفس کی جدت پسندی کی بناء پر ان کی عقلیں ہمہ وقت اپنی توانائی اسی مقصد کے لئے خرچ کرتی ہیں اور شریعت سے بالکل لاپرواہ ولاتعلق ہو جاتی ہیں۔

اور یہی وجہ ہے کہ پھر ان لوگوں کو وہ معقول چیز جس سے نفس نفرت کرتا ہے بھی نامعقول نظر آتی ہے کہ عقل اس کو نفس کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔

مثلاً قصاص وغیرہ شرعی حدود ان کو وحشیانہ سزائیں دکھائی دے رہی ہیں حالانکہ ان کے فوائد سلیم العقل شخص کے نزدیک روز روشن سے بھی زیادہ عیاں ہیں یہاں ایک دوسری توجیہ بھی کی جاسکتی ہے جو فلسفی اصول پر مبنی ہے وہ یہ کہ عقل صرف کلیات اور جزئیات مجردہ (یعنی وہ جزئیات جو مادہ سے خالی ہوں) اور معنی کا ادراک تو کرتی ہے مگر مادی اشیاء کا ادرک ہرگز نہیں کرسکتی کیونکہ عقل مجرد (مادہ سے خالی) ہے۔

لہٰذا اس میں مادی اشیاء واقع نہیں ہوسکتی ہیں جبکہ وہم ان معانی کا ادراک کرتا ہے جو حس مشترکہ میں واقع جزئیات محسوسہ کی صورتوں سے منتزع ہوں۔

اس کی توثیق قاضی بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی کی ہے چنانچہ وہ اپنی تفسیر میں بیان امثلہ کی حکمت بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ عقل چونکہ معنی کا ادراک کرتی ہیں اور وہم اس سے قاصر ہے لہٰذا جب کوئی عقلی مسئلہ ذکر ہو جائے تو عقل اس کو سمجھ جاتی ہے مگر وہم اس میں لاعلمی کی وجہ سے عقل کی مخالفت کرتا ہے۔

لہٰذا جب محسوس چیز سے اس کی تشبیہ دی جاتی ہے تو وہم بھی سمجھ جاتا ہے اس لئے دونوں پھر اسی پر متفق ہو کر مطمئن ہو جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ کلام الٰہی بلغاء اور حکماء کی عبارات میں مثالیں بکثرت ملتی ہیں اس ضابطہ کے تحت یہ کہنا درست ہے کہ مادی ترقی کا دارومدار چونکہ محسوس اشیاء پر ہے اس لئے عقل کا اس سے براہ راست کوئی واسطہ اور تعلق نہیں بلکہ یہ ساری ترقی وہم پرستی پر مبنی ہے گویا عقل کو بالکل معطل یا مؤخر کر کے ہی دنیاوی و مادی اشیاء میں ترقی ہوسکتی ہے۔

اس کی تائید حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے:

قد یجمعها من لاعقل له۔ (الشفاء ص:۱۴۱ ج:۱)

''دنیا کو وہی شخص جمع کرتا ہے جس کی عقل نہ ہو۔'' (الشفاء ص:۱۴۱ ج:۱)

لہٰذا یہ جو مشہور ہے کہ انسانی عقل نے بہت زیادہ ترقی کی ہے یہ کہنا عقل کی حقیقت سے ناواقفیت اور جہالت پر مبنی ہے کیونکہ جب مادی اشیاء اور عقل کے درمیان کوئی تعلق ادراک ہے ہی نہیں تو پھر اس ترقی کو عقل کی طرف کیسے منسوب کیا جاسکتا ہے۔

دونوں توجیہوں کا مآل تو ایک ہی ہے کہ عقل کو اعتدال سے خارج کرنے میں حکمت و دانائی ختم ہو جاتی ہے مگر پہلی توجیہ افراط کی صورت ہے اور دوسری تفریط کی۔ هذا ولعلك لم تجده فی غیر هذا

فصل نمبر ۱۳

عدل:۔

جب انسان مزاج میں اعتدال لا کر مذکورہ فضائل کے عمدہ زیور سے آراستہ ہو جاتا ہے اور افراط اور تفریط سے دامن بچا کر اوسط راہ کو اختیار کرتا ہے تو یہاں ایک دوسری فضیلت پیدا ہو جاتی ہے جس کا نام عدل ہے۔

گویا عدل عفت، شجاعت اور حکمت کے باہم اختلاط سے معرض وجود میں آتا ہے انسان انسانیت کے تقاضوں کی تکمیل بغیر عدل کے ہرگز نہیں کر سکتا ہے اس لئے اللہ جل شانہ نے عدل کو لازم قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ ۔

''عدل کرو یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقوی سے۔'' (مائدہ)

اس آیت میں جہاں ایک طرف انصاف کرنے کا حکم ہے وہیں دوسری جانب اپنے اخلاق میں اعتدال پیدا کرنے کا بھی حکم ہے۔

عدل کا تعلق صرف تہذیب اخلاق سے ہی نہیں بلکہ یہ تدبیر منزل اور سیاست مدینہ کے لئے بھی رکن اعظم ہے اس کے اپنانے پر عقل و نقل دونوں نہ صرف متفق ہیں بلکہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اس کے مقتضا پر چلنے کو از حد ضروری سمجھتی ہیں۔

اس سلسلے میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اخلاق اور فلسفہ اخلاق میں ایک جامع اور لطیف بحث کی ہے جس کا خلاصہ ترمیم اور اضافہ کے ساتھ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

انصاف یا عدل کی دو قسمیں ہیں ایک وہ عدل جو خاص فرد یا شخص کی صفت بنتا ہے اور یوں کہتے ہیں فلاں شخص عادل اور منصف ہے اور دوسرا وہ جو جماعت یا حکومت کی صفت ہے۔

عدل شخصی:۔

ہر صاحب حق کو اس کا حق ادا کر دینا افراد اور اشخاص کا عدل کہلاتا ہے اس لئے کہ جب ہر شخص اپنی جماعت کا ایک فرد ہے تو اس کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ جماعت کی خیر خواہی میں سے اپنے حصے کے مطابق فائدہ اٹھائے لہٰذا انسان کا ٹھیک ٹھیک اپنے حصہ کو لینے اور بغیر کمی کے ٹھیک ٹھیک دوسروں کے حقوق ادا کرنے کا نام عدل یا انصاف ہے اس لئے غصب اور چوری ظلم ہے کیونکہ ان میں دوسروں کے فائدہ کو چھین لینا اور ان کے حقوق روک دینا پایا جاتا ہے اور اسی طرح وہ تاجر جو کسی چیز کو طے شدہ وزن یا پیمانے سے کم تول کر دیتا ہے ظالم ہے اس لئے کہ وہ بھی دوسروں کے حقوق کے آڑے آتا ہے۔

انسان کو عدل وانصاف سے روکنے اور ظلم وجور میں مبتلا کرنے کے عادتاً دو سبب ہوا کرتے ہیں ایک اپنے نفس یا اپنے دوستوں اور عزیزوں کی طرف داری دوسرے کسی شخص کی دشمنی وعداوت۔

قرآن میں دونوں طرف جھکنے سے صراحتاً ممانعت آئی ہے چنانچہ سورہ نساء میں ارشاد ہے۔

یاایھا الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شھداء للّٰہ ولو علی انفسکم او الوالدین و الاقربین۔

''اے ایمان والو! قائم رہو انصاف پر گواہی دو اللہ کے لئے اگرچہ نقصان ہو تمہارا یا ماں باپ کا یا قرابت داروں کا۔''

اور سورہ مائدہ میں اس کے بعد ارشاد ہے۔

ولایجرمنکم شنآن قوم علی ان لاتعدلوا ۔

''اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو۔''

پہلی آیت کا حاصل یہ ہے کہ عدل وانصاف کے معاملہ میں اپنے نفس اور والدین اور عزیزوں کی بھی پرواہ نہ کرو اگر انصاف کا حکم انکے خلاف ہے تو خلاف ہی پر قائم رہو اور دوسری آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ عدل وانصاف کے معاملہ میں کسی دشمن کی دشمنی کی وجہ سے لغزش نہ ہونی چاہئے کہ اسکو نقصان پہنچانے کے لئے خلاف انصاف کام کرنے لگو اور دوسری جگہ ان آیتوں کا نتیجہ ذکر کر کے ایک جامع

ضابطے کی تصریح فرمائی چنانچہ ارشاد ہے۔

واذاحکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل ۔

''اور جب فیصلہ کرنے لگو لوگوں میں تو فیصلہ کرو انصاف سے۔''

اس جملہ میں حق تعالیٰ نے بین الناس فرمایا بین المسلمین یا بین المؤمنین نہیں فرمایا اس میں اشارہ فرمایا کہ مقدمات کے فیصلوں میں سب انسان مساوی ہیں مسلم ہوں یا غیر مسلم اور دوست ہوں یا دشمن اپنے ہم وطن ہوں ہم رنگ ہم زبان ہوں یا غیر مالدار ہوں یا فقیر فیصلہ کرنے والوں کا فرض ہے کہ ان تعلقات سے الگ ہو کر جو بھی حق وانصاف کا تقاضا ہو وہ فیصلہ کریں۔

(معارف القرآن ص:۴۴۸ ج:۲)

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم انما اھلك الذین من قبلکم انھم کانوا اذاسرق فیھم الشریف ترکوہ واذاسرق فیھم الضعیف اقاموا علیہ الحد وایم اللّٰہ لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدیھا۔

(بخاری ج:۲ص:۱۰۰۳ مسلم ج:۲ص:۶۴)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے پہلے ایسے لوگ ہلاک کردئے گئے کہ جب ان میں کوئی سربرآوردہ چوری کرتا تو وہ اسکو معاف کردیتے اور اگر کوئی غریب وکمزور ایسا کرتا تو اس پر حد جاری کرتے بخدا اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرے تو اس کا بھی ہاتھ کاٹ دوں۔''

(بخاری ج:۲ص:۱۰۰۳ مسلم ج:۲ص:۶۴)

لہٰذا انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنے حکم اور فیصلہ میں اتنا بیدار ہو کہ کسی وقت اس پر خواہش نفس جانب داری یا عداوت کا اثر نہ ہونے پائے جو اس کو عدل وانصاف کی راہ سے ہٹادے۔

جماعتی عدل:۔

عادل وہ جماعت ہے جس کے نظم وقوانین اس قدر سہل الوصول اور آسان ہوں جو اس کے تمام افراد کے لئے ان کی اپنی اپنی استعداد کے مطابق یکساں ترقی کا باعث بنتے ہوں سو اس وقت تک کسی جماعت کو عادل نہیں کہا جاسکتا جب تک کہ اس کے ذریعہ انسانوں کے ہر ایک گروہ کے لئے وسائل ترقی بہتات کے

ساتھ میسر نہ آتے ہوں۔

مثلاً اس قوم میں ایک گروہ تجارت پیشہ ہے اور وہ اپنی تجارت میں ذرائع ابلاغ و ترسیل کا محتاج ہے اور ایک طلبہ کا گروہ ہے جو ہر قسم کے علوم کی تعلیم کے لئے مکاتب و مدارس اور ان میں نظم و انتظام اور ہر طالبعلم کی احتیاج کے مطابق علوم کا طالب ہے اور ایک گروہ اپنے جھگڑوں میں فیصلہ چاہنے والوں کا ہے اور وہ حاکموں قاضیوں اور ایسے قوانین کا محتاج ہے جو ملزموں کو سزا دے سکیں اور لوگوں کے حقوق کی حفاظت کر سکیں وغیرہ وغیرہ۔

پس اگر وہ قوم ان تمام ضروریات کو قائم کرنے اور باحسن وجوہ ان کا انتظام رکھنے والی ہے تو اسکا حق ہے کہ اس کو جماعت عادل کہا جائے ورنہ تو پھر اس کا نام ظالم ہوگا جیسے کہ ہمارے زمانے میں ہوتا ہے کہ نہ کسی کی صلاحیت کی پرواہ اور نہ قوم وملت کی خیر خواہی ملحوظ بلکہ جس نے زیادہ رشوت دی اس کو اپنے حق کے علاوہ دوسروں کے حقوق بھی بآسانی مل جاتے ہیں اور وہ انہیں ہضم کرنے میں کسی قسم کی گرفت سے نہیں ڈرتا اور یہ ناانصافی صرف ایک شعبے میں نہیں بلکہ ووٹ سے لے کر کورٹ تک تمام شعبہ ہائے زندگی و معاملات وغیرہ میں پائی جاتی ہے۔

جماعتی عدل میں جماعت کے ہر فرد سے یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ وہ جماعتی عدل کو قائم کرنے میں اپنا فرض ادا کرے اور ثبوت عدل کے لئے جن اعمال کی ضرورت ہے اپنی طاقت بھر ان کو انجام دے۔

مثلاً اگر کسی شہر میں شفاخانوں کی ضرورت ہے تو ایک مقرر کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی تقریر کے ذریعے سے ان کے قیام پر توجہ دلائے اور اخبار نویسوں کا فرض ہے کہ وہ مقالات کے ذریعے یہ خدمت انجام دیں اور شعراء کا فرض ہے کہ وہ اشعار کے وسیلہ سے اور مالداروں کا فرض ہے کہ وہ اس سلسلہ میں صرف مال کے واسطہ سے یہ فرض انجام دیں اور ارباب قوت وجاہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ان جیسے جائز امور کی موافقت میں اپنی قوت وجاہ کو کام میں لائیں۔

اور بالآخر ارباب حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ حکومت کی قوت تنفیذ کو اس کے نفاذ کے لئے استعمال کریں۔ اور اگر کسی قوم کے افراد اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی کرتے ہیں تو اس صورت

میں ان کی نحوست اور ظلم کی زد میں وہ افراد بھی آ سکتے ہیں جو اپنے فرائض کو صحیح طور پر انجام دے رہے ہیں ۔افلاطون نے اسی کو اپنے اس قول میں ادا کیا ہے۔

بہترین حکومت وہ ہے جو قوم کے ہر فرد کو اس کے لائق بہترین جگہ دے اور یہ طاقت رکھتی ہو کہ ہر فرد میں اپنے عطیات کو نمایاں کر سکے تا کہ وہ اپنے ادائے فرض وعہد کے قابل ہو جائے۔

لہٰذا کوئی حکومت اس وقت تک عادل نہیں ہوسکتی جب تک وہ اپنے اس فرض کو پورا نہ کر دے۔

(اخلاق اور فلسفہ اخلاق ص: ۳۷۷)

عدل ومساوات:۔

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ عدل مساوات کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ مساوات کی صورت ہی میں عدل قائم رہتا ہے اور عدم مساوات کی حالت میں عدل باقی نہیں رہتا۔

اس نظریہ نے فرانس کی تحریک بیداری کے وقت سے عقول میں جگہ لے لی ہے کیونکہ اس زمانہ میں فرانسیسیوں کا شعار یہ تھا۔آزادی، مساوات، اخوت۔

اس بنیاد پر مبنی لینن اور اسٹالن کے نظریات زن، زر، زمین بھی قدرے مختلف انداز میں تحریک کی شکل میں بڑے زور وشور کے ساتھ تو ابھرے تھے اور ایسا لگتا تھا کہ بہت جلد دنیا اس تحریک کی لپیٹ میں آ جائے گی مگر وہ بجائے کامیابی کے خود تنقید کا نشانہ بن گئے۔

یہ بات مسلم ہے کہ مساوات چاہنے والے اب بھی اپنے موقف پر ڈٹے ہوئے ہیں مگر یہ کوئی ایسی حقیقت نہیں کہ ہر عقل اس کو تسلیم کرے کیونکہ اگر مساوات کے نعرہ لگانے والوں کی عقل اس کو حق اور عدل سمجھتی ہے تو مخالفین کی عقل اسے باطل اور ظلم سمجھتی ہے گویا ارباب عقل کے اس مسئلہ میں دو گروہ بن گئے ہیں۔

ایک فریق مساوات کا حامی ہے اور اسی کو انصاف سمجھتا ہے اور دوسرا فریق اس کا مخالف ہے اور اسکو ظلم کہتا ہے۔

فریق مخالف کی دلیل یہ ہے کہ انسان بالطبع اپنے قوی اور ملکات میں مختلف ہیں بعض ان میں

سے ذکی اور ذہین ہیں اور بعض غبی، بعض حاذق ہیں اور بعض بے وقوف، بعض محنتی ہیں اور بعض نہایت سست مزاج وغیرہ وغیرہ۔

اب اگر ان سب کو ایک ہی معیار زندگی پر رکھا جائے تو اس سے نقصان کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ غبی اور بے وقوف کو تو عاقل بنا نہیں سکتے تو لامحالہ ذہین اور عامل کو ان کے مساوی کرنا ہوگا اور یہ مقتضائے عقل کے خلاف ہے علاوہ ازیں یہ حکمت وترقی کے بھی خلاف ہے کیونکہ مساوات کی صورت میں کسی کو شدید محنت میں دلچسپی نہیں رہے گی کیونکہ اسے حق الخدمت تو ہر صورت میں ملنا ہے۔ بلکہ ایسا کرنا ممکن بھی نہیں کیونکہ زندگی کے ہر شعبے مختلف ہیں اور مساوات کی بناء پر اختلاف کو ختم کرنا ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ ایسا کرنے میں زندگی مفلوج ہو کر رہ جائے گی۔

عدل ورحمت:۔

اکثر اشخاص یہ کہتے سنے جاتے ہیں کہ رحمت انصاف سے بلند شے ہے اور وہ اس قول سے یہ مراد لیتے ہیں کہ عمل باقتضاء رحمت بہتر ہے عمل باقتضاء عدل سے مگر یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ عدل اور رحمت کے درمیان نسبت عموم وخصوص من وجہ کی ہے۔

یعنی کبھی دونوں اکٹھا بھی ہو سکتے ہیں اور الگ الگ بھی۔ مثلاً اپنا قرض طلب کرنا عدل ہے مگر مقروض کے فقیر ہونے کی صورت میں شفقت ورحمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو صاحب ثروت ہونے تک مہلت دیدی جائے یا بالکل معاف کر دیا جائے تو چونکہ قرض ایک ذاتی چیز ہے اس لئے یہاں رحمت کے مقتضا پر چلنا عدل سے افضل ہے اور جہاں حق کئی اشخاص یا قوم کے مابین مشترک ہو تو وہاں عدل کے مقتضا پر چلنا رحمت سے اولی وبہتر ہے۔

مثلاً مدرسہ کا ایک مدرس اپنے درس کے کام ٹھیک انجام نہیں دیتا نہ ٹھیک پڑھاتا ہے اور نہ اس کے وجود سے طلباء کو کوئی فائدہ ہے اس لئے یہ مسئلہ درپیش ہے کہ اس کو برطرف کر دیا جائے مگر وہ مدرسہ کا قدیم مدرس ہے بوڑھا ہو چکا ہے کثیر العیال ہے اس موقع پر رحمت تو یہ ہے کہ اس کو برقرار رکھا جائے مگر عدل یہ ہے کہ اسے برطرف کیا جائے کیونکہ پہلی صورت میں صرف ایک شخص کا فائدہ اور پوری جماعت

وادارے کا نقصان ہے اس لئے عدل کے مطابق عمل کرتے ہوئے اس کو برطرف کرنا مدرسہ کا جائز حق ہے بلکہ ذمہ داری ہے۔

اور اگر اسی صورت میں معزول کرنے کے ساتھ ساتھ کسی اور مد سے اس کی مالی مدد کی جائے تو رحمت اور عدل دونوں پر عمل ہوسکتا ہے کیونکہ اس طرح سب کا نقصان بھی ختم ہوا اور انفرادی واجتماعی فائدہ بھی حاصل ہوا۔

(فلسفہ اخلاق ص:۳۸۶)

خاتمہ:۔جس میں دو فصلیں ہیں۔

فصل نمبر ا:۔

اخلاق رذیلہ سے اجتناب کرنا اور اخلاق کریمانہ سے آراستہ ہونے کے لئے مندرجہ ذیل صفات' حیاء' تقوی' خوف ورجاء' رضا بالقضا' توکل' صبر' شکر اور توبہ سے موصوف ہونا ضروری ہے۔

کیونکہ جب انسان میں یہ اوصاف بوجہ اتم موجود ہوں تو لامحالہ وہ مذموم اخلاق اور بری عادتوں سے گریزاں اور اخلاق محمودہ کے زیور سے مزین ہونے کی ہر ممکن کوشش وسعی کرے گا۔

مثلاً جو اپنے خدا سے خائف ہوگا اس کو امور مرضیہ اور غیر مرضیہ یعنی طاعت ومعصیت کی معرفت اور قرآن وسنت کے مطابق چلنے کی ضرور تلاش ہوگی اور جس نافرمان کے دل میں خوف نہیں اور آخرت کی نعمتوں کی امید نہیں اس کو طاعت کی کیا فکر اور معصیت سے کیا اندیشہ؟ اس لئے مناسب ہے کہ مندرجہ بالا امور کو اجمالاً زیر قلم لایا جائے۔

حیاء:۔

حیاء ایک ایسی کیفیت اور ملکہ کا نام ہے جس کی بدولت انسان خیر اور بھلائی کی طرف اقدام کرتا ہے اور شر وقبیح سے خوف مذمت کی بناء پر بچتا ہے۔ یہ وقاحت (لاپرواہی اور غلط کام کی جرأت) اور خجل (ہر کام کرتے ہوئے شرمندہ ہونے) کے درمیان درجہ اوسط سے عبارت ہے۔

حیاء کی فضیلت:۔

حیاء کی فضیلت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اس کو ایمان کا ایک شعبہ قرار دیا گیا ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

الحیاء شعبة من الایمان۔

''حیاء ایمان کی ایک شاخ ہے۔(مسلم ص:۴۷ ج:۱)

گویا ایمان بغیر حیاء کے ناتمام ہے یعنی جس طرح کہ پھل دار درخت کے لئے شاخوں کا ہونا ضروری ہے اور بغیر شاخوں کے درخت بے ثمر رہتا ہے اسی طرح ایمان کی بھی شاخیں ہیں جن میں سے حیاء قابل ذکر ہے کیونکہ ایمان کا ثمرہ حیاء پر مبنی ہے۔

چنانچہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

الحیاء لایاتی الابخیر۔(بخاری)

''حیاء خیر کے علاوہ دوسری کوئی چیز نہیں دیتی۔''(بخاری شریف)

اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمان سے خیر کے سوا کوئی برا عمل صادر نہیں ہوا نہ زنا کیا نہ جھوٹ بولا نہ شراب پی' الغرض فحاشی کا کوئی کام دور جہالت میں بھی ان سے سرزد نہیں ہوا۔

اس کے برعکس اگر کوئی شخص اس نعمت سے محروم رہا تو وہ یقیناً ایک عظیم فضیلت سے دور رہا بلکہ اس کی وجہ سے بہت ساری فضیلتوں سے بے بہرہ رہا۔ چنانچہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

اذالم تستحی فاصنع ماشئت۔(بخاری)

اس حدیث میں امر بہ معنی خبر ہے یعنی جب تیرے اندر حیاء نہ رہے تو ہر قبیح اور گناہ کا کام کرتا رہے گا۔(مشکوٰۃ ص:۴۳۱)

عن ابی ھریرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: الحیاء من الایمان والایمان فی الجنة 'والبذاء من الجفاء والجفاء فی النار۔(احمد وترمذی ص:۲۱ ج:۲)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حیاء ایمان کا جزء ہے اور ایمان یعنی مؤمن جنت میں جائے گا اور بے حیائی بدی کا جز ہے اور بد دوزخ کی آگ میں جائے گا۔''

عن زید بن طلحة قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ان لکل دین خلقاً وخلق الاسلام الحیاء۔

(مشکوٰۃ شریف ص:۴۳۲)

''حضرت زید بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر دین میں ایک اخلاق ہے اور اسلام کا وہ اخلاق حیاء ہے۔

(بیہقی فی شعب الایمان مشکوٰۃ شریف ص:۴۳۲)

یعنی ہر مذہب والوں میں ایک ایسی صفت وفضیلت ہوتی ہے جو ان کی تمام صفتوں پر غالب اور ان کی ساری خصلتوں سے اعلی ہوتی ہے اسلام میں یہ درجہ حیاء کو حاصل ہے۔

عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه ان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: ان الحیاء والایمان قرناء جمیعاً فاذارفع احدهما رفع الآخر۔ (مشکوٰۃ ص:۴۳۲)

''حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حیاء اور ایمان کو ایک دوسرے کے ساتھ یکجا کر دیا گیا ہے لہٰذا جب کسی کو ان دونوں میں سے کسی ایک سے محروم کیا جاتا ہے تو وہ دوسرے سے بھی محروم رکھا جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ ص:۴۳۲)

انتباہ:۔

حیاء سے اس چیز میں شرم کرنا مراد ہے جس میں حیاء کرنا مشروع ہے چنانچہ جن چیزوں میں شرم وحیاء کرنے کی اجازت نہیں ہے جیسے تعلیم وتدریس امر بالمعروف ونہی عن المنکر ادائیگی حق کا حکم دینا خود حق کو ادا کرنا اور گواہی دینا وغیرہ ان میں شرم وحیاء کرنے کی کوئی فضیلت نہیں بلکہ معیوب اور مذموم ہے۔

تقوی:۔

تقوی کے معنی دور رکھنے کے ہیں یعنی اپنے آپ کو ان کاموں سے بچانا جو آخرت کے لئے

نقصان دہ ہوں۔اس کے تین مراتب ہیں (۱) خود کو ہمیشہ کے عذاب سے بچانے کے لئے شرک سے دور رکھنا۔ (۲) مطلق گناہ (چاہے صغائر ہوں یا کبائر) سے اجتناب کرنا۔ (۳) ہر اس چیز سے دوری اختیار کرنا جو آدمی کی روح کو حق سے پھیرتی ہو۔

یعنی اللہ کی طرف مکمل متوجہ ہونا کہ ذرا برابر اس کے حکم اور مرضی کے خلاف نہ چلے اس تیسری قسم کی طرف قرآن میں ترغیب دی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔''واتقوا اللّٰہ حق تقاتہ ''یعنی اللہ سے اس طرح ڈرتے رہو جس طرح اس سے ڈرنا چاہئے۔

یہ آخری قسم تقوی کی خواص کا تقوی ہے اس کے لئے ایک وسیع علم اور نہایت احتیاط کی ضرورت ہے یہ ہر کس وناکس کا کام نہیں ہے البتہ اس درجہ کے لئے جدوجہد کرنا بہر حال محمود ہے بلکہ مسلمان کی شان بھی یہی ہونی چاہئے کہ وہ ترقی میں کسی درجہ پر قناعت نہ کرے بلکہ اس کا سفر وسلوک مسلسل جاری وساری رہنا چاہئے جس کی طرف اس آیت کے جزء ثانی میں اشارہ ہے۔

اتقوا اللّٰہ حق تقاتہ ولاتموتن الاوانتم مسلمون۔

اور ارشاد ہے۔

واعبد ربك حتى ياتيك اليقين (الآية)

''اور بندگی کئے جا اپنے رب کی جب تک آئے تیرے پاس یقینی بات (موت)۔''

رہا دوسرا درجہ تو یہ ایک وسیع باب ہے اس میں ہر آدمی اپنی اپنی استطاعت کے مطابق مقام حاصل کرسکتا ہے کیونکہ اس نوع کو استطاعت کے ساتھ معلق کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔''فاتقوا اللّٰہ مااستطعتم'' یعنی اللہ سے ڈرو جتنا تمہاری قدرت میں ہے یعنی معاصی اور گناہوں سے بچنے میں اپنی پوری توانائی اور طاقت صرف کرو اور ظاہر ہے کہ سارے انسان ایک جیسے نہیں بلکہ ان میں ضعف قوت وخوف، رجاء اور احتیاط کے اعتبار سے تفاوت موجود ہے لہٰذا ہر شخص کا تقوی دوسرے سے مختلف ہے۔

تقوی کی فضیلت:۔

قرآن کریم میں بارہا مصیبت اور مشکل سے بچنے کے لئے صبر وتقوی کو اپنانے پر زور

دیا گیا ہے گویا تقوی انفرادی اور اجتماعی کامیابی کا ضامن ہے اور تمام مشکلات کا حل اس میں مضمر ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

وان تصبروا وتتقوا لایضرکم کیدھم شیئاً۔

''اگر تم صبر وتقوی اختیار کئے رہو تو تم کو ان کی چالیں ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکیں گی اور ارشاد ہے۔

بلی ان تصبروا وتتقوا ویاتوکم من فورھم ھذا یمددکم ربکم بخمسة آلف من الملائکة مسومین ۔

''البتہ اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو اور وہ آئیں تم پر اسی دم تو مدد بھیجے تمہارا رب پانچ ہزار فرشتے نشان دار گھوڑوں پر۔''

اور ارشاد ہے۔

واتقواﷲ لعلکم تفلحون۔

''اور ڈرو اللہ سے تا کہ تمہارا بھلا ہو۔''

اور ارشاد ہے۔

یاایھا الذین آمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقواﷲ لعلکم تفلحون ۔

''اے ایمان والو صبر کرو اور مقابلہ میں مضبوط رہو اور لگے رہو اور ڈرتے رہو اللہ سے تا کہ تم اپنی مراد کو پہنچو۔''

اس آیت میں تقوی کو سب سے آخر میں ذکر کیا گیا ہے تا کہ اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ تقوی ان سب کاموں کی روح اور قبولیت اعمال کا مدار ہے۔ارشاد نبوی ہے۔

عن ابی ذر قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم انی لأعلم آیة لواخذ الناس بھا لکفتھم ۔

''حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایسی آیت جانتا ہوں کہ اگر لوگ اس پر عمل اختیار کریں تو ان کے دین و دنیا کے لئے وہی کافی ہے۔ وہ آیت یہ ہے۔

ومن یتق اللّٰہ یجعل لہ مخرجاً (الآیۃ)

(رواہ احمد)

''یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے اللہ اس کے لئے راستہ نکال دیتے ہیں۔

(معارف القرآن ص:۱۶۱ ج:۲ بحوالہ مسند احمد)

خوف ورجاء:۔

اللہ تعالیٰ کی ذات اور تمام صفات پر ایمان لانے کا ہر عاقل وبالغ انسان مکلّف ہے اور چونکہ اللہ کی صفات میں سے بعض جلالی ہیں اور بعض جمالی اور یہ امر بھی طے شدہ ہے کہ ان صفات کے مظاہر اور آثار بھی موجود ہیں لہٰذا ان مظاہر وآثار کی تصدیق بھی ضروری ہے کہ بغیر اس کے ایمان کالعدم ہے من جملہ ان مظاہر وآثار کے دوزخ وجنت بھی ہیں جن پر ایمان ایمان بالآخر کے ضمن میں آتا ہے۔

پس اس بات کا یقین رکھنا ضروری ہے کہ اللہ جس کو چاہے اس کے گناہوں کو معاف کر کے جنت کے اونچے درجات تک پہنچا سکتا ہے کیونکہ وہ ہر شئے کی قدرت رکھتا ہے اور غفور الرحیم بھی ہے اور صفات جلالیہ کی بناء پر وہ جس کو عذاب دینا چاہے تو بھی اس کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہے ان دونوں قسم کی صفات اور ان کے مظاہر پر ایمان لانے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ جب ہم رحمت خداوندی کا تصور کریں تو یہ امید پیدا ہو کہ ہمارے گناہ کو معاف کر دے گا اور جب جلالیت کا تصور ہو تو یہ خوف پیدا ہو کہ ہمارے جرائم کی وجہ سے ہمارا مواخذہ ہوگا اسی کا نام ہے خوف ورجاء یعنی ڈر بھی ہو اور امید بھی۔

اگر ان صفات میں سے کسی ایک کو یا اس کے مظہر کو نظر انداز کیا جائے تو ایمان باقی نہیں رہتا جیسا کہ شرح عقائد میں اسکی تصریح کر دی گئی ہے۔ ''والیأس من اللّٰہ تعالیٰ کفر'' اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہونا کفر ہے یعنی خوف اتنا زیادہ ہو کہ رحمت کی کوئی امید باقی نہ رہے یہ کفر ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

''انہ لاییئس من روح اللّٰہ الا القوم الکافرون''۔(والامن من اللّٰہ تعالیٰ کفر)''فلایامن مکر اللّٰہ الاالقوم الخاسرون''۔

''بے شک ناامید نہیں ہوتے اللہ کے فیض سے مگر وہی لوگ جو کافر ہیں (اور اللہ کے عذاب سے بالکل بے خوف ولا پرواہ ہونا بھی (کفر) ہے) سو بے ڈر نہیں ہوتے اللہ کے داؤ سے مگر خرابی میں پڑنے والے۔''

یعنی یا تو آخرت سے بالکل لاتعلق ہو کر لاپرواہ اور بے خوف ہو جائے یا امید اتنی بڑھ جائے کہ خوف ہی ختم کر دے یہ دونوں صورتیں ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی ہیں تاہم نیک عمل کے ساتھ رجاء کا پہلو خوف پر غالب ہونا چاہئے کہ یہ علامت محبت ہے اور جو کام محبت وعقیدت کی بنیاد پر کیا جائے اس کا عوض اس عمل سے زائدہ ہوتا ہے جو محض خوف کی بناء پر اور سزا سے بچنے کے لئے کیا جائے چنانچہ ایک حدیث قدسی میں یہ کلمات وارد ہوئے ہیں۔

اناعندظن عبدی بی فلیظن بی ماشاء۔

(ابن حیان وابن ماجہ ترمذی ص:۲۰۰)

''میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں اب وہ جو چاہے گمان کرے۔

(ترمذی ص:۲۰۰ ج:۲)

اور اسی حکمت کے تحت موت کے وقت حسن ظن اور رجاء کی تاکید آئی ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

لایموتن احدکم الا وھو یحسن الظن باللّٰہ تعالیٰ۔

(مسلم ص:۳۸۷ ج:۲)

''تم میں سے کوئی نہ مرے مگر اس حال پر کہ وہ حسن ظن رکھتا ہو اللہ کے ساتھ۔''

(مسلم ص:۳۸۷ ج:۲)

البتہ اگر کوئی کام خلاف شرع ہو تو اس کے ارتکاب کی صورت میں خوف ہی محمود ومطلوب ہے کیونکہ اسی کی بدولت گناہ کرنے کی جرأت ختم ہو جاتی ہے یا پھر توبہ کرنے کی توفیق ملتی ہے گویا رجاء کا زیادہ تر تعلق طاعت سے ہے تاکہ مزید طاعات وعبادات کی رغبت پیدا ہو اور نیکی کی ہمت تیز تر ہو اور خوف اکثر وبیشتر غیر مشروع کاموں کے ساتھ مربوط ہونا چاہئے تاکہ گناہ کرنے کی نوبت نہ آئے اور کئے

ہوئے گناہوں کو بذریعہ توبہ معاف کرا سکے۔

تنبیہ:۔

خوف اور خشیت خداوندی قساوت قلبی اور جہالت کی ضد ہے نہ کہ شجاعت کی کیونکہ ایک فضیلت دوسری فضیلت کی ضد اور رمبائن ہرگز نہیں ہوسکتی دوسرے یہ کہ انبیاء علیہم السلام عظیم شجاعت و بہادری کے باوجود اپنے رب سے نہایت ہی خائف ہوا کرتے تھے لہٰذا خوف جہالت اور قسوت کی ضد اور علم کے لوازم میں سے ہے جس کی تصدیق اس آیت سے ہوتی ہے۔

انما یخشی اللّٰہ من عبادہ العلماء ۔

رضا بر قضا:۔

دار التکلیف یعنی دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اکثر اشیاء کے حصول کو اسباب اور وسائل پر مبنی کیا ہے اور ان اسباب میں سے بعض تو ایسے ہیں جن کے اختیار کرنے اور بروئے کار لانے کا انسان کو حکم ہے مثلاً دعاء، دوا اور غذا وغیرہ پھر عادت باری بھی یہی ہے کہ ان اسباب کے اختیار کرنے کے بعد مسبب اور مطلوب حاصل ہوجاتا ہے تاہم ضروری نہیں کہ وہ ضرور حاصل ہو چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کبھی علاج معالجہ کے باوجود مریض کی طبیعت مزید خراب ہوکر موت کا شکار ہوجاتا ہے کیونکہ اللہ نے ہر چیز کے لئے ایک وقت مقرر کیا ہے اس وقت کے آنے پر تمام اسباب ووسائل ناکام ہوجاتے ہیں مگر وہ وقت چونکہ انسان پر مخفی ہے اس لئے اس کو اسباب اختیار کرنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے۔ لہٰذا بندہ کی نگاہ ہمہ وقت قضاء پر ہونی چاہئے کہ اسباب مؤثر نہیں بلکہ ہوتا وہی ہے جو اللہ نے مقرر کیا ہے۔

پس اگر اسباب کے بعد وہ مطلوبہ چیز حاصل ہو تو ایک طبعی خوشی حاصل ہوتی ہے لیکن مقصد کے فوت ہونے کی صورت میں بھی عقلی خوشی ہونی چاہئے کہ اللہ کی اس میں ضرور کوئی حکمت ہوگی جو اگرچہ عوام کی سمجھ سے بالاتر ہے مگر اس میں بہتری ہوتی ہے اس کو کہتے ہیں رضا بر قضاء جو کہ فرض ہے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم مؤمنین مسلمین ہیں آپ نے پوچھا کہ تمہارے ایمان کی کیا علامت ہے؟ انہوں نے

عرض کیا کہ مصیبت پر صبر کرتے ہیں اور راحت پر شکر کرتے ہیں اور قضا پر راضی رہتے ہیں آپ نے فرمایا بخدا تم سچے مؤمن ہو۔(حاکم)

حکایت:۔

ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ وہ جنگل میں رہتے تھے اور انہوں نے ایک گدھا پال رکھا تھا جس پر اسباب لادتے تھے اور ایک کتا رکھ چھوڑا تھا جو مکان کی حفاظت کیا کرتا تھا اور ایک مرغ پال رکھا تھا جو اذان دے کر سب کو جگا دیا کرتا تھا اللہ کی شان کہ ایک دن لومڑی آئی اور مرغ کو پکڑ کر لے گئی ان کی بیوی رونے لگی کہ ہائے مرغ جاتا رہا شیخ نے فرمایا رومت اسی میں بہتری ہوگی اس کے بعد بھیڑیا آیا اور گدھے کو مار گیا۔اس وقت بیوی پھر رنجیدہ ہوئی تو شیخ نے کہا اس میں خیر تھی رونے کی کوئی بات نہیں اس کے بعد اچانک کتا مر گیا اور بیوی پھر غمگین ہوئی تو شیخ نے پھر یہی فرمایا کہ غم نہ کرو اس میں بھلائی تھی غرض صبح ہوئی تو دفعتاً غنیم کا ایک لشکر اس میدان میں لوٹنے کے لئے آ پڑا اور جتنے بھی گھروں کا ان کو پتہ چلا سب کو لوٹ لیا اور بجز ان بزرگ اور ان کی بیوی کے سب ہی کو گرفتار کر کے باندی غلام بنا کر لے گئے۔

اور ان کے مکانات کا پتہ دشمن کی فوج کو اس طرح چلا کہ کسی کے دروازے کا کتا آہٹ پا کر بھونکنے لگا اور کسی کا گدھا رینگ رہا تھا اور کسی کا مرغ اپنی بانگ بلند کر رہا تھا۔

اس وقت ان بزرگ نے اپنی بیوی سے کہا کہ دیکھا اس بادیہ نشین قوم کی بربادی کا سبب یہ جانور بن گئے پس خدا کا کتنا فضل تھا کہ ہمارے تینوں جانور پہلے ہی مر گئے ورنہ آج ہم بھی گرفتار ہوتے۔(تبلیغ دین ص:۳۱۲)

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا واقعہ اس کی ایک بہترین مثال ہے کہ تکوینی اسرار اور حکم پر مطلع ہونا مشکل ہے لہٰذا اگر انسان کو طبعی طور پر کسی بات پر صدمہ ہو مگر عقلی اعتبار سے ''الخیر فیما وقع'' کے مطابق رضامندی ہی اس کے حق میں بہتر ہے کیونکہ عدم رضا اور برا بھلا کہنے سے خدا کے فیصلوں میں ذرا برابر تبدیلی نہیں آ سکتی ہے۔

لہٰذا مقصد کے فوت ہو جانے کے ساتھ اپنے ایمان کو ضائع کرنا دانشمندی کے خلاف ہے البتہ

کسی گناہ پر یا کفر پر راضی ہونا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ رضا بر قضاء کے ضمن میں نہیں آتا بلکہ رضا بر مقضٰی ہے جو انسان کا فعل ہے اور دونوں میں فرق واضح ہے ہے کہ قضا اللہ کی صفت ہے اور کفر وغیرہ بندہ کا مذموم وصف ہے۔

توکل:۔

لفظ توکل وکالت سے مشتق ہے جس کے معنی اعتماد بھروسہ کے ہیں اور جس پر معاملات میں اعتماد کیا جاتا ہے اسے وکیل کہتے ہیں لہٰذا اللہ پر توکل کے معنی ہونگے اس پر اعتماد کر کے اپنے کام اس کے سپرد کرنا اور مطمئن ہو کر نتائج اس کے حوالہ کرنا۔ بالفاظ دیگر جب یہ یقین حاصل ہو جائے کہ اللہ یکتا اور فاعل مختار اور تمام صفات کمالیہ میں مستقل ہے اور اپنے افعال میں کسی کا محتاج نہیں اور یہ کہ کوئی اس کے کاموں میں خلل نہیں ڈال سکتا ہے اور اس کی سنت جاریہ ہے کہ اسباب کے بعد اثر مرتب کر دیتا ہے تاہم اس پر کوئی جبر اور زبردستی نہیں کر سکتا اور یہ کہ اسباب وسائل اور ذرائع تو ہیں مگر مؤثر ہرگز نہیں اور پھر اسباب اختیار کرتے وقت بھی اعتماد اور بھروسہ اللہ ہی پر ہو نہ کہ اپنی مادی طاقت اور اسباب ظاہری پر تو یہ شخص متوکل ہے اور اس کی یہ حالت توکل ہے۔

مذکورہ تعریف میں توکل کو تین ارکان پر مبنی کیا گیا ہے۔ نمبر ا توحید نمبر ۲ حالہ نمبر ۳ عمل اور کسب۔

توحید کا مختصر مطلب یہ ہے کہ متوکل کو یہ جزم اور یقین حاصل ہو کہ اللہ اپنی صفات کمالیہ میں مستقل اور یکتا ہے کوئی ان صفات میں اس کا شریک نہیں اور نہ ہی کوئی ان صفات اور ان کے آثار و مظاہر میں اس کا مزاحم ہو سکتا ہے الغرض وہ ہر کام اور ہر فیصلے خود کرتا ہے دوسرے رکن حال یا احالہ کا مطلب یہ ہے کہ اپنے کام خدا کے حوالہ کر کے اپنے قلب کو مطمئن کیا جائے اور غیر اللہ کی طرف التفات نہ رہے۔

تیسرا رکن عمل یعنی اسباب ظاہری کو اپنی قدرت کے مطابق جمع کرنا اور اختیار کرنا لہٰذا بعض جاہلوں کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ توکل محنت و مزدوری اور کسب کے چھوڑ دینے کا نام ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بے کار بن کر بیٹھ جائے اگر بیمار ہو تو دوا علاج نہ کیا جائے بے سوچے سمجھے اپنے آپکو خطرات و ہلاکت میں ڈال دیا کرے کبھی آگ میں گھس جائے اور کہیں شیر کے منہ میں ہاتھ دیدے تب متوکل

کہلائے ایسے متوکلین آج بکثرت موجود ہیں میں نے خود ان کا حال اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ انہوں نے اس جہالت اور غلطی کی بناء پر رسوائی کے سوا کچھ حاصل نہ کیا۔ صد افسوس کہ جہالت کا علاج نہایت مشکل ہے حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ ہمارے سامنے ہے کہ انہوں نے اسباب اختیار کرنے سے کب روکا ہے بلکہ انہوں نے تو خود بھی اپنی قدرت واستطاعت کے مطابق اسباب اختیار کئے اور دوسروں کو بھی اس کا حکم دیا چنانچہ وہ کبھی دشمن کے خلاف میدان جنگ میں خالی ہاتھ نہیں نکلے بلکہ ہمیشہ مسلمانوں کو منظم کیا اور اسلحہ اور دیگر آلات حرب کا انتظام فرمایا محاذ جنگ پر پہنچ کر مناسب حال ومقام کا نقشہ تیار کیا مختلف مورچے بنا کر صحابہ کرام کو ان پر بیٹھایا وغیرہ یہ سب مادی انتظامات ہی تو تھے ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اسباب پر فخر اور ناز توکل کے خلاف ہے اور یہی فرق ہے مؤمن اور کافر کے درمیان کہ مؤمن مادی اسباب کے اجتماع کے باوجود ان پر یقین نہیں رکھتا بخلاف کافر کے۔ یہ ضابطہ ظاہری اسباب کا ہے خفی اسباب سے اجتناب بعض لوگوں کے لئے جائز ہے جیسے علاج کرنا جبکہ اخفی اسباب کا استعمال کسی صورت میں جائز نہیں جیسے سحر، جادو اور علم نجوم وغیرہ۔

توکل کی فضیلت:۔

جنگ یرموک کے موقع سے جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مزید فوجی کمک بھیجنے کے لئے لکھا گیا اور قلت تعداد کی شکایت کی گئی تو تحریر فرمایا۔

قد جاء نی کتابکم تستمدوننی فانی ادلکم علی من هو اعز نصراً واحسن جندا للّٰہ عزوجل فاستنصروہ فان محمداً صلی اللّٰہ علیہ وسلم قد نصر فی یوم بدر فی اقل من عدتکم ،فاذاجاء کم کتابی هذا فقاتلوهم ولاترجعونی۔

''میرے پاس تمہارا خط آیا جس میں تم نے زیادہ فوجی مدد طلب کی ہے لیکن میں تم کو ایسی ذات کا پتہ دیتا ہوں جو آخرت کے لحاظ سے زیادہ محفوظ ہے۔ وہ اللہ رب العالمین کی ذات ہے لہٰذا تم اس سے مدد طلب کرو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بدر میں باوجود قلت عدد کے مدد دی گئی جب میرا یہ خط تم کو پہنچے تو ان پر ٹوٹ پڑو اور مجھ سے اس سلسلے میں کوئی مراجعت نہ کرو۔''

(معارف القرآن ص:۱۶۷ ج:۲ بحوالہ مسند احمد)

اس واقعہ کے راوی بیان کرتے ہیں کہ جب ہم کو یہ خط ملا ہم نے اللہ کا نام لے کر کفار کے لشکر کثیر پر یکبارگی حملہ کیا جس میں ان کو شکست فاش ہوئی۔

تنبیہ:۔

جہاں بغیر کسب سبب کے کسی کی غیبی مدد کی جائے تو اسے توکل نہیں کہتے بلکہ وہ نبی کے لئے قبل از نبوت ارہاص اور بعثت کے زمانے میں معجزہ ہے اور ولی کے لئے کرامت اور عام آدمی کے لئے معونت ہے اور یہ سب غیر اختیاری ہیں جبکہ توکل اختیاری ہے۔

صبر وشکر:۔

عبودیت کے لئے جس طرح اطاعت ضروری ہے کہ اپنے آقا کے ہر حکم کی تعمیل ہو اور کسی چیز میں اپنی مرضی کو اس کے حکم پر مقدم نہ کیا جائے یعنی جہاں حکم اور خواہش نفس میں تضاد ہو تو حکم پر چلنے کو ترجیح دیکر غلامی کا ثبوت دینا اپنا اولین فرض سمجھے اس طرح صبر اور شکر بھی حقیقی بندگی کے اہم رکن ہیں کہ اگر آقا کی طرف سے کوئی عتاب ہو تو اس پر صبر کرے اور یہ سوچے کہ یہ سزا میری کسی کوتاہی کی بناء پر مجھے مل رہی ہے لہٰذا اس کے ازالہ کی کوشش کرے اور اسے ظلم پر حمل کرنے کی غلطی سے کوسوں دور رہے کہ اس سے آقا ناراض ہوتا ہے جس کے نتیجے میں مزید عقاب کا باب مفتوح ہو جاتا ہے اور اگر نعمت ملے تو اسے اپنا کمال نہ سمجھے بلکہ اسے آقا کا احسان سمجھ کر اس کا شکریہ ادا کرنا چاہئے اور اپنی مدح کی بجائے مولیٰ کی تعریف سے زبان تر کرنی چاہئے۔

گویا کمال عبودیت کے تین رکن ہوئے اطاعت صبر اور شکر اور یہی فرق ہے انسان اور دوسری مخلوقات کے درمیان کہ مجموعی طور پر یہ تینوں خوبیاں کسی مخلوق میں نہیں پائی جاتی ہیں قرآن پاک میں ان تینوں پر بہت زیادہ ثواب اور ترقی درجات کا وعدہ موجود ہے اور بصورت دیگر خسران عظیم سے اپنا دامن بچانا بہت مشکل ہے پھر ان تینوں کے درمیان تلازم پایا جاتا ہے کہ اللہ نے انسان کو جو چیز عطا کی ہے اس کو شرع کے مطابق بروئے کار لانے کا نام اطاعت بھی ہے اور شکر بھی اور ظاہر ہے کہ اس میں نفس کی مرضی کے خلاف بھی چلنا ہوگا تو یہ بعینہ صبر علی الطاعت ہوا مثلاً اللہ نے انسان کو مال دیا ہے تو اس کو اپنی مرضی کے خلاف شرع

کے مطابق خرچ کرنا طاعت بھی ہے اور شکر بھی اور چونکہ اس میں مرضی اور نفسانی خواہش کی مخالفت بھی ہوئی تو یہ صبر کا بھی مصداق ہوا۔

اسی طرح انسانی اعضاء کو معصیت کے بجائے طاعات میں استعمال کرنا تینوں کا مصداق ہے حضور علیہ السلام کے پاؤں مبارک کثرت عبادت کی وجہ سے متورم ہو جاتے تھے اور تہجد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم گریہ وبکا فرماتے تھے تو اس حال کو دیکھ کر ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ کے تو اگلے اور پچھلے سب گناہ معاف ہو گئے ہیں پس آپ اس قدر گریہ وبکا کیوں فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا افلا اکون عبداً شکوراً اے عائشہ کیا میں خدا کا شکر گذار بندہ نہ بنوں؟۔(ابن حبان)

توبہ:۔

پوری زندگی ہر قسم کی معصیت وخطا سے پاک اور دور رہنا اور خواہشات نفسانی پر اس طرح قابو حاصل کرنا کہ کسی طرح گناہ کی نوبت نہ آئے معصومیت کہلاتی ہے جو بجز انبیاء علیہم السلام کے کسی بشر کے بس میں نہیں الا یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے محفوظ رکھے ورنہ ہر انسان سے کوئی گناہ ضرور صادر ہوتا ہے جس کی وجہ سے دل پر سیاہ نقطہ نمودار ہو کر زنگ کی شکل اختیار کر لیتا ہے جس کے بعد حکمت اور خیر وبھلائی کی بات دل پر اثر نہیں کر سکتی ہے۔

یہ معاملہ تو بہت ہی پیچیدہ معلوم ہوتا ہے کہ دل کو کس طرح صیقل کیا جائے؟ مگر اللہ عزوجل نے اس کو نہایت سہل فرمایا کہ خالص توبہ کرنے پر وہ نہ صرف یہ کہ گناہ معاف کرتا ہے بلکہ توبہ کرنے والوں سے محبت بھی کرتا ہے گویا گناہ کی وجہ سے آدمی اللہ عزوجل سے دور ہو جاتا ہے اور توبہ کرنے سے مقرب اور محبوب الٰہی بن جاتا ہے۔

توبہ کے معنی:۔

توبہ کے معنی رجوع کرنے اور بعد سے قرب کی جانب لوٹ آنے کے ہیں اور یہ تب ہی ہوسکتا ہے کہ تائب کو اس مضمون کی پوری آگاہی حاصل ہو کہ گناہ سم قاتل اور تباہ کر دینے والی شے ہے اور

پھر خوف اور ندامت پیدا ہو کر گناہ کی تلافی کرنے کی سچی اور خالص رغبت اتنی پیدا ہو جائے کہ جس گناہ میں مبتلا تھا اس کو فوراً چھوڑ دے اور آئندہ کے لئے اس گناہ سے بچنے اور پرہیز کرنے کا عزم مصمم کر لے اور اس کے ساتھ ہی جہاں تک ہو سکے گذشتہ تقصیر و کوتاہی کا تدارک کرے۔

توبہ ہر شخص پر واجب ہے:۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر ایک عمدہ اور نفیس بحث کی ہے جس کا ذکر زیبا سمجھتا ہوں چنانچہ وہ قمطراز ہیں کہ کوئی انسان کسی وقت بھی گناہ سے خالی نہیں اس لئے کوئی وقت بھی ایسا نہ ہوگا جس میں کوئی شخص توبہ سے مستغنی ہو کیونکہ انسان کسی حال اور کسی رتبہ کا بھی ہو یہ ضروری ہے کہ یا تو اس کے اعضاء سے کوئی عضو کسی گناہ کا مرتکب ہو رہا ہوگا اور یا قلب کسی مذموم خصلت میں ضرور مبتلا ہوگا کہ جس کی اصلاح کے لئے توبہ کی حاجت ہوگی اور اگر یہ مان لیا جائے کہ کوئی انسان فرشتہ سیرت اور ایسا مہذب بن گیا ہے کہ اس کی کوئی عادت اور کوئی خصلت بھی ایسی نہیں ہے جس کی اصلاح کی ضرورت ہو تب بھی کوئی وقت تو ایسا ضرور ہوگا جس میں حق تعالیٰ کی یاد سے اس کو غفلت ہوگی اور چونکہ حق تعالیٰ کا حکم ہے کہ جب اپنے پروردگار کو بھولو تو فوراً یاد کر لو اس لئے پھر بھی اس حالت سے رجوع کرنے اور غفلت سے یاد کی طرف پلٹنے کی ضرورت ہوئی اور اسی رجوع کا نام توبہ ہے اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ کوئی شخص خدا کی یاد میں ہر آن مستغرق اور محو ہے کہ کوئی لحظہ بھی قلب کو غفلت نہیں ہوتی اگرچہ اس درجہ استغراق دشوار بلکہ قریب قریب ناممکن ہے تاہم اگر ایسا مان بھی لیا جائے تو ہم کہیں گے کہ انسان جس مقام اور جس مرتبہ میں ہے اس سے عالی و بلند مرتبہ میں پہنچنے سے پہلے پہلے پھر بھی توبہ کا محتاج ہے۔

کیونکہ ہر مقام اور ہر مرتبہ اپنے عالی اور مافوق مقام و مرتبہ کے اعتبار سے ناقص کہلاتا ہے اور ناقص سے باہر نکلنا اور کامل پر پہنچنا ہر شخص پر لازمی ہے پس جب تک بھی اس میں رہے گا تو ضرور توبہ کا محتاج ہوگا اور جب دوسرے درجہ پر پہنچے گا تو چونکہ وہ درجہ بھی اپنے مافوق درجہ کے اعتبار سے ناقص ہے اس لئے جب تک اس سے باہر نہ نکلے اور اوپر نہ پہنچے اس وقت تک وہاں بھی توبہ کا حاجتمند ہوگا اسی طرح سلسلہ چڑھتا رہے گا کہ جوں جوں ترقی کرے گا یوں یوں توبہ کا ضرورت مند ہوتا رہے گا اور چونکہ مراتب

قرب خداوندی لامتناہی ہیں لہٰذا کوئی حالت بھی ایسی نہ نکلے گی جس میں انسان کو نسبتاً ناقص مرتبہ میں رہنے کی وجہ سے توبہ کا ضرورت مند نہ کہا جائے۔

اور یہی بات ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی معصوم و بے گناہ ذات کے متعلق یہی فرماتے ہیں میں دن میں سو مرتبہ توبہ و استغفار کرتا ہوں۔

(مسلم ص:۳۴۶ ج:۲ نسائی و ابوداؤد)

ہاں یہ ضرور ہے کہ عام لوگوں کی توبہ ظاہری گناہوں سے ہوا کرتی ہے اور صالحین کی توبہ باطنی گناہوں اور مذموم اخلاق سے ہوا کرتی ہے اور متقین کی توبہ شک و شبہات کے ابتلاء سے ہوتی ہے اور محبین کی توبہ اس غفلت سے ہوتی ہے جس نے ذکر الٰہی کو کسی لحظہ میں بھلا دیا تھا اور عارفین کی توبہ اس مقام سے ہوتی ہے جس پر پہنچے ہوئے ہیں مگر اس کے مافوق پر پہنچنا چاہتے ہیں اور چونکہ مقامات لامتناہی ہیں اس لئے عارف کی توبہ کا کوئی منتہی نہیں اور نہ اس کے خاتمہ کا کوئی وقت متعین ہے۔ (تبلیغ دین)

فصل نمبر ۲

ایک اجمالی نظر:۔

انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے اس روئے زمین کا مالک بنایا ہے گو کہ یہ ملک مجازی اور عارضی ہے مگر بہ نسبت دوسری مخلوقات کے انسان کو اس مستعار تصرف اور حکمرانی کا زیادہ حق دیا ہے اور اس حکمت کی بناء پر اس کے مزاج میں الفت و انس جیسے قابل تمدن عناصر ودیعت کر دیئے ہیں مگر اول تو سب کے مزاج ایک جیسے نہیں کہ اگر بعض فرشتہ سیرت ہیں تو بعض دیگر درندہ صفت بھی تو ہیں اس لئے اس معاشرہ کا ہر فرد اپنی دینی اور اخلاقی ذمہ داری کو پورا نہیں کرتا یا پھر چونکہ حالات اور خارجی اسباب کی بناء پر مزاج میں تبدیلی آتی رہتی ہے اس لئے بنی نوع انسانی کے اخلاق پر نشیب و فراز اور افراط و تفریط کے عناصر کا اکثر غلبہ اور تسلط رہتا ہے خاص کر موجودہ حالات کی وجہ سے تو انسانی اخلاق درندوں کے اخلاق کے مساوی ہو گئے وہ تمام خوبیاں جن کی بدولت انسان مکرم اور اشرف المخلوقات کے لقب سے ملقب ہوا تھا انسانی

معاشرہ سے کوسوں دور چلی گئیں۔

انس محبت کی بجائے اب انسان نفرتوں کا شکار ہو گیا جس کی وجہ سے اس کی قدر ختم ہوگئی یہ الگ بات ہے کہ اس کو تنبیہ کرنے والا بجز اسلامی تعلیمات کے اور کوئی نہیں تا کہ اس کو شعور دلا کر انجام بد سے مطلع کرے حکمران اور علماء اس سمت اصلاح معاشرہ میں کافی پیش رفت اور تعاون کر سکتے ہیں مگر ان میں سے اکثریت اپنے عہدہ منصبی فرائض سے غافل ہے اصلاح نفس اور تکمیل فرائض کے بجائے ان کی تمام تر سعی آرام اور سامان تعیش کے لئے ہوتی ہے ملت کی خیر خواہی سے ان کو کوئی سروکار نہیں اور جوان میں سے مخلص اور ملت کے خیر خواہ ہیں وہ نہایت بے بس ہیں کیونکہ اس قرب قیامت اور مغربی طرز جمہوریت کے دور میں صحیح معاشرہ تشکیل دینا قریب قریب ناممکن ہے کہ آج فیصلے اکثریت کی رائے پر مبنی ہوتے ہیں اور اکثیرت کا میلان تو عیش وعشرت وعریانی اور فحاشی اور اخلاق بہیمہ کی طرف ہے ان کو اصلاح کی بات نہایت تلخ اور ناگوار لگتی ہے اس لئے کسی خاطر خواہ نتیجہ برامد ہونے کی امید نہیں کی جاسکتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہزار ہا کوششوں کے باوجود لوگوں کے اخلاق وعقائد مسخ ہو رہے ہیں اور ماحول بد سے بدتر ہوتا جارہا ہے گویا انسانی معاشرہ اس وقت ایک وبائی اور نہایت مہلک بیماری کا شکار ہے تاہم وہ مخلص اور عقلمند حضرات جوان حالات سے مطمئن نہیں اور وہ ہر حال میں تزکیہ نفس اور اصلاح معاشرہ کے متلاشی ہوتے ہیں سو ان کو جاننا چاہئے کہ موجودہ حالات اور عہد نبوی سے بُعد اور دوری ان کے لئے ایک آزمائش ہے لہٰذا ان حالات میں انبیاء علیہم السلام خصوصاً متمم مکارم اخلاق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کریمانہ اخلاق سے متخلق ہونا ان کے لئے نہایت لازمی اور باعث صد ثواب ہے کہ انسان کی فضیلت کا راز اسی میں مضمر ہے اور یہ کہ موجودہ پرفتن دور میں جہاں مذموم اخلاق کی فضا میں اللہ والوں کے خلاف ہر قسم کے حربے استعمال کئے جارہے ہیں اور ہر طرف سے تند مخالف ہوائیں چل رہی ہیں استقلال کے ساتھ مقابلہ کرنا سونے کو آگ پر تپانے کے مترادف ہے پس جن کے اخلاق طبعاً اور خلقتاً اچھے ہیں تو ان کو اس نعمت کی قدر کرنی چاہئے اور ہر اس شے سے گریز کرنا چاہئے جو ان کے اخلاق حسنہ پر اثر انداز ہوتی ہے اور جن کے اخلاق فطرۃً نسبتاً زیادہ بہتر نہیں یا بالکل ہی خراب ہیں مگر وہ اپنی اصلاح کے خواہشمند ہیں ان کو ایسے اسباب اختیار کرنے کی ضرورت ہے کہ

جن سے ان کے اخلاقی معیار شرع کے مطابق ہوجائے کیونکہ اخلاق اگر چہ فطری اور خلقی ہوتے ہیں تاہم مزاج میں تبدیلی آسکتی ہے یا پھر خارجی اسباب کی بدولت مزاج میں یا اس کے اثرات میں تغیر آسکتا ہے چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں۔

واضح ہو کہ انسان کے ان دلی خواطر وخیالات کا جو اس کو کسی کام پر اکساتے ہیں اور رغبت دلاتے ہیں ضرور کوئی نہ کوئی سبب ہوگا کیونکہ تمام حوادث (نو پیدا شدہ چیزوں) میں عادت الٰہی یونہی جاری ہے کہ ان کے وجود میں آنے کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوتا ہے مشاہدہ تجربہ اور صحیح غور وفکر سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس کے بہت سے اسباب ہیں۔

من جملہ ان اسباب کے سب سے بڑا سبب انسان کی وہ جبلت ہے جو اس کی خلقت میں رکھی گئی ہے چنانچہ اس کا ذکر ایک حدیث میں اس سے پیشتر آچکا ہے وہ حدیث یہ ہے کہ پہاڑ کا ٹل جانا سنو تو چاہے سچ جان لینا لیکن اگر کسی کی عادت کا بدل جانا سنو تو کبھی سچ نہ جاننا کیونکہ وہ شخص پھر اپنی جبلی حالت واصلیت پر لوٹ آئے گا۔ (مشکوٰۃ ص:۴۴)

من جملہ ان کے انسان کا مزاج طبعی ہے جو کھانے پینے وغیرہ جیسی ضروری تدابیر وحالات سے بدلتا رہتا ہے چنانچہ بھوکا آدمی کھانا طلب کرتا ہے اور پیاسا پانی مانگتا ہے بالغ اور تیز شہوت والا شخص عورت کی خواہش کرتا ہے بعض اوقات ایسی غذائیں کھاتا ہے جو قوت باہ (شہوت) کو تقویت پہنچاتی ہیں جس سے اس میں عورتوں کی طرف میلان پیدا ہوجاتا ہے اور پھر اس کے دل میں ایسے ایسے خیالات پیدا ہوتے ہیں جن کا تعلق عورتوں سے ہوتا ہے اور پھر یہی خیالات اس کو بہت سے نا قابل ذکر افعال کے کرنے پر آمادہ کردیتے ہیں اور بعض اوقات انسان ایسی سخت غذائیں کھاتا ہے جن سے اس کا دل بھی سخت ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے وہ قتل تک کی جرات کر بیٹھتا ہے اور بہت سی ان باتوں پر غصہ ہوجاتا ہے جن پر اور لوگ غصہ نہیں ہوتے اور نہ وہ باتیں قابل غصہ ہوتی ہیں پھر یہی دونوں قسم کے اشخاص جب صیام وقیام سے ریاضت نفس کرنے لگتے ہیں یا بہت بوڑھے ہوجاتے ہیں یا سخت بیمار پڑ جاتے ہیں تو ان کی پہلی حالت بہت حد تک بدل جاتی ہے یعنی دل نرم ہوجاتا ہے اور نفس سیدھا ہوجاتا ہے یہی وجہ ہے کہ

بوڑھے اور جوان کے حالات میں بڑا فرق پایا جاتا ہے اور اسی فرق کی بناء پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ کی حالت میں بوڑھے کو تو بیوی کا بوسہ لینے کی اجازت دیدی لیکن جوان کو نہ دی۔ اگر چہ اس میں اصل ضابطہ ضبط نفس کا ہے بوڑھا ضبط کرسکتا ہے نہ کہ جوان۔

اور من جملہ ان کے کسی چیز کی عادت اور الفت ہے کیونکہ جب انسان کسی بات کو کثرت کے ساتھ کرتا ہے اور اسی طرح اس کے لوح دل پر اس کی مناسب شکل وصورت منقش ہوجاتی ہے تو دل میں بسا اوقات اسی کے خیال آتے ہیں۔

اور منجملہ ان کی یہ بات ہے کہ کبھی نفس ناطقہ (روح) انسانی قوت بہیمہ کی قید سے بھاگتا ہے اور مقام اعلیٰ سے حسب توفیق کچھ ماہیت نورانی اڑالاتا ہے جو کبھی تو نیک کام سے انس ومحبت اور اطمینان وسکون کا باعث ہوتی ہے اور کبھی کسی اعلیٰ ونیک فعل کا عزم پیدا کردیتی ہے اور من جملہ ان کے ایک یہ بات بھی ہے کہ بعض نفوس خسیسہ شیاطین سے متاثر ہوکر ان کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں تو کبھی اسی ہیئت سے دل میں خواطر وخیالات پیدا ہوتے ہیں اور برے افعال سرزد ہوتے ہیں۔ (حجۃ اللہ البالغۃ ص:۹۳ ج:۱)

پس معلوم ہوا کہ سب سے بہتر وہ اخلاق ہیں جو انسان کی فطرت اور خلقت میں ودیعت کئے گئے ہوں کیونکہ ان اخلاق کے لئے کسی سبب اختیار کرنے یا تکلف کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ بڑی آسانی سے یہ خود بخود بغیر کسی ترغیب وترہیب کے صادر ہوتے ہیں کیونکہ ایسے شخص کا نفس مطمئنہ یا کم از کم لوامہ ہوتا ہے دوسرے نمبر پر وہ اخلاق ہیں جو معتدل مزاج کے نتائج ہوں یہ نسبتاً کمزور اخلاق ہیں کیونکہ ان کے لئے ہر وقت مزاج کا معتدل رکھنا ضروری ہوتا ہے اور ان اسباب سے اجتناب بھی لازمی ہوتا ہے جن سے مزاج کے توازن اور اعتدال پر منفی اثر پڑسکتا ہے۔

تیسرے نمبر پر وہ اخلاق ہیں جو جبلت اور مزاج کے علاوہ ریاضتوں اور خارجی اسباب اور تکلف پر مبنی ہوں یہ اخلاق کی سب سے کمزور اور ضعیف قسم ہے کہ اس کے لئے ہمہ وقت حاضر دماغ رہنا پڑتا ہے تھوڑی سی غفلت اور بے توجہی کے نتیجے میں پوری محنت ضائع ہوجاتی ہے اس قسم اخیر کے لئے سازگار ماحول ریاضتیں اور علم اخلاق سے وابستگی حد درجہ لازمی ہے۔ تاہم ثواب کے اعتبار سے تیسری قسم

سب سے اعلیٰ ہے۔

بہر حال اخلاق حسنہ کا سبب کچھ بھی ہو مگر مقصد سب کا ایک ہی ہے کہ ان تمام افعال (چاہے افعال قلب ہوں یا افعال جوارح) سے گریز کیا جائے جو خلاف شرع اور خلاف مروت اور معیوب ہیں اور ان افعال کا التزام کیا جائے جو شرع میں مطلوب ہیں لہٰذا دنیا کی محبت کو دل سے نکالا جائے کہ ایک تو یہ محبت آخرت کی محبت کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی ہے دوسرے یہ کہ یہ ان افعال سے رکاوٹ بنتی ہے جن پر فلاح ابدی مبنی ہے تیسرے اس سے بہت سارے مذموم اوصاف معرض وجود میں آتے ہیں مثلاً بخل حرص، طمع، حب جاہ وغیرہ اسی طرح غصہ سے بھی اجتناب کیا جائے کہ اس سے کینہ وحسد وغیرہ مہلک بیماریاں معرض وجود میں آتی ہیں بالفاظ دیگر قوت شہوانیہ اور قوت غضبیہ اوعقلیہ تینوں کو افراط وتفریط سے بچایا جائے کہ ہر دو صورتوں میں ان سے تباہی کے سوا کسی خیر وبھلائی کی توقع نہیں کی جاسکتی ہے اور ان قوتوں میں میانہ روی اختیار کر کے دل کو فضائل وکمالات کے نور سے منور کیا جائے تاکہ ان کی بدولت انسان اخلاق حسنہ کے زیور سے آراستہ ہو کر انبیاء علیہم السلام کے نقش قدم پر چل سکے جس کے نتیجے میں خلافت کا اصل مقصد پورا کر کے بارگاہ خلاق العلیم میں قرب حاصل کرے تاکہ خاتمہ بالخیر نصیب ہو۔

وآخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین

مؤرخہ اتوار ۲۹ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ بمطابق ۲۷ اگست ۱۹۹۵ء بعد صلاۃ العصر